صحرا کا چاند



"میں تم سے محبت کرتی ہوں انور! میں تمہاری شاہدہ ہوں۔
میں تمہاری امانت ہوں۔
میں شادی کروں گی تو صرف تم سے۔ کسی دوسرے مرد سے شادی نہیں کروں گی۔
اگر میرے ماں باپ نے میری شادی زبردستی کسی دوسرے مرد سے کرنی چاہی تو میں کچھ کھا کر مر جاؤں گی-----

رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے میں شاہدہ کے خطوط پڑھ رہا تھا اسکول کی کاپیوں میں سے پھاڑے ہوئے لکیردار کاغذوں پر پنسل سے لکھے ہوئے یہ کل بیس خط تھے ہر خط میں شاہدہ نے محبت کی قسمیں کھائی تھیں۔ زندگی بھر ساتھ دینے کے عہدو پیمان باندھے تھے۔

لیکن اب وہ دلہن بن کر کسی دوسرے کے گھر جا رہی تھی۔ دو دن بعد اس کی شادی اشرف سے ہو رہی تھی جو شیلانگ میں کسی فوجی ٹھیکیدار کا کلرک تھا۔ شاہدہ نے کہا تھا کہ اگر ماں باپ نے اس کی شادی میرے سوا کسی دوسرے مرد سے کرنی چاہی تو وہ کچھ کھا کر جان دے دے گی لیکن اب وہ کسی دوسرے مرد سے شادی کرنے کے لئے کسی اور کی دلہن بننے کے لئے مایوں بیٹھی ہوئی تھی۔

شاہدہ کا تعلق امرتسر کی ایک مشہور برادری سے تھا اور وہ میری دور کی رشتے دار تھی ہم بچپن سے ایک ساتھ کھیلے تھے ہمیں ایک دوسرے سے پیار تھا بڑے ہوئے تو ہماری محبت کی مہک رشتے داروں کے گھروں میں اڑنے لگی شاہدہ کے باپ نے مجھے اپنے گھر آنے سے منع کر دیا میں نے شاہدہ کے گھر جانا چھوڑ دیا ان کا مکان ہمارے ساتھ والی گلی میں تھا میں اب اس گلی میں سے بھی نہ گزرتا تھا۔ دل میں محبت کی آگ بدستور بھڑک رہی تھی مگر میں اسے اپنے سینے میں دبائے ہوئے تھا۔

یہ میں ۱۹۴۰ء کا ذکر کر رہا ہوں۔ میری نو عمری کا زمانہ تھا۔ مگر قد کاٹھ مضبوط تھے چوڑے شانوں اور صحت مند جسم کی وجہ سے میں اپنی عمر سے بڑا لگتا تھا ماں باپ بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے کوئی بہن بھائی نہیں تھا چچا نے اپنے قالین کے کارخانے میں ایک چھوٹی سی کوٹھری مجھے دے دی۔ میں صرف میٹرک تک پڑھا تھا چچا کے کارخانے میں قالینوں کا حساب کتاب رکھتا اس کے عوض مجھے تیس روپے تنخواہ ملتی تھی اس زمانے میں تیس روپے بہت ہوا کرتے تھے شاہدہ کی محبت نے میرے دل میں ایک عجیب سی پاکیزہ روشنی کر رکھی تھی اس زمانے کی محبتیں بڑی دلگداز ہوتی تھیں۔ جب بھی میں اور شاہدہ مکان کی سیڑھیوں پہ تپتی دوپہر میں مکان کی چھت والی برساتی یا گھر کے لحافوں والی کوٹھری میں ملتے تو ہم ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے خاموش کھڑے رہتے۔ گرمیوں میں شاہدہ کی ململ کی قمیص سے خس کے عطر کی اور سردیوں میں اس کی کشمیری شال میں سے حنا کے عطر کی خوشبو آ رہی ہوتی۔ مجھے لگتا کہ نیم گرم خوشبو کی لہریں میرے جسم سے لپٹتی ہوئی میرے سر کے اوپر سے گزر رہی ہیں۔ نیم روشن سیڑھیوں اور چھت کی گرم برساتیوں اور گھر کی پچھلی کوٹھریوں میں ہم نے کئی بار قسمیں کھا کر عہد کیا کہ ہم ایک دوسرے سے کبھی جدا نہیں ہوں گے ایک دوسرے کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑیں گے۔

شاہدہ میرے سینے سے لگ جاتی اور آنسوؤں بھری آواز میں کہتی "میں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گی انور۔ میں تمہارے بغیر ایک پل نہیں جی سکتی۔" نوجوانی کی محبتیں بڑی گہری مگر عہد و پیمان بڑے کچے ہوتے ہیں۔

چنانچہ جب شاہدہ کی اشرف کے ساتھ شادی کی بات طے ہوئی تو شاہدہ نے مجھے خط لکھا۔

"ابو اور آپی میری شادی کسی دوسرے سے کر رہے ہیں میں کیا کروں۔ سخت مجبور ہو گئی ہوں۔ تم مجھے معاف کر دینا انور۔ اور ہاں میں نے تمہارے سارے خط جلا دیئے ہیں تم بھی میرے خط جلا دینا۔"

یہ شاہدہ کا میرے نام آخری خط تھا۔

رات گزرتی جا رہی ہے۔ میں شاہدہ کا آخری خط اپنی کوٹھری میں جلتی لالٹین کی روشنی میں پڑھ رہا ہوں۔ اس خط میں سے حنا کے عطر کی خوشبو آ رہی ہیں میں نے اس خط کو

تہہ کر کے دوسرے خطوں میں رکھ کر انہیں سرخ ریشمی رومال میں باندھا اور اپنے بکس میں کپڑوں کے نیچے رکھ دیا میں نے چھوٹے ٹائم پیس میں وقت دیکھا رات کے پونے بارہ بجنے والے تھے۔

پورے بارہ بجے رات مجھے شاہدہ سے اس کے مکان کی چھت پر ملنے جانا تھا اس لئے کہ شاہدہ اب گھر سے باہر نہیں نکل سکتی تھی اور میں دن میں ان کے گھر نہیں جا سکتا تھا مجھے اس کی بدنامی کسی صورت گوارا نہیں تھی۔

میں نے سرہانے کے نیچے سے پاسنگ شو کی ڈبی نکال کر ایک سگریٹ نکالا اور چارپائی پر بیٹھ کر اسے پینے لگا۔ جب یہ خیال آتا کہ اب شاہدہ کسی اور کی ہو جائے گی تو دل میں اک تیر سا لگتا میں نے انتہائی ہیجان میں آ کر یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ میں شاہدہ کو بھگا کر لے جاؤں گا وہ مجبور ہے اسے زبردستی ایک مرد کے ساتھ باندھا جا رہا ہے وہ مجھ سے محبت کرتی ہے وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہے مجھے یقین تھا جب میں شاہدہ کے سامنے فرار ہونے کی دلیرانہ تجویز رکھوں گا تو وہ اسی وقت میرے ساتھ نکل کھڑی ہو گی۔

میں نے کچھ روپے بھی اپنے پاس بکس میں رکھ لئے تھے میرا منصوبہ تھا کہ میں شاہدہ کو ساتھ لے کر کلکتے چلا جاؤں گا جہاں میرا ایک امرتسری دوست رہتا تھا پھر وہاں جا کر ہم شادی کر لیں گے۔ اس کے بعد حالات اپنے آپ معمول پر آ جائیں گے۔

رات کے بارہ بجنے میں پانچ منٹ باقی رہ گئے تو میں نے لالٹین گل کر دی کوٹھری میں سے باہر نکلا۔ کوٹھری کو تالا لگایا اور چچا کے قالینوں کے کارخانے سے نکل کر شاہدہ کے مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔

اتنے برس گزر گئے ہیں لیکن آج بھی جب میں اس بات کا تصور کرتا ہوں تو مجھے کل کی بات لگتی ہے۔ سچ ہے محبت کی تصویریں کبھی ماند نہیں پڑتیں محبت کے لمحے ہمیشہ زندہ رہتے ہیں یہ پھول کبھی نہیں مرجھاتے اور جو لوگ سچی محبت کرتے ہیں وہ کبھی بوڑھے نہیں ہوتے آدھی رات کی سرگوشیوں میں ڈوبی ہوئی محبت بھری ملاقاتیں' چہروں پر جھریاں نہیں پڑنے دیتیں وہ چہروں کو ہمیشہ تابناک اور روشن رکھتی ہیں یہ پاکیزہ محبتیں' محبت کرنے والوں کو وقت کی زنجیریں نہیں پہننے دیتیں۔

۱۹۴۰ء کے امرتسر شہر کی' وہ رات بڑی سنسان اور خوبصورت تھی اس رات کا نیلا

آسمان آج بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے جس پر ستارے چاندی کے زیور کی طرح کھلے پڑے تھے اگرچہ سردیاں رخصت ہو رہی تھیں مگر رات خاصی خنک تھی میں نے پورے بازوؤں والا سویٹر پہن رکھا تھا۔

میں ہال بازار میں سے رام باغ کی طرف مڑ گیا۔ رام باغ کا بازار سنسان پڑا تھا اس زمانے میں چوریاں نہ ہونے کے برابر ہوا کرتی تھیں اور چوکیدار رات کو کہیں کہیں ہی نظر آتے تھے۔ رام باغ کے دروازے سے نکل کر میں بائیں جانب شاہدہ کے مکان والی گلی کی طرف آگیا گلی بھی رات کی خاموشی میں سنسان تھی۔ گلی کے نکڑ کے کھمبے پر بجلی کا دھندلا سا بلب جل رہا تھا۔ شاہدہ کے مکان کے پچھواڑے نیم کے درختوں کا احاطہ تھا جہاں دن میں بچے گولیاں کھیلتے تھے یہ احاطہ ویران تھا۔ شاہدہ کے مکان کی عقبی دیوار اس احاطے سے ملتی تھی مکان دو منزلہ تھا پرانی وضع کا مکان تھا اس کی عقبی دیوار میں بھی کھڑکیاں تھیں جو بند تھیں۔

نیم کے ایک درخت کی شاخیں مکان کی چھت پر جھکی ہوئی تھیں۔ یہ ساری صورت حال ذہن میں رکھتے ہوئے میں نے شاہدہ کو اس کی سہیلی اور ہماری محبت کی رازدار ثریا کے ہاتھ پیغام بھجوایا تھا کہ میں آج رات کے بارہ بجے اسے ملنے چھت پر آؤں گا جوانی کا خون تھا سارا بچپن کمپنی باغ کے درختوں پر کھیلتے گزرا تھا۔ میں بڑی تیزی سے نیم کے پیڑ پر چڑھ کر شاہدہ کے مکان کی چھت پر آگیا چھت ستاروں کی روشنی میں دھندلی نظر آرہی تھی۔ کسی طرف سے کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھیں۔ ٹین کی چھت والی برساتی میں ٹوٹی ہوئی چارپائیاں اور ایک تین پہیوں والی بچوں والی سائیکل اوندھی پڑی تھی نیچے جاتی سیڑھیوں والا دروازہ بند تھا میں منڈیر کے ساتھ لگ کر نیچے ہو کر بیٹھ گیا۔ مجھے اپنے پکڑے جانے کا کوئی خیال نہیں تھا خیال تھا تو صرف یہ کہ اگر شاہدہ کے باپ نے ہمیں اکٹھے دیکھ لیا تو وہ شاہدہ کو بہت مارے گا میری تو جو پٹائی ہوتی وہ مجھے خوب معلوم تھی۔ میری نگاہیں نیم اندھیرے میں سیڑھیوں پر لکڑی کے ایک کواڑ والے دروازے پر لگی تھیں۔

اندھیرے میں دروازے کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے سے کبھی مجھے لگتا کہ دروازہ آہستہ آہستہ کھل رہا ہے میں آنکھیں جھپک کر دیکھتا تو دروازہ اسی طرح بند ہوتا ایک بار مجھے پھر لگا کہ دروازہ آہستہ سے کھل رہا ہے میں نے اسے بھی اپنا وہم سمجھا مگر دوسری لمحے سیڑھیوں

کے اندھیرے میں سرخ و سپید رنگت والی شاہدہ کا چاند ایسا گول چہرہ نمودار ہوا۔ میں جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے بیٹھے رہنے کو کہا اور میری طرف پیٹھ کر کے دروازے کو بڑی احتیاط کے ساتھ آہستہ آہستہ بند کرنے لگی۔

دروازہ بند کر کے اس نے کنڈی لگا دی اور چھت پر دبے دبے پاؤں رکھتی میرے پاس آکر بیٹھ گئی اس نے کشمیری شال اوڑھ رکھی تھی مجھے اس کے لباس میں سے حنا کے عطر اور صندل کی ملی جلی خوشبو آئی میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا جو ٹھنڈا ہو رہا تھا میرے اپنے ہاتھ بھی ٹھنڈے تھے۔

شاہدہ نے سرگوشی میں کہا۔ "خدا کے لئے چلے جاؤ۔ ابا' آپی دوسری منزل پر سو رہے ہیں۔ میں ان کے پلنگ کے نیچے سے ہو کر اوپر آئی ہوں۔"

شاہدہ کے سانسوں میں دار چینی کی بہت دھیمی خوشبو تھی۔ شاید رات کو اس نے قہوہ پیا تھا۔ میں نے سرگوشی میں کہا۔

"شاہدہ! تم نے تو بڑی قسمیں کھائی تھیں ساتھ نبھانے کی۔ وہ قسمیں وعدے کہاں چلے گئے؟"

شاہدہ نے سرگوشی میں کہا۔ "میں مجبور ہو گئی ہوں انور! اب میرا بس نہیں چلتا۔ خدا کے لئے تم یہاں سے چلے جاؤ میں تم سے اسی طرح محبت کرتی رہوں گی۔ میں نے تمہارے سارے خط جلا دیئے ہیں تم بھی میرے خط جلا دینا۔"

میں نے شاہدہ کا بازو مضبوطی سے پکڑ لیا اور اسے آہستہ سے اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ "شاہدہ! چلو یہاں سے بھاگ چلیں۔ میں نے سارا انتظام کر لیا ہے۔ ہم کلکتے جا کر شادی کر لیں گے۔ پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ شادی کے بعد ہم واپس امرتسر آجائیں گے۔"

شاہدہ نے میرے ہونٹوں پر اپنی خوشبودار انگلی رکھ دی اس انگلی میں بسی ہوئی حنا کے عطر کی مہک آج بھی میرے دل و دماغ پر اسی طرح چھائی ہوئی ہے = شاہدہ نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "خدا کے لئے میں ایسا نہیں کر سکتی میں اپنے ماں باپ کو بدنام نہیں کر سکتی۔ شادی ہو رہی ہے تو پھر کیا ہوا۔ ہم اسی طرح ایک دوسرے سے پیار کرتے رہیں گے۔"

نیم والے احاطے کے باہر جو سڑک پرل ٹاکیز کو جاتی تھی اس طرف سے چوکیدار کی

آواز سنائی دی۔ شاہدہ جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی اس نے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔
"خدا کے لئے چلے جاؤ کوئی اوپر آگیا تو میں مرجاؤں گی۔"

یہ کہہ کر شاہدہ دبے پاؤں چلتی، دروازے تک گئی۔ آہستہ سے کنڈی کھول کر دروازے کو احتیاط سے دھکیلا اور سیڑھیوں کے اندھیرے میں اترنے سے پہلے مڑ کر میری طرف دیکھا ہاتھ سے چلے جانے کا اشارہ کیا اور اور پھر دروازہ بند ہوگیا۔ میرا چاند سیڑھیوں کے اندھیرے میں غائب ہوگیا تھا اس زمانے کی محبت کے چاند سیڑھیوں کے اندھیروں میں طلوع ہو کر سیڑھیوں ہی کے اندھیروں میں غروب ہو جاتے تھے ہر سیڑھی محبت کا تخت طاؤس ہوتی اور ہر سیڑھی محبت کا مزار ہوتی تھی جہاں گمشدہ محبتوں کے نظر نہ آنے والے چراغ روشن رہتے تھے سنائی نہ دینے والی خوشبودار سرگوشیوں کی روحیں منڈلایا کرتی تھیں۔ آج کی محبتیں بلندیوں کو ضرور چھو رہی ہیں لیکن ان کے نیچے سے سیڑھیاں کھینچ لی گئی ہیں ان کے اوپر سے نیم کے درختوں کی چھاؤں اٹھ گئی ہے۔ نہ گرم سانسوں سے اٹھنے والی دار چینی کی خوشبوئیں ہیں نہ گرم ریشمی ملبوس سے آتی ہوئی حنا کے عطر کی مہک ہے خوشبو کی زبان میں باتیں کرنے والی محبتیں، فردوس بریں کے چمن زاروں کو واپس لوٹ گئی ہیں اور راتوں کو سیڑھیوں کے اندھیروں میں طلوع ہونے والے پاکیزہ چاند ایسے چہرے ہمیشہ کے لئے غروب ہو گئے ہیں اب روشنیاں ہی روشنیاں ہیں مگر چاند ایک بھی نہیں۔

شاہدہ چلی گئی۔ سیڑھیوں کا دروازہ بند ہو گیا میں نے ٹھنڈی سانس بھر کر آسمان کی طرف دیکھا۔ نیلے ستارے دل شکستہ انداز میں جھلملانے لگے تھے۔ شاہدہ مجھ سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئی تھی۔ اب میرے لئے اس چھت پر سوائے سنسان اندھیرے کے اور کچھ بھی نہیں تھا میں منڈیر کے اوپر سے ہو کر نیم کے درخت پر آگیا اور پھر خاموشی سے احاطے میں اتر آیا۔

امرتسر کی سرد رات کے ویران بازاروں میں سے گزرتا چچا کے قالینوں کے کارخانے میں آگیا۔ کوٹھری کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو بے اختیار دل بھر آیا۔ نہ جانے اندھیرے میں پلنگ پر [illegible] تک آنسو بہاتا رہا۔ جب دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہوا تو اٹھ کر دروازے کو بند کر کے اندر سے کنڈی لگائی اور سگریٹ سلگا کر سوچنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ کس طرف نکل جانا چاہئے کیونکہ میرا اب امرتسر سے جی اچاٹ ہو چکا تھا میں اس شہر سے شاہدہ کی ڈولی جاتے نہیں دیکھ سکتا تھا دو دن بعد شاہدہ کی بارات آنے والی تھی دوسرے روز میں نے کسی طریقے سے شاہدہ کے سارے محبت بھرے خطوط اس کی سہیلی اور اپنی رازدار ثریا کو یہ پیغام دے کر پہنچا دیئے کہ شاہدہ سے کہنا انہیں اپنے ہاتھ سے جلا ڈالے میں ان خطوط کو آگ نہیں لگا سکتا۔

میں نے کچھ روپے بچا کر رکھے ہوئے تھے اسی روز رات کو ٹرین پکڑ کر امرتسر سے کلکتہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

کلکتہ میں اس سے پہلے بھی چار چھ بار جا چکا تھا وہاں میرا محلے کا ایک گہرا دوست جان رہتا تھا وہ زکریا اسٹریٹ میں ہمارے ہی ایک رشتے دار کی شالوں کی دکان کے باہر بیٹھ کر رفوگری کا کام کرتا تھا اس کی رہائش چیت پور روڈ پر واقعہ ایک بوسیدہ سی بلڈنگ کے اوپر ایک کمرے میں تھی میں نے جان کو اپنے کلکتے آنے کی اطلاع بھی نہ دی اور کلکتے پہنچ گیا۔

اس کے کمرے پر تالا لگا تھا میں تیسرے پہر کلکتہ پہنچا تھا۔ ایک لڑکے کے ہاتھ جان کو پیغام بھجوایا کہ تمہارا ایک ملنے والا امرتسر سے آیا ہے۔ پیغام لے جانے والے کو میں نے اپنا نام نہ بتایا میں خود زکریا اسٹریٹ نہیں جانا چاہتا تھا۔ وہاں ہمارے اکثر رشتے دار شالوں وغیرہ کا دھندا کرتے تھے۔ میں ان سے ملنا نہیں چاہتا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد جان آگیا۔ مجھے دیکھ کر حیران بھی ہوا اور خوش بھی ہوا۔ مجھ سے آتے ہی لپٹ گیا۔

"یار تم خط میں لکھ دیتے کہ آرہے ہو۔ چلو اچھا کیا کہ سیر کرنے آگئے۔"

اس نے اپنا کمرہ کھولا مجھے چارپائی پر بٹھایا چائے منگوائی پھر پوچھا۔ "خیریت تو ہے نا؟ تم مجھے کچھ پریشان نظر آرہے ہو۔" تب میں نے اسے سب کچھ بتا دیا۔ جان میرا بڑا جگری یار تھا ہماری ایک دوسرے سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں تھی۔ میری ناکام محبت کی داستان سن کر وہ خاموش ہو گیا۔ چائے آگئی۔ میرے لئے چائے بناتے ہوئے بولا۔

"مجھے تو پہلے ہی تمہارا چچا کے کارخانے میں نوکری کرنا پسند نہیں تھا۔ ماں باپ بہن بھائی نہ ہوں تو رشتے دار بھی نہیں پوچھتے۔ باقی شاہدہ بے چاری کا اس میں کوئی قصور نہیں لڑکیاں مجبور ہوتی ہیں انور۔ اس نے وہی کیا جو ہر شریف لڑکی کو کرنا چاہئے۔"

میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "تو پھر میرے ساتھ محبت کے عہد و پیمان کرنے کی کیا

ضرورت تھی؟ وہ تو ہمیشہ یہی کہتی تھی کہ وہ میرے سوا کسی سے شادی نہیں کرے گی۔"

جان نے چائے کی پیالی اٹھاتے ہوئے کہا۔ "یہ بھی اس کی مجبوری تھی۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ شاہدہ کو تم سے محبت نہیں یا وہ اپنی خوشی سے اشرف کے ساتھ شادی کر رہی ہے میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ لڑکیاں مجبور ہوتی ہیں ہمارے معاشرے میں وہ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتیں۔"

مجھے اپنے دوست جان کی باتیں زہر لگ رہی تھیں۔ میں خاموشی سے چائے پیتا رہا جان نے پیالی ٹرے میں رکھ دی اور بولا۔ "بس اب تم یہیں میرے پاس رہو گے۔ اللہ مالک ہے۔ کوئی نہ کوئی نوکری مل جائے گی۔ تم میٹرک پاس ہو۔ جنگ لگی ہوئی ہے کلکتہ میں کئی کارخانے کھل گئے ہیں۔ جہاں فوج کے لئے سپلائی کا مال تیار ہوتا ہے میں تمہیں کہیں نہ کہیں کام دلا دوں گا۔"

جس رات شاہدہ کی شادی تھی اس رات میں کلکتہ کی سڑکوں پر دیوانوں کی طرح آوارہ گردی کرتا رہا۔ دوسرے دن سارا دن جان کے کمرے میں سویا رہا۔ اب میرا کلکتہ سے بھی جی اچاٹ ہو گیا۔ میرا وہاں ایک پل کے لئے جی نہ لگتا تھا۔ سوچتا کسی دوسرے ملک کی طرف نکل جاؤں۔

دوسری جنگ عظیم یعنی جرمنی کی جنگ شروع ہو چکی تھی۔ چونکہ ابھی جاپان نے اعلان جنگ نہیں کیا تھا۔ اس لئے کلکتے میں ہر طرف امن و امان تھا۔ لوگوں کے کاروبار کھل گئے تھے جگہ جگہ فوجی بھرتی کے دفتر بن گئے تھے جہاں روزانہ سینکڑوں جوان فوج میں بھرتی ہو رہے تھے۔ میرا بھی دل چاہا کہ فوج میں بھرتی ہو جاؤں۔ پھر یہ سوچ کر ارادہ رک کر دیا کہ ایک بار بھرتی ہو گیا تو پھر فوج سے نکلنا مشکل ہو جائے گا اور ان دنوں میرے دل کو چین نہیں تھا۔ کبھی کچھ سوچتا اور کبھی کچھ سوچتا رہتا تھا۔

میں اپنے دوست پر بوجھ بھی نہیں بننا چاہتا تھا میں نے ایک قریبی سینما گھر موہنی ٹاکیز میں بکنگ کلرک کی نوکری کر لی۔

یوں کلکتے میں میرے شب و روز گزرنے لگے۔ جنگ عظیم بھی تیز ہوتی گئی۔ جرمنی کی فوجیں یورپ میں آگے بڑھتی چلی جا رہی تھیں لیکن کلکتے میں ابھی رات کو بلیک آؤٹ نہیں ہوتا تھا کیونکہ جاپان اس جنگ میں نہیں کودا تھا۔ مجھے سیاست کی اور جنگی معاملات کی زیادہ سدھ بدھ نہیں تھی چونکہ ابھی تک جنگ کی وجہ سے کلکتے میں کوئی نقصان نہیں ہوا تھا۔ زندگی معمول کے مطابق جاری تھی اس لئے یہی سمجھ رہا تھا کہ حالات ایسے ہی رہیں گے۔ میرے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ آگے چل کر میرے ساتھ کیسے رونگٹے کھڑے کر دینے والے واقعات گزرنے والے ہیں۔

موہنی سینما شہر کے نسبتاً گنجان اور درمیانے طبقے کے علاقے میں تھا۔ یہاں میری واقفیت جرائم پیشہ لوگوں سے ہو گئی۔ میں خوش شکل، دراز قد اور مضبوط جسم کا نوجوان تھا۔ بنگالی ہندو بدمعاش میرے مقابلے میں بونے لگتے تھے۔ بہت جلد میں نے ان پر اپنی دھاک بٹھا دی۔ میں ٹکٹوں کی بلیک کرواتا جو بدمعاش وہاں بلیک کرتے تھے ان سے کمیشن وصول کرتا۔ میں نے چرس اور شراب بھی بیچنی شروع کر دی یوں میری آمدنی میں بہت اضافہ ہو گیا۔

میں نے سینما کے پاس ہی ایک بلڈنگ میں صاف ستھرا کمرہ لے لیا۔ زکریا اسٹریٹ کے علاقے میں جو میرے رشتے دار کشمیری شال مرچنٹ اور شال باف رہتے تھے، وہ سینما دیکھنے آتے تو مجھ سے ضرور ملتے۔ میری بدمعاشی کا ان پر بھی بڑا رعب بیٹھ گیا تھا اب وہ بھی میرے ساتھ اپنی واقفیت جتا کر فخر محسوس کرتے تھے۔ ان کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ شاہدہ کا خاوند اشرف شیلانگ سے کلکتہ آ گیا ہے۔ اس نے یہاں فوج کو سپلائی کا اپنا الگ کاروبار شروع کر دیا اور لکھ پتی بن گیا ہے۔

مجھے خوشی ہوئی کہ شاہدہ اپنے گھر میں سکھ چین کی زندگی بسر کر رہی ہے ایک سال گزر گیا تھا۔ اس عرصے میں میرے ذہن سے شاہدہ کا خیال کافی حد تک نکل چکا تھا اور اب وہ پہلے والی جذباتی بات نہیں رہی تھی۔ جرائم پیشہ زندگی گزارنے کی وجہ سے میرے تعلقات کلکتے کی کئی ایک بدنام عورتوں کے ساتھ استوار ہو چکے تھے اور میں نے اس بدمعاشی کی زندگی کو دل سے قبول کر لیا تھا بھرا ہوا پستول ہر وقت میری جیب میں رہتا تھا ایک روز میں موہنی سینما کے احاطے میں ایک طرف پان کے کھوکھے کے پاس کھڑا کچھ بدمعاشوں سے باتیں کر رہا تھا کہ ایک فورڈ کار سینما ہاؤس کے احاطے میں داخل ہوئی۔ اس زمانے میں کاریں بہت کم لوگوں کے پاس ہوتی تھیں۔ کار میں سے اشرف باہر نکلا۔ اس نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا۔ وہ ہماری برادری کا تھا اور اس سے رشتے داری بھی تھی اگرچہ اسے میرے اور

شاہدہ کے معاشقے کا علم نہیں تھا وہ مسکراتا ہوا میری طرف بڑھا۔ اس نے کریم کلر کا نزا پچل انگلش سوٹ پہن رکھا تھا۔

"انور بھائی! کیسے ہو؟ مجھے کسی نے بتایا تھا کہ تم کلکتے میں ہو۔ اپنی بھابی سے نہیں ملو گے؟"

پھر شاہدہ کار میں سے باہر نکلی اس نے بڑی بھڑکیلی گلابی رنگ کی ساڑی پہن رکھی تھی اور زیورات میں لدی پھندی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا تو اس نے بڑی خندہ پیشانی سے مجھے سلام کا جواب دیا اور میری خیریت پوچھی۔ اس کے چہرے پر سوائے نئی دولت کی خوش وقتی کے اور کوئی جذباتی لکیر نظر نہ آئی۔ عشق و محبت کے تمام نازک خطوط اور لکیریں دولت کی فراوانی کی تہہ میں ڈوب چکی تھیں۔ وہ مجھ سے بالکل اسی طرح ملی جس طرح عام رشتے داروں سے ملا جاتا ہے۔ وہ فلم دیکھنے آئے تھے۔ میں نے انہیں ٹکٹ نہ لینے دیا اور بکس میں بٹھا دیا۔ انٹرول میں ان کے لئے سوڈا واٹر اور چائے پیسٹری بھجوادی۔ سینما کے سارے اسٹاف پر میرا حکم چلتا تھا۔ اب میں بکنگ تھوڑے کرتا تھا۔

واپس جاتے ہوئے اشرف اور شاہدہ نے مجھ سے وعدہ لیا کہ میں کل شام ان کے ہاں کھانا ضرور کھاؤں گا۔ میں نہیں جانا چاہتا تھا مگر شاہدہ کے اصرار پر میں انکار نہ کر سکا۔ دوسرے دن شام کو میں نے فروٹ کا ایک ٹوکرا بھرا اور اشرف کے بتائے ہوئے ایڈریس پر اس کی کوٹھی پہنچ گیا۔

ٹالی گنج کے علاقے میں یہ بڑی شاندار کوٹھی تھی جو اشرف نے کرائے پر لے رکھی تھی۔ کوٹھی قیمتی فرنیچر اور سامان آراستہ تھی ایک ایک شے سے اشرف کی امارت جھلک رہی تھی۔ جنگ زوروں پر تھی اور ملٹری کنٹریکٹر' سپلائی کے ذریعے لاکھوں میں کھیل رہے تھے۔ شاہدہ نے میرے لئے خاص طور پر مٹر پلاؤ پکوایا تھا اسے معلوم تھا کہ مجھے مٹر پلاؤ بہت پسند ہے۔ شاہدہ پہلے سے زیادہ صحت مند ہو گئی تھی۔ جسم بھاری ہو گیا تھا۔ اور رنگ بھی پہلے سے زیادہ گورا ہو رہا تھا۔

اشرف نے بتایا کہ پہلے وہ شیلانگ میں ایک ہندو ملٹری ٹھیکیدار کا کلرک تھا لیکن اس نے کسی طرح سے کچھ روپے جمع کئے اور کلکتہ آکر اپنے اثر و رسوخ سے فوج کو ترپالیں سپلائی کرنے کا ٹھیکہ لے لیا۔ کوٹھی کے ہر کمرے میں ریڈیو گرام موجود تھا۔ مجھے اشرف کی ترپالوں اور ریڈیو گراموں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں صرف شاہدہ کی وجہ سے وہاں چلا آیا تھا۔ اشرف مجھ سے پوچھنے لگا کہ میں کلکتے میں کیا کرتا ہوں۔؟

میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔" قالینوں کی پھیری کا کام کرتا ہوں۔"

اشرف نے اس پر کچھ زیادہ خوشی کا اظہار نہ کیا اور ذرا سا ناک سکیڑ کر بولا۔"اس کام میں تو ہوائی آمدنی ہی ہوتی ہے انور!"

میں نے کہا۔"جی ہاں! میں بھی ہوائی آدمی ہی ہوں۔"

میں اجازت لے کر وہاں سے چلا آیا۔ کوٹھی سے نکلنے کے بعد میں نے اشرف کو دل میں دو چار گالیاں دیں اور ٹیکسی لے کر واپس سینما آگیا اور ان دونوں کو بھول گیا۔

دو تین مہینے گزر گئے اس دوران میری اشرف اور شاہدہ سے کوئی ملاقات نہ ہوئی۔ ایک دن میں دوپہر کا شو شروع کروانے کے بعد اپنے بلڈنگ والے فلیٹ میں اکیلا پلنگ پر نیم دراز ریڈیو پر بنگلہ گانے سن رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے وہیں سے آواز دی۔

"کون ہے؟ آجاؤ دروازہ کھلا ہے۔"

دروازہ کھلا اور اشرف اندر داخل ہوا۔ وہ مجھے کمزور اور دبلا دکھائی دیا۔ آنکھوں میں حلقے پڑے تھے۔ میں سمجھا کہ اس نے شراب نوشی شروع کر دی ہوگی۔ میں نے پلنگ سے اٹھ کر اس سے ہاتھ ملایا اور کہا۔"خیر تو ہے اشرف بھائی؟"

"اشرف کی آنکھوں میں آنسو جھلکنے لگے۔ اس نے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا۔ میں سمجھا کہ شاہدہ کا انتقال ہو گیا ہوگا ایک لمحے کے لئے میں بھی ساکت سا ہو گیا۔ آخر شاہدہ سے میں نے بے پناہ پیار کیا تھا۔

میں نے اشرف کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔"کیا بات ہے اشرف مجھے بتاؤ خیریت تو ہے نا؟"

اس کی زبانی معلوم ہوا کہ شاہدہ کو کسی بدمعاش نے اغوا کر لیا ہے۔ میں اس کا منہ تکتا رہ گیا ایک لمحے کے لئے میرا خون کھول اٹھا۔ کیا اس بدمعاش کو معلوم نہیں تھا کہ میں شاہدہ سے پیار کرتا ہوں؟ اشرف کہہ رہا تھا۔

"دو آدمی چہروں پر نقاب ڈالے' دو دن پہلے رات کو ہمارے بیڈ روم کی جالی کاٹ کر

اندر آ گئے۔ میں اور شاہدہ سو رہے تھے۔ انہوں ن مجھے جگانے سے پہلے شاہدہ کو دبوچ کر اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا تھا اور پھر میری کنپٹی پر پستول رکھ کر مجھے جگایا۔ میں شاہدہ کو دو غنڈوں کے پنجے میں پھنسا ہوا دیکھ کر گھبرا گیا خوف کے مارے مجھ سے بولا نہیں جا رہا تھا۔ دونون غنڈوں کے چہروں پر نقاب تھے۔ سروں پر بھی انہوں نے رومال باندھ رکھے تھے۔ ایک غنڈے نے مجھ سے کہا کہ اگر اپنی بیوی کو واپس لینا چاہتے ہو تو اسی ہزار روپے لے کر ہگلی دریا کے پل کے نیچے پرانے مندر کے پیچھے کل رات پہنچ جانا اگر پولیس کو اطلاع کی تو تیری عورت کی لاش کے ٹکڑے پارسل کے ذریعے تیرے پاس پہنچ جائیں گے۔ اس نے مجھے دوسرے دن رات کے ایک بجے کا وقت دیا تھا شاہدہ کو انہوں نے ایک بوری میں ڈال کر کاندھے پر اٹھالیا اور کھڑکی کے راستے باہر نکل گئے۔ میں نے اٹھ کر پانی پیا اور پولیس کو فون کرنے لگا۔ پھر میرا ہاتھ رک گیا۔ مجھے نہ صرف شاہدہ کی زندگی کا خیال آگیا بلکہ مجھے اپنا کاروبار اور عزت و آبرو بھی عزیز تھی۔ پولیس کو اطلاع کرنے سے یہ خبر اخباروں میں چھپ جاتی نہ صرف یہ کہ میں بدنام ہوتا بلکہ اس کا میرے ٹھیکیداری کے کاروبار پر بھی سخت برا اثر پڑتا میں نے یہی فیصلہ کیا کہ ان غنڈوں کو اسی ہزار دے کر شاہدہ کو خاموشی کے ساتھ ان سے واپس لے لوں کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوگی۔ شاہدہ بھی واپس آجائے گی اور میں بدنامی سے بھی بچ جاؤں گا چنانچہ اگلی رات میں نے اسی ہزار روپے بینک سے نکلوائے انہیں ایک بریف کیس میں ڈالا اور رات کے ایک بجے ہوڑہ برج کے شمال کی جانب پرانے مندر پہنچ گیا۔ وہاں اندھیرا تھا میں مندر کی دیوار کے ساتھ لگ کر اندھیرے میں کھڑا تھا کہ ایک آدمی ہاتھوں میں پستول لئے میری طرف بڑھا اس کے منہ پر نقاب تھا۔ اس نے کہا۔ "روپیہ لائے ہو؟"

میں نے کہا۔ "میری بیوی کہاں ہے؟ اسی ہزار روپے اس بریف کیس میں ہیں میری بیوی مجھے واپس کرواور روپے لے لو۔" اس آدمی نے منہ سے کسی پرندے کی آواز نکالی اندھیرے میں اچانک میری دائیں بائیں جانب سے دو غنڈے میری طرف لپکے اور انہوں نے مجھے دبوچ کر میرے ہاتھ سے بریف کیس چھین لیا اور اندھیرے میں بھاگ گئے۔ انہوں نے شاہدہ کو بھی واپس نہیں کیا اور رقم بھی چھین کر لے گئے۔"

میں ایک عجیب ہیجانی کیفیت میں اشرف کی روداد سن رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔

"کیا تم ان غنڈوں میں سے کسی کو پہچان سکتے ہو؟"

اشرف نے جیب سے رومال نکال کر آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا۔ "نہیں۔ انہوں نے دونوں بار منہ پر نقاب ڈال رکھے تھے۔"

پھر قدرے توقف کے بعد بولا ان میں سے ایک آدمی نے دوسرے کو شنکر کے نام سے پکارا تھا"

میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ شنکر ٹالی گنج کے دریا پار والے علاقے کا سب سے بڑا غنڈہ تھا۔ وہ ہندو بنگالی تھا اور دو تین قتل بھی کر چکا تھا میں اس کے دریا پار والے خفیہ ٹھکانے پر کبھی گیا تو نہیں تھا مگر مجھے معلوم تھا کہ وہ کہاں پر ہے پولیس شنکر پر ہاتھ نہیں ڈالتی تھی کیونکہ اس نے کلکتہ پولیس کا بھتہ مقرر کر رکھا تھا میری اس سے دو ایک بار ہی ملاقات ہوئی تھی۔ بظاہر شنکر نے میرے ساتھ دشمنی رکھنے کی کبھی کوشش نہیں کی تھی۔ میں نے اشرف سے کہا "اگر وہ شنکر ہی ہے تو تم نے میرا آدھا کام آسان کر دیا ہے۔"

"کیا تم اسے جانتے ہو؟" اشرف نے بے چین ہو کر پوچھا۔

میں کرسی کھینچ کر اشرف کے سامنے بیٹھ گیا اس کے ٹھنڈے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور پوچھا۔ "کیا تمہیں یقین ہے اشرف کہ تم نے شنکر کا نام ہی سنا تھا یاد کر کے مجھے ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔"

اشرف بولا۔ "مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ دو نقاب پوش جب میرے ہاتھ سے بریف کیس چھین کر اندھیرے میں روپوش ہوئے تھے تو ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی کو بنگلہ زبان میں شنکر آجاؤ کہہ کر آواز دی تھی۔ اب مجھے اس کی آواز نام بالکل ٹھیک یاد آگیا ہے؟"

میں نے سگریٹ سلگایا پھر اشرف کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"اشرف! اگر اس آدمی کا نام شنکر ہی ہے اور شاہدہ ابھی تک اس کے پاس زندہ ہے تو آج رات میں سے تمہارے حوالے کر دوں گا لیکن اس کے عوض تمہیں مجھ سے دو وعدے کرنے ہوں گے۔"

اشرف پھٹی پھٹی آنکھوں سی میری طرف تک رہا تھا۔ کہنے لگا۔ "تم جو کہو گے انور! میں ویسا ہی کروں گا۔ خدا کے لئے کسی طرح میری شاہدہ مجھے واپس لا دو۔"

میں نے کہا۔ "پہلا وعدہ تمہیں یہ کرنا ہوگا کہ تم شاہدہ کے واپس ملتے ہی اسے لے کر کلکتے سے نکل کر کسی دوسرے دور دراز شہر میں چلے جاؤ گے۔ دوسرا وعدہ یہ کرنا ہوگا کہ کبھی کسی سے یہ ذکر نہیں کرو گے کہ میں شاہدہ کو غنڈوں کے ٹھکانے سے نکال کر لایا تھا۔"

اشرف نے میرے گھٹنے پکڑ کر خدا کو حاضر و ناظر جان کر وعدہ کیا کہ وہ ایسا ہی کرے گا بولا۔ "لیکن انور! تم ......"

میں نے اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ "اشرف! تم اسی وقت سے اپنی زبان بند رکھو گے۔ اب تم ایسا کرو کہ گھر جا کر اپنے آپ کو کمرے میں بند کر لو اور شام کو تمام نوکروں کو چھٹی دے دو۔ رات کے گیارہ بجے اپنی کار لے کر دریا در گا کلش والے پل پر آ جانا۔ میں وہاں تمہارا انتظار کر رہا ہوں گا۔ اب تم جاؤ۔ مگر ذرا ٹھہرو۔"

میں اٹھ کر باہر گیا۔ گیلری میں کوئی آدمی نہیں تھا۔ واپس آ کر میں نے اشرف سے کہا۔ "اس ملاقات کا بھی ذکر کسی سے نہ کرنا۔"

اشرف شاید میرا شکریہ ادا کرنے والا تھا میں نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ سر جھکائے باہر نکل گیا میں کھڑکی کے پاس آ گیا کھڑکی پر پردہ گرا ہوا تھا میں نے ذرا سا پردہ ہٹا کر نیچے دیکھا۔ سڑک کے کنارے اشرف کی فورڈ گاڑی کھڑی تھی۔ سڑک پر روشنی ہو رہی تھی۔ بہت کم لوگ آ جا رہے تھے۔ اتنے میں اشرف بلڈنگ کے دروازے سے نکل کر گاڑی کی طرف بڑھا۔ پھر وہ گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا۔ میں نے فٹ پاتھ پر ادھر ادھر نگاہ دوڑائی میرے اندازے کے مطابق وہاں کوئی مشکوک آدمی نہیں تھا۔

میں نے گھڑی دیکھی اس وقت شام کے ساڑھے سات بج رہے تھے۔ مجھے رات کو ساڑھے دس بجے وہاں سے نکلنا تھا۔ مجھے جو کچھ کرنا تھا وہ میں نے دل میں طے کر لیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ یہ وہی شنکر غنڈہ اور قاتل ہے جو اس سے پہلے بھی کئی عورتوں کو اغوا کر کے ان کی عزت خراب کرنے کے بعد انہیں آگے فروخت کر چکا تھا۔ اس کے اس مکروہ دھندے کے بارے میں مجھے اپنے آدمیوں کی زبانی بہت کچھ معلوم ہو چکا تھا۔ میں صرف شنکر سے شاہدہ ہی واپس نہیں لینا چاہتا تھا بلکہ اس سے اور اس کے ساتھی بدمعاشوں سے شاہدہ کی بے حرمتی کا بھیانک انتقام بھی لینا چاہتا تھا مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ شاہدہ کے ساتھ شنکر اور اس کے ساتھیوں نے کیا بہیمانہ سلوک کیا ہوگا۔ میرے اندر جیسے ایک آگ سی لگی ہوئی

تھی۔ میں بہت جلد اپنے منصوبے پر عمل کرنا چاہتا تھا لیکن اس کے لئے رات کے گہرا ہو جانے کی شدید ضرورت تھی۔

میں اپنے کمرے میں ہی رہا۔ میری بھوک مر گئی تھی۔ میں نے رات کا کھانا بھی نہ کھایا بڑی مشکل سے وقت گزر رہا تھا۔ جب میرے کلاک نے رات کے ٹھیک ساڑھے دس بجائے تو میں نے اٹھ کر کپڑے تبدیل کئے۔ دھوتی کرتے کی جگہ کالی ٹی شرٹ اور نسواری رنگ کی پتلون پہنی 'بٹن دبا کر کھل جانے والا چاقو پتلون کی جیب میں رکھا۔ ریوالور نکال کر چیک کیا اس میں بارہ گولیاں بھریں اور ریوالور کو دوسری جیب میں رکھا۔ کمرے کی بتی جلتی رہنے دی۔ ریڈیو پر بنگلہ میں جنگ کی خبر نشر ہو رہی تھی۔ میں نے اسے بھی بند نہ کیا۔ میں یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ میں اپنے کمرے یا بلڈنگ میں ہی ہوں۔ سگریٹ سلگا کر میں خاموشی سے کمرے سے باہر نکلا اور گیلری میں سے گزر کر سیڑھیاں اترنے لگا میں نے کمرے کو تالا بھی نہ لگایا۔ بس اسے بند کر دیا جیسے میں ابھی کمرے سے نکل کر نیچے بازار میں کوئی چیز لینے گیا ہوں۔ بلڈنگ والے میری شہرت سے اچھی طرح واقف تھے۔ کسی چور میں اتنی جرات نہیں تھی کہ وہ میرے کمرے میں داخل ہوتا۔

بازار میں آتے ہی میں تیز تیز قدموں سے دوسرے بازار کی طرف گھوم گیا کونے پر ایک ٹیکسی کو روکا اور اسے در گا کلش کی بجائے ماڑی پور جانے کو کہا ماڑی پور پہنچ کر ٹیکسی چھوڑ دی اور یہاں سے پیدل ہی در گا کلش کے پل کی طرف چل پڑا۔ میں اس علاقے میں چپے چپے سے واقف تھا۔ وہاں پہنچے مجھے پانچ منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ اشرف بھی گاڑی لے کر آ گیا۔ اس نے میری ہدایت کے مطابق گاڑی کچی سڑک پر اندھیرے میں کھڑی کی تھی میں اس کے پاس گیا۔

اس نے مجھے آتا دیکھ کر آہستہ سے کہا۔ "انور بھائی! ہمیں کس طرف جانا ہے؟"

میں گاڑی میں بیٹھ گیا اور اسے ایک طرف چلنے کا اشارہ کیا۔ گاڑی تھوڑی دیر بعد دریا کا پل عبور کر کے دوسری طرف سڑک پر بھاگی جا رہی تھی میں اشرف کو اشارے سے راستہ دکھا رہا تھا۔ میں خاموش تھا۔ اشرف بھی چپ ہو گیا تھا۔ شنکر غنڈے کا خفیہ اڈہ جب نصف فرلانگ کے فاصلے پر رہ گیا تو میں نے ایک طرف اشارہ کر کے اشرف سے کہا۔ "یہاں اندھیرے میں گاڑی کھڑی کر دو۔ اس کی بتیاں روشن مت کرنا۔ گاڑی سے باہر بھی نہ

نکلنا۔ کسی طرف سے فائرنگ کی آواز آتے ہی گھبرا کر بھاگنا مت۔ یہیں گاڑی میں بیٹھے رہنا۔"

اشرف کے ہونٹ خشک تھے۔ وہ میری ہربات پر اثبات میں سرہلا رہا تھا۔ میں گاڑی سے نکل کر شنکر کے خفیہ ٹھکانے کی طرف روانہ ہو گیا۔ سڑک سے اتر کر جھاڑیوں میں سے ہوتا ہوا سنگھاڑے کے ایک دلدلی کھیت کے قریب سے گزر کر میں دائیں جانب آم کے پرانے درختوں میں آگیا۔ اب میں بڑی احتیاط سے دبے پاؤں جھک کر ایک گیراج کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جس کے اونچے روشندان میں سے کمزور سی روشنی باہر آرہی تھی۔ میں عقب کی جانب سے ہو کر گیراج کے قریب پہنچا تو مجھے اندر سے آدمیوں کے قہقہے لگانے اور باتیں کرنے کی قدرے اونچی آوازیں سنائی دیں۔ صاف لگ رہا تھا کہ یہ لوگ نشے میں ہیں۔ گیراج کے عقب میں ایک کھڑکی تھی جو بند تھی۔ میں پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا کھڑکی کے ساتھ لگ گیا۔ بھرا ہوا ریوالور میرے ہاتھ میں تھا۔ میں نے کھڑکی کی درز سے آنکھ لگا کر اندر جھانکا اندر کا منظر دیکھ کر میرے کانوں میں دھماکے سے ہونے لگے۔ جسم کا کھولتا ہوا سارا خون میرے ریوالور والے ہاتھ میں سمٹ آیا۔



شاہدہ کو میں نے جس حالت میں دیکھا وہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ شاید درندہ صفت ہندو غنڈوں کے نرغے میں پھنسی، عالم بے بسی میں اپنا سر ادھر ادھر مار رہی تھی اس کے جسم پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ چار بدمعاش تھے ان میں شنکر بھی تھا جس کو میں نے پہچاننے میں ذرا بھی غلطی نہیں کی وہ سب نشے میں تھے۔ اب ان سب درندوں کا قتل مجھ پر واجب ہو گیا تھا۔ ایک بجلی سی کوندی اور میں گیراج کی کھڑکی توڑ کر دوسرے لمحے ان درندوں کے سامنے کھڑا ان پر اندھا دھند گولیاں چلا رہا تھا مجھے کچھ معلوم نہیں کہ میرے ریوالور سے نکلی ہوئی پہلی گولی کسے لگی۔ دوسری گولی نے کس کو ڈھیر کیا۔ تیسری گولی نے کس کی کھوپڑی کے ٹکڑے اڑا دیئے جب میرے ریوالور کی بارہ کی بارہ گولیاں ختم ہو گئیں تو میں نے خونی نظروں سے دیکھا۔ شاہدہ پلنگ کے کونے میں سمٹی اپنے بدن کو چادر میں چھپانے کی کوشش میں تھر تھر کانپ رہی تھی اور فرش پر ان چاروں غنڈوں کی لاشیں خون میں لت پت پڑی تھیں ان میں شنکر بدمعاش کی لاش بھی تھی۔ میری گولیوں نے ان کے جسم چھلنی کر دیئے تھے ایک گولی شنکر کی کنپٹی کو توڑتی ہوئی نکل گئی تھی۔

شاہدہ کے ہوش و حواس گم تھے اس کا رنگ سفید پڑ گیا تھا اس میں بولنے کی سکت نہیں تھی وہ بمشکل بولی "خدا کے لئے مجھے یہاں سے لے چلو۔"

میں اسے لے جانے کے لئے ہی یہاں آیا تھا میرا ارادہ صرف شنکر کو قتل کرنے کا تھا لیکن وہاں پہنچ کر میں نے جو منظر دیکھا اس نے میرے تن بدن میں آگ لگا دی تھی اور باقی تین بدمعاشوں کا قتل بھی ضروری ہو گیا تھا۔ شاہدہ کی عزت خراب کرنے والے کو میں کیسے زندہ چھوڑ سکتا تھا! میں نے شاہدہ کو ساتھ لیا اور گیراج کی کھڑکی سے کود کر اندھیرے میں درگاہ والی سڑک کی طرف بڑھا۔ شاہدہ سہمی ہوئی میرے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ [illegible]

کے کنارے درختوں میں اس کے خاوند اشرف کی کار کھڑی تھی اس نے ہمیں ستاروں کی نیلگوں دھندلی روشنی میں آتے دیکھ لیا تھا۔ وہ جلدی سے کار میں سے نکل کر سڑک پر آگیا۔

میں نے شاہدہ کو اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "اشرف! میں تمہاری امانت واپس لے آیا ہوں۔"

شاہدہ اشرف سے لپٹ کر سسکیاں بھر کر رونے لگی اپنے خاوند سے لپٹی ہوئی شاہدہ' مجھے سخت زہر لگی۔ ہو سکتا ہے آپ اس جذبے کو غیر انسانی جذبے کا نام دیں مگر میں نے جو محسوس کیا تھا بیان کردیا ہے۔

شاہدہ اپنے خاوند کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی گاڑی ان کی کوٹھی کی طرف روانہ ہوگئی اندھیرے میں سڑک کنارے کے درخت پیچھے کو دوڑے جا رہے تھے خالی ریوالور میری جیب میں تھا ابھی تک اشرف کو معلوم نہیں ہوا تھا کہ میں چار آدمیوں کو خون کرکے آ رہا ہوں۔ شاہدہ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھامے کھڑکی کے ساتھ لگی بیٹھی تھی میں پچھلی سیٹ پر چپ بیٹھا تھا۔ زندگی میں پہلی بار میں نے اکٹھے چار آدمیوں کا خون کر ڈالا تھا مگر مجھے کوئی افسوس یا پچھتاوا نہیں ہو رہا تھا میرا ضمیر مطمئن تھا میں نے وہی کیا جو ایک غیرت مند مرد کو کرنا چاہئے تھا میں ان غنڈوں کو زندہ چھوڑ کر اپنی غیرت کا جنازہ نہیں اٹھا سکتا تھا اگر میں اس لمحے مصلحت کی میز پر بیٹھ کر اپنے ضمیر کے ساتھ مذاکرات شروع کر دیتا اور ان غنڈوں کو ہلاک نہ کرتا تو شاید آج میں اتنے سکون کے ساتھ اپنی داستان قلمبند نہ کر رہا ہوتا۔

کوٹھی میں داخل ہوتے ہی شاہدہ اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپائے بیڈ روم کی طرف بھاگ گئی میں نے اس کے خاوند اشرف کو وہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا لیا۔ صرف ایک بتی جل رہی تھی آس پاس گہری خاموشی تھی اشرف اپنی ممنونیت کا اظہار کرنے لگا تو میں نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور جیب سے خالی ریوالور نکال کر اسے دکھاتے ہوئے کہا "اس میں بارہ گولیاں تھیں جو ساری کی ساری میں نے شنکر سمیت چاروں بدمعاشوں کے ناپاک جسموں کے پار کر دی ہیں۔"

اشرف کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا میں نے کہا "اب پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اشرف خون میں نے کئے ہیں کوئی ثبوت بھی میں نے وہاں نہیں چھوڑا ابھی تک کسی کو کانوں کان خبر

نہیں کہ میں تمہیں لے کر شنکر کے اڈے پر گیا تھا اور یہ کہ تمہاری بیوی شنکر کی یرغمالی تھی تم لوگ اپنی زبان بند رکھنا اور جیسا میں نے تم سے وعدہ لیا ہے اس پر عمل کرتے ہوئے جتنی جلدی ہو سکے اس شہر سے نکل کر کسی دور دراز علاقے میں چلے جاؤ۔"

میں نے خالی ریوالور اپنی جیب میں ڈالا۔ اٹھ کر چلنے لگا تو اشرف نے کہا "انور! تمہیں ------ میرا مطلب ہے تمہیں وہاں کسی نے دیکھا تو نہیں؟"

انگریز کے فوجی ٹھیکوں کی آمدنی نے اشرف کی جواں مردی پر بزدلی اور مصلحت کی چربی چڑھا دی تھی میں نے پلٹ کر کہا۔ "جنہوں نے مجھے دیکھا تھا ان سب کی لاشیں وہاں پڑی سڑ رہی ہیں اب میں نہیں چاہتا کہ تم دونوں کو میں کلکتے میں دیکھوں-----"

یہ کہہ کر میں ڈرائنگ روم سے باہر چلا گیا کوٹھی کا لان سنسان پڑا تھا میں گیٹ میں سے نکل کر سڑک پر آگیا میں نے پلٹ کر کوٹھی کی طرف دیکھا اور پھر سڑک کے کنارے درختوں کے اندھیرے میں تیز تیز بالی گنج والی چوکی کی طرف چلنے لگا رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی شہر کا یہ علاقہ بالکل سنسان پڑا تھا کشادہ سڑک پر کسی وقت گاڑی تیزی سے گزر جاتی تھی دور سے گاڑی کی روشنی دیکھ کر میں درختوں کی اوٹ میں ہو جاتا۔

میٹرو سینما کے پاس مجھے ٹیکسی مل گئی اور میں اس میں بیٹھ کر اپنے علاقے سے کافی پیچھے اتر گیا۔ وہاں سے پیدل کئی بازاروں کے چکر کاٹ کر اپنے فلیٹ میں آگیا میرے کمرے کی بتی اسی طرح جل رہی تھی ریڈیو میں سے ہلکی ہلکی "شاں' شاں' کی آواز آ رہی تھی کیونکہ ٹرانسمیشن بند ہو چکی تھی میں نے جلدی سے ریڈیو بند کر دیا دروازے کو اندر سے کنڈی لگائی ریوالور ایک خاص جگہ پر چھپایا۔ غسل خانے میں جا کر منہ ہاتھ دھویا۔ سویٹر اور پتلون اتار کر دھوتی کرتا پہنا اور بستر پر آ کر لیٹ گیا۔

کمرے میں اندھیرا تھا صرف کھڑکی پر گرے ہوئے پردے میں سے باہر نیچے سڑک کے کھمبے کی دھیمی روشنی اندر آ رہی تھی سب سے پہلے مجھ پر ایک خوف سا طاری ہو گیا مجھے بار بار پھانسی کا پھندا نظر آنے لگا۔ لیکن بہت جلد میں نے اس تکلیف دہ تصور پر قابو پا لیا۔ میں نے وہی کچھ کیا تھا جو مجھے ایک مرد ہونے کی حیثیت سے کرنا چاہئے تھا شاہدہ کی بے حرمتی کرنے والے درندوں کو میں کیسے معاف کر سکتا تھا کیسے زندہ چھوڑ سکتا تھا اگر میں انہیں ہلاک نہ کرتا تو شاید ساری زندگی اپنے آپ کو معاف نہ کر سکتا مجھے اس بات کی بھی تسلی تھی

که مجھے شنکر کے اڈے پر جاتے خون کرتے اور وہاں سے شاہدہ کو لے کر واپس آتے کسی نے نہیں دیکھا تھا خطرہ یہی تھا کہ کہیں شاہدہ یا اشرف گھبرا کر کسی سے ذکر نہ کر بیٹھیں مگر وہ ایسا کیوں کرنے لگا؟ کیا انہیں معلوم نہیں کہ اگر میں پکڑا گیا تو شاہدہ کو بھی کچہریوں کے چکر لگانے پڑیں گے اور اس کی کس قدر بدنامی ہوگی؟ اور پھر وہ تو شہر سے چلے جائیں گے پولیس کو ان پر کبھی شک نہیں ہو سکتا۔ اب مجھے احساس ہونے لگا کہ اشرف نے شاہدہ کے اغوا کی اطلاع پولیس کو نہ دے کر مجھ پر کتنا بڑا احسان کیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے نیند آ گئی۔

دوسرے دن میں دیر تک سویا رہا۔ اٹھا تو دن کافی چڑھ آیا تھا رات کے واقعات مجھے خواب لگ رہے تھے جب نیچے ہوٹل میں چائے پینے گیا اور اخبار دیکھا اس میں شنکر اور اس کے ساتھیوں کے قتل کی کوئی خبر نہیں تھی اس کا مطلب تھا کہ ابھی تک جائے واردات تک کوئی آدمی نہیں پہنچ سکتا تھا لیکن شام کے اخباروں میں قتل کی خبر تصویر کے ساتھ چھپ گئی۔ پولیس حرکت میں آ گئی میں چپ تھا مجھے صرف یہی دھڑکا لگا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی غنڈہ شدید زخمی حالت میں زندہ بچ گیا ہو وہ میری مخبری کر سکتا تھا کیونکہ شنکر کے ساتھیوں نے مجھے ریوالور سے فائر کرتے دیکھ لیا تھا اور وہ میری شکل پہچانتے تھے جب خبر میں یہ پڑھا کہ چاروں آدمی قتل ہو گئے ہیں اور چاروں کی لاشیں خون میں لت پت ملی ہیں تو میں نے اطمینان کا سانس لیا۔

میں نے بھی اس شہر کو چھوڑ دینے کا دل میں فیصلہ کر لیا تھا لیکن میں ابھی وہاں سے نکلنا نہیں چاہتا تھا میں اگر فرار ہو جاتا تو پولیس کو مجھ پر شک ہو جاتا۔ چنانچہ میں اپنے روز کے معمولات میں مصروف ہو گیا۔ سینما پر میرے جرائم پیشہ ساتھی بھی شنکر اور اس کے آدمیوں کے قتل کا ذکر کر رہے تھے۔ شنکر کا ایک حریف تھا جس کا نام پیڈرو تھا۔ پولیس نے شبہے کی بناء پر اسے حراست میں لے لیا۔ تفتیش کا رخ پیڈرو کی طرف مڑتے دیکھ کر مجھے سکون سا ہو گیا۔ دو دن گزر گئے تیسرے روز میں ٹیکسی میں بیٹھ کر اشرف کی کوٹھی کی طرف نکل گیا۔ میں یہ پتہ کرنا چاہتا تھا کہ یہ لوگ کہیں ابھی تک وہیں تو نہیں ہیں۔ اشرف کی کوٹھی پر خاموشی چھائی تھی ایک بنگالی مالی باڑھ کاٹ رہا تھا۔ میں نے اس سے بنگلہ میں پوچھا کہ کیا یہاں کوٹھی کرائے کے لئے خالی ہے؟"

اس نے کہا "بابو یہی کوٹھی خالی ہے اس میں جو کرایہ دار تھے وہ کل ہی یہاں سے چلے

گئے ہیں۔"

میں نے دل میں اطمینان کا سانس لیا۔ اس سے پوچھا "کرایہ کتنا ہوگا اس کا؟ تمہیں معلوم ہے؟"

مالی نے کہا۔ "چار بنگلے چھوڑ کر اس کوٹھی کے مالک کا بنگلہ ہے وہاں سے معلوم کر لو۔"

میں واپس آ گیا۔ ایک ہفتے تک شنکر اور اس کے غنڈوں کے قتل کی خبریں اخباروں میں چھپتی رہیں میں انہیں برابر پڑھتا رہا۔ مجھے بنگلہ زبان لکھنی، پڑھنی اور بولنی آ گئی تھی خبروں سے یہی معلوم ہوتا کہ پولیس کو شنکر کے دشمن پیڈرو پر ہی شک ہے اور اس کا ریمانڈ بھی لے لیا گیا ہے۔ اس طرف سے مطمئن ہونے کے بعد میں نے کلکتے سے جانے کے بارے میں زمین ہموار کرنی شروع کر دی۔ میں ہندوستان چھوڑ دینا چاہتا تھا کیونکہ ہندوستان میں رہتے ہوئے ہر لحہ اسی بات کا خطرہ تھا کہ کبھی کسی وقت گرفتار نہ ہو جاؤں۔ پھر کہاں جاؤں؟ کس ملک کی طرف نکلوں؟ ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر سکا تھا اس دوران میں نے اپنے جرائم پیشہ ساتھیوں میں یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ پنجاب سے خط آیا ہے کہ میری خالہ جس نے مجھے پالا تھا، بیمار ہے اس کے پاس جاؤں گا۔ دریں اثناء میں نے کافی سوچ بچار کے بعد برما جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

برما پر بھی ہندوستان کی طرح انگریز کی حکومت تھی برما کے بارے میں میں اکثر سنا کرتا تھا کہ وہاں ہندوستانی بہت آباد ہیں۔ برما کے شہر رنگون کو سمندری جہاز کلکتے ہی سے چلا کرتے تھے۔

ایک روز میں اپنے امرتسر کے دوست جان کے پاس گیا اور باتوں ہی باتوں میں اس سے کہا "یار! میرا دل چاہتا ہے کہ ملک برما کی سیر کروں سنا ہے وہاں ہندوستانیوں کا بڑا کاروبار ہے۔"

جان کہنے لگا "اگر تم واقعی برما جانا چاہتے ہو تو پھر ایک سبیل بن سکتی ہے۔"

"وہ کیا؟" میں نے بڑے شوق سے پوچھا۔

جان بولا "ایک سردار جی نے رنگون میں [illegible] بنانے کا ٹھیکہ لیا ہے وہ یہاں سے مزدور بھرتی کرنے آیا ہوا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ برمی مزدور سست ہوتے ہیں ان کے مقابلے

میں ہندوستان کے مزدور زیادہ کام کرتے ہیں اگر تم کہو تو میں تمہیں اس کے پاس بھجوا سکتا ہوں میرا ایک بنگالی واقف کار اس سردار جی کی طرف سے مزدوروں کی بھرتی کر [illegible] بات۔"

مجھے اور کیا چاہئے تھا دوسرے دن میں سردار جی کے سامنے کھڑا تھا وہ بھاری بھرکم بھری بھری ڈاڑھی والا سکھ مجھے اوپر سے نیچے تک دیکھ کر بولا۔

"کہاں کے رہنے والے ہو۔"

میں نے کہا کہ میں امرتسر کا رہنے والا ہوں اور یہاں کلکتے میں ایک سینما ہاؤس میں بکنگ کلرک ہوں۔" سردار جی نے آنکھیں کھول کر غور سے دیکھا اور کہا" پھر تو تم پکے بدمعاش ہو گے۔"

میں نے فوراً کہا" نہیں سردار جی ایسی بات نہیں ویسے بنگالی لوگ تو ہر پنجابی کو بدمعاش سمجھتے ہیں میں تو محنت کی روٹی کماتا ہوں کبھی کسی سے اونچی نیچی بات نہیں ہوئی۔"

جرمنی کی جنگ کا زمانہ تھا۔ سردار جی کو انگریز فوج کی طرف سے رنگون کے مضافات میں ایک اہم ریلوے پل بنانے کا ٹھیکہ ملا تھا وہ بہت جلد یہاں سے چاق وچوبند مزدور بھرتی کر کے رنگون پہنچنا چاہتے تھے۔ کہنے لگے "کتنے پڑھے ہو؟"

جب میں نے بتایا کہ میٹرک پاس ہوں تو خوش ہو کر بولے "یہ تو اچھی بات ہے تم حساب کتاب کر لیتے ہو؟"

میں نے کہا" سردار جی! بکنگ کلرک ہوں حساب کتاب ہی کرتا رہتا ہوں سینما ہاؤس میں۔"

سردار جی نے مجھے ایک فارم دے کر کہا" اس کو پڑھ لو اور نیچے دستخط کر دو۔"

فارم میں لکھا تھا کہ مجھے دو سو روپے تنخواہ ملے گی۔ پانچ سال تک میں معاہدے کا پابند رہوں گا مجھے جہاں پل بن رہا ہے وہیں رہنا ہو گا ہفتے میں ایک بار رنگون جانے کی اجازت ہو گی رہائش مفت ہو گی کھانے پینے کے پیسے کٹیں گے جو ٹھیکیدار کی کینٹین سے ملے گا مجھے اور کیا چاہئے تھا میں نے دستخط کر دیئے۔

سردار جی نے کہا" پرسوں صبح دس بجے خضرپور جیٹی پہنچ جانا۔"

یوں ایک روز میں سردار جی کے عملے میں بھرتی ہو کر دوسرے مزدوروں کے ساتھ ایک بحری جہاز میں سوار ہوا اور رنگون کی طرف چل دیا۔

یہ میرا پہلا سمندری سفر تھا جب تک جہاز کلکتے کی جیٹی سے چلا نہیں مجھے یہی دھڑکا لگا رہا کہیں پولیس اچانک وہاں آ کر مجھے گرفتار نہ کر لے۔ [illegible] میں نے چار خون کئے تھے میں دوسرے مزدوروں کی قطار میں بے چینی سے کھڑا تھا جب جہاز پر سوار ہو گیا اور جہاز نے بندرگاہ کو چھوڑنا شروع کر دیا تو میں نے خدا کا شکر ادا کیا کلکتے سے رنگون تک کا سمندری سفر اس زمانے میں تین دن میں طے ہوتا تھا جہازوں کی رفتار سست تھی ابھی برسات کا موسم شروع نہیں ہوا تھا اس لئے سمندر پرسکون تھا پہلے تو جہاز دریائے ہگلی میں چلتا رہا دریا کا پاٹ چوڑا ہوتا گیا پھر دریا خلیج بنگال کے کالے سیاہ پانی میں جا کر مل گیا میں نے کالے پانی کا نام بہت سنا تھا اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھا واقعی سمندر کا رنگ بالکل سیاہ تھا خدا جانے ایسا کیوں تھا جہاز کھلے سمندر میں پہنچ کر ڈولنے لگا مجھے چکر آنے لگے سردار جی مجھے اپنے کیبن میں لے گئے اور انگریزی برانڈی کا ایک پیگ پلایا شراب میں نے کلکتے میں ہی پینی شروع کر دی تھی لیکن زیادہ نہیں پیتا تھا صرف رات کو دو چار پیگ پی لیا کرتا تھا وہاں اپنی بدمعاشی قائم رکھنے کے لئے شراب کا استعمال بڑا ضروری تھا۔

ولایتی برانڈی پینے سے نہ صرف یہ کہ میرے چکر غائب ہو گئے بلکہ مجھ میں دلیری بھی آ گئی کمزور قسم کے خوف زدہ خیالات رفو چکر ہو گئے میں عرشے پر چل پھر کر یونہی مزدوروں پر رعب جمانے لگا۔

سردار جی نے مجھے دیکھا تو ہنس کر پنجابی میں کہا" شاباش منڈیا! ان کو تم ہی قابو میں رکھ سکتے ہو۔ رنگون جاتے ہی میں تمہیں ان کے اوپر لگا دوں گا۔ ایک آدمی ان کو کنٹرول کرنے کے لئے بھی چاہئے۔"

برانڈی کا نشہ اترا تو مجھے پھر چکر آنے شروع ہو گئے اگرچہ سمندر میں طوفان نہیں تھا لیکن سمندر کی بڑی لہریں اوپر نیچے ہوتے ہوئے جہاز کو بھی اوپر نیچے کر رہی تھیں کبھی جہاز ایک طرف کو جھک جاتا دوسری لہر آتی تو دوسری طرف جھک جاتا میں سردار جی کے کیبن میں پہنچ گیا۔

" سردار جی! پھر چکر آنے لگے ہیں۔"

سردار جی نے پہلے ہی بوتل کھول رکھی تھی انہوں نے مزید ایک ڈبل پیگ مجھے پلا دیا۔ اس کا اثر رات تک رہا اور میں کھانا کھا کر سو گیا۔

آخر جہاز سمندر سے نکل کر برما کے دریائے اراوتی میں داخل ہو گیا۔ اس وقت دن کی سنہری روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ یہ میں آپ کو بتاتا چلوں کہ میں نے اپنا ریزر اور یعنی آلہ قتل جہاز سے سمندر میں پھینک دیا تھا تاکہ اس کا کوئی ثبوت باقی نہ رہے۔ جہاز رنگون کی بندرگاہ پر پہنچا تو میرا سر ابھی تک چکرا رہا تھا۔ سردار جی نے تھوڑی سی برانڈی اور پلادی۔ بندرگاہ پر سردار جی کا آدمی ٹرک لے کر آیا ہوا تھا۔

سارے مزدوروں کو ٹرک میں پیچھے بٹھا دیا گیا ان مزدوروں میں بنگالی بھی تھے اور بہاری بھی۔ یہ تقریباً سبھی غیر مسلم تھے صرف میں ایک مسلمان تھا سردار نے مجھے اپنے ساتھ اگلی سیٹ پر بٹھا لیا ٹرک رنگون کی کشادہ سڑکوں سے گزرنے لگا دونوں جانب عالیشان عمارتیں تھیں، کوٹھیاں اور بنگلے تھے مجھے بالکل کلکتہ ہی لگا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ یہاں ناریل اور کیلے کے درخت زیادہ تھے سڑکوں پر ٹریفک بھی کم تھی۔ ٹرک شہر سے نکل کر ایک پکی مگر چھوٹی سڑک پر چل پڑا۔ جہاں پل زیر تعمیر تھا وہ مقام رنگون شہر سے شمال کی طرف کوئی بیس ایک میل کے فاصلے پر تھا اور اس کا نام سونگ تھا۔ یہاں پہلے سے مزدور کام پر لگے تھے۔ زمین کھودی جا رہی تھی پل کا سامان ڈھیروں کی شکل میں پڑا تھا ایک بہت بڑا احاطہ تھا جس کے اندر ایک قطار میں مزدوروں کے لئے ساٹھ ستر کے قریب بانس کے جھونپڑے بنے ہوئے تھے ان میں کچھ پکے کوارٹر بھی تھے اور دو بڑے مال گودام تھے جن میں پل کی تعمیر کا قیمتی سامان بھرا تھا مجھے سردار جی نے ایک چھوٹا سا پکا کمرہ دے دیا جس میں چارپائی، میز کرسی اور ایک ٹیبل فین تھا پہلے تین روز تک تو میں حساب کتاب کا کام کرتا رہا۔ اس کے بعد سردار جی نے مجھے مزدوروں کے اوپر میٹ مقرر کر دیا کیونکہ میرا قد کاٹھ نکلتا ہوا تھا اور میں دلیر بھی تھا سب سے بڑھ کر یہ کہ سردار جی کو میرا امرتسری ہونا بہت پسند تھا۔ اب سارا دن مزدوروں پر رعب جمانے اور ان کی نگرانی کرنے کے سوا مجھے کوئی کام نہیں تھا ہفتے میں دو بار میں رنگون شہر کی سیر کو نکل جاتا۔ سینما میں کوئی فلم دیکھتا، کسی ریستوران میں کھانا کھاتا اور واپس آ جاتا۔ سردار جی نے کچھ روز بعد مجھے ایک فوجی جیپ دے دی اور میں شہر سے ضروری سامان اپنی نگرانی میں لے آتا سردار جی خود رنگون شہر کی ایک چھوٹی سی کوٹھی میں ایک برمی عورت کے ساتھ رہتے تھے میں نے ایک روز یہ جاننے کے لئے کہ وہ برمی عورت اس کی کیا لگتی ہے سردار جی سے کہا "سردار جی؟ آپ کی پتنی بڑی رحم دل ہے۔"

سردار جی نے ایک موٹی سی گالی اس برمی عورت کو دی اور مجھے آنکھ مار کر کہا "پتنی نہیں ہے بس ویسے ہی ہے۔"

سردار جی نے دو مہینے بعد مجھے رنگون شہر میں اپنے بنگلے میں ہی ایک کمرہ دے دیا اصل میں انہیں برمی لوگ پر کچھ زیادہ بھروسہ نہیں رہا تھا۔ کیونکہ یہ خبریں شہر میں اڑنے لگی تھیں کہ جاپان انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ کرنے والا ہے۔ برمی لوگ انگریزوں کے خلاف تھے اور اپنا ملک انگریز کے تسلط سے آزاد کرانا چاہتے تھے ان کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ اگر جاپان نے جنگ شروع کر دی تو برمی جاپانیوں کا ساتھ دیں گے۔ چنانچہ سردار جی نے مجھے ایک طرح سے اپنا باڈی گارڈ بنا لیا تھا بنگلے کے کمرے میں آنے کے بعد مجھے بڑی آزادی مل گئی اور میں شہر کی خوب سیر کرتا۔ کبھی جیپ لے کر کمائٹ کی بستی کی طرف نکل جاتا۔ کبھی فیریز اسٹریٹ میں ترکی ہوٹل میں چائے پیسٹری اڑاتا اور اس زمانے کی مقبول فلم "رتن" اور "پردیسی" کے گانے ریڈیو گرام پر سنتا۔ برسات کی جھڑی لگی ہوتی تو میکسیم بار میں جا کر بیٹھ جاتا اور رمانڈے برانڈی سے لطف اندوز ہوتا۔

ایک بار چھٹی کے دن میں دریائے اراوتی کی سیر کو نکل گیا رنگون میں میرا ایک برمی لڑکے سے یارانہ ہو گیا تھا وہ میرا ہم عمر تھا اب نام بھول گیا ہوں اس کا یانگ یا یو وانگ نام تھا اس کا اس کی شکل آج بھی آنکھوں کے سامنے ہے۔ زرد رنگ، چھوٹی آنکھیں، عام برمیوں کی طرح وہ بھی قمیض کے اوپر کس کر لنگی باندھتا تھا وہ بھی میرے ساتھ تھا۔ ہم جیپ ایک جگہ کھڑی کر کے دریا کنارے سیر کرتے کافی دور نکل گئے۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے لگتا تھا ابھی بارش ہو گی لیکن میں رنگون کی بارشوں کا عادی ہو گیا تھا وہاں تو برسات کے موسم میں روز ہی بارش ہوتی تھی یو وانگ مجھے دریا کے کنارے ایک چھوٹے سے قصبے میں لے آیا یہاں بانس کے جھونپڑے کے اندر چائے کی چھوٹی سی دکان بنی ہوئی تھی۔ چائے پیتے ہوئے یو وانگ نے مجھے بتایا کہ یہاں قریب ہی ایک پرانے بدھ مندر کا ایک کھنڈر ہے وہاں کوئی پوجا کرنے نہیں جاتا کیونکہ اس مندر کے بارے میں مشہور ہے کہ وہاں اگر کوئی جائے تو اسے کسی لڑکی کے سسکیاں بھرنے اور رونے کی آواز آتی ہے۔

میں نے سگریٹ کا کش لگا کر کہا "یو وانگ تم برمی لوگ بڑے وہمی ہوتے ہو چلو مجھے لے چلو وہاں دیکھتا ہوں کس لڑکی کے رونے کی آواز آتی ہے۔"

یو وانگ بولا "میں جھوٹ نہیں بولتا لڑکی کے رونے کی آواز کئی لوگوں نے سنی ہے۔"

میرے دل میں شوق پیدا ہوا کہ اس پراسرار لڑکی کی آواز سننی چاہئے میں نے سگریٹ بجھاتے ہوئے کہا "چلو مجھے وہ مندر دکھاؤ تم بے شک میرے ساتھ نہ جانا مجھے مندر میں چھوڑ کر واپس اسی جگہ آجانا۔ دیکھتا ہوں یہ کیسی آواز ہے۔"

یو وانگ نے مجھے اس ارادے سے باز رکھتے ہوئے کہا "نہیں نہیں تم وہاں نہیں جاؤ گے کیونکہ اس مندر کے بارے میں یہ بات بھی مشہور ہے کہ جو کوئی وہاں تھوڑی دیر کو رکتا ہے وہ ایک ہفتے کے اندر اندر مرجاتا ہے۔"

میں نے کہا "اور جن لوگوں نے اس آسیبی لڑکی کی سسکیوں کی آواز سنی ہے وہ اب تک کیوں زندہ ہیں؟"

یو وانگ کہنے لگا "وہ وہاں رکے تھوڑے تھے جونہی لڑکی کی سسکیوں کی آواز آئی وہ وہاں سے بھاگ آئے مجھ سے وعدہ کرو کہ تم بھی لڑکی کی آواز سنتے ہی بھاگ آؤ گے۔"

میں نے کہا "اچھا وعدہ کرتا ہوں اب مجھے اس مندر میں لے چلو۔"

اس وقت آسمان پر بادلوں نے دھیمے دھیمے گرجنا شروع کردیا تھا۔ یو وانگ مجھے قصبے کے پرانے آسیبی کھنڈر کے پاس لے گیا پرانا سا کھنڈر تھا دیواریں شکستہ تھیں چبوترے اور سیڑھیوں میں جنگلی گھاس اگی ہوئی تھی۔ دروازے کا ایک ستون ڈھے گیا تھا یو وانگ کا رنگ اڑ رہا تھا دبی زبان میں بولا "یہاں سے واپس چلے چلو دوست!"

ڈر مجھے بھی کچھ کچھ لگ رہا تھا لیکن نوجوانی کا جوش اور پھر اپنی دلیری کا بھرم رکھنے کے خیال سے میں نے یو وانگ کو واپس بھیج دیا اور خود پیگوڈا (مندر) کے کھنڈر میں داخل ہوگیا۔ اندر داخل ہوتے ہی ایک عجیب سی سنسناہٹ میرے جسم میں دوڑ گئی باہر بادلوں کی دھیمی گرج بلند ہو کر غائب ہوگئی میں کھنڈر کی ڈیوڑھی میں تھا نیم اندھیرا تھا دیوار میں ایک کشادہ شگاف تھا میں نے آگے بڑھ کر شگاف میں جھانکا تو اچانک کسی کے آہستہ سے سسکی بھرنے کی آواز سنائی دی۔ میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے یہ سسکی کسی لڑکی نے بھری تھی۔ دل نے کہا یہاں سے بھاگ چل ورنہ مرجائے گا بس اتنا ایڈونچر ہی کافی ہے میں جونہی پیچھے کو مڑا کسی نے شگاف کے اندر سے آواز دی۔

"مجھے پانی پلادو مجھے پیاس لگی ہے۔"

یہ اسی لڑکی کی آواز تھی اتنا کہہ کر پراسرار لڑکی سسکیاں بھرنے لگی میں حوصلہ کرکے رک گیا میں نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا "تم کون ہو؟"

شگاف کی دوسری طرف گہری تاریکی تھی اس تاریکی میں سے لڑکی نے سسکی بھر کر کہا "ڈرو نہیں مجھے پانی پلادو میں دو سو برس سے پیاسی ہوں۔"

اس لڑکی کی آواز میں کچھ ایسی التجا تھی کہ میں نے وہاں سے پلٹ جانا اپنی مردانہ شان کے خلاف سمجھا اور ہمت کرکے پوچھا "یہاں پانی کہاں ہے؟"

اس لڑکی کی سسکیاں اب بند ہوگئی تھیں اس کی آواز آئی "اندر آجاؤ اندر باؤلی ہے۔"

میں بے دھڑک شگاف میں سے گزر گیا مجھے اندھیرے میں دھندلا دھندلا نظر آنے لگا کیا دیکھتا ہوں کہ آگے ایک چھوٹی سی گول کنواں نما باؤلی ہے جس کی منڈیر پر کانسی کا ڈول پڑا ہے ڈول کے ساتھ رسی بندھی ہوئی ہے۔

"مجھے پانی پلادو باؤلی میں سے پانی نکال کر پلادو"

میں نے ڈول باؤلی میں ڈال دیا پانی بھر کر باہر نکالا اور ڈول باؤلی کی منڈیر پر رکھ دیا اب ایک بار پھر مجھ پر خوف سا طاری ہوگیا تھا کہ خدا جانے یہ کوئی چڑیل ہے ابھی کسی طرف سے نکل آئے گی پانی پینے کے لئے لڑکی کی آواز سنائی دی۔

"ڈرنا نہیں میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گی"

میرے دیکھتے دیکھتے پانی سے بھرا ہوا ڈول غائب ہوگیا دوبارہ ڈول اپنی جگہ پر آیا تو وہ خالی تھا۔ اس لڑکی کے گہرا سانس بھرنے کی آواز آئی۔ "تم نے میری صدیوں کی پیاس بجھادی تم نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے تمہیں کبھی نہ کبھی اس کا بدلہ ضرور دوں گی۔"

اس کے ساتھ ہی باؤلی کے اوپر اندھیرے میں روشنی سی ہو کر بجھ گئی میں باہر کو دوڑا اب دہشت نے مجھے اپنی گرفت میں جکڑ لیا تھا میں نے مندر کے چبوترے پر سے نیچے گھاس میں چھلانگ لگادی باہر تاریک بادلوں کی وجہ سے دن کے وقت اندھیرا ہوگیا تھا اور بوندا باندی شروع ہوگئی تھی جب میں چائے والے جھونپڑے میں آیا تو میرا برمی دوست یو وانگ جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا "کیا تم اتنی دیر پیگوڈا کے اندر رہے تھے؟"

جانے کیوں میرا دل چاہا کہ میں یو وانگ کو یہ نہ بتاؤں کہ میں نہ صرف پیگوڈا کے کھنڈر

کے اندر رہا بلکہ میں نے اس پراسرار لڑکی کو پانی بھی پلایا ہے اور اس کی صدیوں کی پیاس بجھائی ہے۔

میں نے اس سے کہا "نہیں یار تم سے کیا چھپاؤں اصل میں، میں ڈر گیا تھا مندر کے اندر کہاں جاتا میں تو باہر ہی درختوں کے پاس کھڑا رہا اور پھر وہاں سے چلا آیا۔"

یو وانگ بڑا خوش ہوا میرے کندھے پر بازو رکھ کر بولا "تم نے بڑا اچھا کیا میں تو یہاں بیٹھا بھگوان بدھا سے تمہاری لئے دعا کر رہا تھا میں چائے منگواتا ہوں۔"

میں نے اٹھتے ہوئے کہا "نہیں یو وانگ اب چلتے ہیں۔"

ہم قصبے کے جھونپڑی نما چائے خانے سے نکل کر دریا کی طرف چلنے لگے وہاں سے اپنی جیپ پکڑی اور شہر میں آ گئے میں نے یو وانگ کو 39 نمبر اسٹریٹ کے باہر اتارا اور خود سردار جی کی کوٹھی کی طرف چل دیا۔ میرے ذہن میں پیگوڈا والی لڑکی کی پراسرار خشک آواز اب بھی گونج رہی تھی۔ "مجھے پانی پلاؤ میں صدیوں سے پیاسی ہوں" کبھی لگتا میں نے جو کچھ سنا جو کچھ دیکھا وہ سب میرا واہمہ تھا حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے لیکن میں تو اس لڑکی کی سسکیوں کی آواز اب بھی سن رہا تھا۔

جیپ گیراج میں کھڑی کر کے میں اپنے چھوٹے سے کمرے کی طرف جا رہا تھا کہ ڈرائنگ روم کا جالی دار دروازہ کھلا اور سردار جی پتلون اوپر کرتے ہوئے نمودار ہوئے انہوں نے مجھے آواز دے کر بلایا وہ کچھ مضطرب سے دکھائی دے رہے تھے میرے آگے آگے وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئے۔ مجھے چمڑے کے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جالی دار دروازے کے پاس جا کر باہر ایک نگاہ ڈالی دروازہ بند کر کے کنڈی لگائی اور میرے سامنے صوفے پر بیٹھ گئے میرے چھٹی حس نے مجھے بتایا کہ دال میں کچھ کالا ہے اور جس خطرے کو میں اپنے ساتھ لے کر رنگون آیا تھا وہ اب میرے سامنے آ گیا ہے اس سے پہلے کہ میں کچھ پوچھتا سردار جی نے میری طرف گردن جھکا کر مجھے گہری نظروں سے دیکھا اور کہا "کیا تم کلکتے میں کسی کا خون کر کے آئے ہو؟"

میں پتھر سا بن کر سردار جی کو تکنے لگا باہر درخت پر کوئی پرندہ مسلسل بول رہا تھا اور سپارکس اسٹریٹ پر سے گاڑیوں اور فوجی ٹرکوں کے گزرنے کی دھیمی دھیمی آواز سنائی دے رہی تھی۔

میں نے پوچھا "یہ آپ کو کس نے بتایا؟"

سردار جی اٹھ کھڑے ہوئے اپنے صوفے کے گرد ایک چکر لگایا اپنی ڈھیلی پتلون کو باہر نکلے ہوئے پیٹ کے اوپر کیا صوفے پر دوبارہ بیٹھے اور بولے "انورے! تو امرتسری ہے تو نے میری بڑی خدمت کی ہے میں تمہیں پولیس کے حوالے نہیں کروں گا لیکن میں بھی کسی مصیبت میں نہیں پھنسنا چاہتا میں تیری لئے یہی کر سکتا ہوں کہ تو ابھی اسی وقت یہاں سے فرار ہو جا جہاں تیرے سینگ سمائیں چلا جا اگر پکڑا گیا تو پولیس کو یہ ہرگز ہرگز نہ بتانا کہ تو میرے ہاں ملازم تھا"

ساری بات کھل گئی تھی لیکن میں قتل کا اعتراف نہیں کر سکتا تھا میں نے پوچھا "کیا پولیس یہاں آئی تھی؟"

سردار جی اپنی داڑھی کو انگلیوں سے مروڑ رہے تھے ان کی لال لال آنکھیں میرے چہرے پر جمی تھیں۔ "پولیس تیری تلاش میں میرے پاس آئی تھی میں نے انہیں صاف صاف کہہ دیا کہ میں اسے بھرتی کر کے رنگون ضرور لایا تھا مگر دوسرے ہی دن وہ کہیں روپوش ہو گیا میں نہیں جانتا کہ تو نے خون کئے ہیں کہ نہیں میں تمہاری اتنی مدد کر سکتا ہوں کہ تم مجھ سے کچھ روپے لے لو اور فوراً روپوش ہو جاؤ اور موقع ملتے ہی رنگون سے کسی دوسرے ملک کی طرف بھاگ جاؤ۔"

وہ اٹھا الماری کھولی اس میں سے پانچ سو روپے کے نوٹ نکال کر مجھے دیئے اور بولا "اب تم کوٹھی کے پچھلے کمرے سے سولی پیگوڈا کی طرف نکل جاؤ تم رنگون سے اچھی طرح واقف ہو شام تک کسی جگہ چھپے رہو اور جب اندھیرا ہو جائے تو پروم کی طرف بھاگ جانا وہاں سے کسی طرح بارڈر کراس کر کے تھائی لینڈ پہنچنے کی کوشش کرنا وہاں تم محفوظ ہو گے اب جلدی سے بھاگ جاؤ۔"

میری حالت اس آدمی کی سی تھی جس کے لئے گھر کا دروازہ بند کر دیا گیا ہو اور ایک دوسرا دروازہ کھول دیا ہو جس کے سامنے پرخطر جنگل، دلدلی میدان اور درندوں سے بھری ہوئی پہاڑیاں اور گھاٹیاں ہوں۔

ایک بات میں ضرور کہوں گا کہ قتل خواہ آپ کسی جذبے کے تحت کریں وہ چھپتا نہیں اور مقتول کا خون آپ کا تعاقب کرتا ہے۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا اگرچہ میں جائے

واردات سے ہزاروں میل دور ایک دوسرے ملک میں روپوش ہو چکا تھا اس کے باوجود ایک خطرہ مجھے ہر وقت اپنے اوپر منڈلاتا ہوا محسوس ہوتا تھا انگریز کا زمانہ تھا اس زمانے میں پولیس کی کارکردگی بڑی اعلیٰ تھی برما بھی انگریزوں کے قبضے میں تھا چنانچہ یہاں پولیس بے روک ٹوک اپنی تفتیش کا دائرہ وسیع سے وسیع تر کر سکتی تھی۔ برما پولیس میں زیادہ تعداد پنجاب کے سپاہیوں کی تھی جن میں سکھ بھی تھے اور جہلم کے جوان بھی تھے اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ پنجابی ہونے کے ناتے یہ لوگ مجھ سے کوئی رعایت برتنے والے تھے۔ نہیں اس زمانے میں انگریز کے سخت گیر نظام کی وجہ سے ہر سپاہی اپنی ڈیوٹی کا سختی سے پابند تھا اور مفرور قاتل کو گرفتار کرنے پر تو سپاہیوں کی ایک دم سے ترقی ہو جاتی تھی۔

سردار جی نے ڈرائنگ روم میں جاتے ہی دروازہ بند کر دیا میں سردار جی کی مجبوریوں کو اچھی طرح سے سمجھتا تھا اگر وہ مجھے اپنے ہاں پناہ دیتے ہیں اور پولیس مجھے پکڑ لیتی ہے تو سردار جی کا سارا کاروبار تباہ ہو جاتا اور ممکن ہے خود بھی انہیں جیل کی ہوا کھانی پڑتی اس کے باوجود انہوں نے میرے ساتھ انتہائی دوستانہ اور مربیانہ سلوک کیا تھا اور نہ صرف یہ کہ مجھے پولیس کے حوالے نہیں کیا تھا بلکہ مجھے پانچ سو روپے بھی دیئے تھے جو میرے بڑے کام آسکتے تھے اب میں رنگون کے وسیع و عریض شہر میں اکیلا رہ گیا تھا۔ رنگون کی پولیس میرے تعاقب میں تھی مجھے روپوش ہونا تھا مجھے پہچانا بھی جا سکتا تھا اگر کلکتہ پولیس نے میرے خلاف قتل کا مقدمہ درج کیا تھا تو انہیں موہنی سینما والوں سے میری تصویر بھی ضرور مل گئی ہوگی۔ یہ تصویر برما پولیس کو بھی سپلائی کر دی گئی ہوگی۔ یہ سوچنے کا وقت نہیں تھا کہ پولیس کو مجھ پر کیسے شک ہوا جبکہ میں نے اپنی طرف سے جائے واردات پر کوئی ثبوت نہیں چھوڑا تھا کچھ بھی ہو سکتا تھا میں نے ایک ساتھ چار قتل کئے تھے ممکن ہے پولیس کھوج لگاتی اشرف اور شاہدہ کے پاس پہنچ گئی ہو۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ پولیس نے شہر کے سارے جرائم پیشہ افراد سے پوچھ گچھ کی ہو اور اسی دوران پولیس کو معلوم ہوا ہو کہ انور نام کا ایک شخص کلکتے سے غائب ہے پولیس ٹوہ لگاتی میرے چیت پور والے دوست جان کے پاس جا پہنچی ہو جہاں سے اسے یہ پتہ چل گیا ہو کہ مجھے ایک سکھ ٹھیکیدار بھرتی کر کے رنگون لے گیا ہے۔

میں نے ان تمام پریشان کر دینے والے خیالات کو ذہن سے جھٹک دیا اور سردار جی کی چھوٹی سی کوٹھی کے عقبی دروازے سے نکل کر ناریل کے درختوں میں گھری ہوئی چھوٹی

سڑک پر آگیا بادل اسی طرح جھکے ہوئے تھے اور ہلکی بونداباندی ہو رہی تھی۔ میں نے اپنے کمرے میں بھی جانے کی ضروری محسوس نہیں کی تھی وہاں میرا کچھ بھی نہیں تھا۔ کوئی پستول یا چاقو بھی نہیں تھا۔ میں نے نائیلون کی جیکٹ اور پتلون پہن رکھی تھی جیب میں سردار جی کے دیئے ہوئے پانچ سو روپے تھے جو اس زمانے میں بہت بڑی رقم ہوا کرتی تھی۔ سوچنے لگا کدھر کو جاؤں؟ شہر میں میرے کچھ واقف کار بھی تھے لیکن وہ مجھے تحفظ نہیں دے سکتے تھے ایک خطرہ یہ بھی تھا کہ خفیہ پولیس کا کوئی آدمی میرا پیچھا کر رہا ہو۔ میں چلتے چلتے ایک درخت کے پاس بیٹھ گیا گردن موڑ کر پیچھے دیکھا چھوٹی سی بھیگی ہوئی سڑک دور تک خالی تھی یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ پولیس سردار جی کے کوٹھی کے آس پاس کوئی خفیہ انسپکٹر نہ چھوڑ گئی ہو۔ بہرحال اب جو بھی ہو مجھے اکیلے ہی حالات کا مقابلہ کرنا تھا۔

میں اٹھا اور جیکٹ کا کالر اوپر کر لیا جیب سے رومال نکال کر سر پر باندھا بونداباندی کے خیال سے نہیں بلکہ اپنے حلیے کو تھوڑا سا بدلنے کے لئے سڑک پر کوٹھیوں کے پچھواڑے لگتے تھے۔ اچانک مجھے اپنے برمی دوست یووانگ کا خیال آگیا دوپہر گزر چکی تھی شام آرہی تھی کم از کم یووانگ کے پاس میں ایک رات گزار سکتا تھا اور اتنی دیر میں اپنے اگلے منصوبے پر غور و فکر کر سکتا تھا یووانگ 39 اسٹریٹ کی ایک کھولی میں اکیلا رہتا تھا اس کے ماں باپ دیہات میں تھے وہ یہاں اکیلا محنت مزدوری کرتا تھا میں چھوٹی سڑک سے نکل کر سپارکس اسٹریٹ پر آگیا یہاں سے 19 اسٹریٹ زیادہ دور نہیں تھی پھر بھی میں نے ایک رکشا لے لیا۔ رنگون میں ہتھ رکشا چلتے تھے جن کو وہاں کی مقامی زبان میں لنچہ کہتے تھے۔ یہ رکشا زیادہ تر مدراسی چلاتے تھے جنہیں قرنگی کہا جاتا تھا میں 39 اسٹریٹ میں پچھلی طرف سے داخل ہوا۔ یووانگ اپنی کھولی میں ہی مل گیا۔ مجھے دیکھ کر خوش ہوا اور کچھ حیران بھی ...... شاید اس نے میرے چہرے پر تفکرات کے اثرات دیکھ لئے تھے میں اس کے پاس بانس کی چارپائی پر بیٹھ گیا وہ بولا "میں تمہارے لئے چائے بناتا ہوں۔"

میں نے اسے منع کر دیا اور تھوڑی سی تمہید کے بعد اسے بتایا کہ کلکتے میں میرا ایک بدمعاش سے جھگڑا ہو گیا تھا اور میں نے اسے چاقو مار کر زخمی کر دیا تھا اب پولیس میری تلاش میں وارنٹ لے کر رنگون پہنچ گئی ہے کیا تم کچھ عرصے کے لئے مجھے کسی جگہ چھپا سکتے ہو یووانگ کی عمر زیادہ نہیں تھی مگر اس نے جرائم پیشہ ماحول میں پرورش پائی تھی میری طرف

دیکھ کر مسکرایا۔ "کیا تم کوئی خون کر آئے ہو کلکتے میں؟" میں نے پھر بھی اسے قتل کے بارے میں کچھ نہ بتایا۔

یو وانگ بولا۔ "کوئی بات نہیں اندھیرا ہو جانے دو میں تمہیں ایک جگہ لے جاؤں گا وہاں تم ہفتہ دس دن چھپ سکتے ہو جب شام ہو گئی تو یو وانگ ایک رکشا لے آیا ہم دونوں رکشا میں بیٹھ کر مغل اسٹریٹ سے ہوتے ہوئے سولی پیگوڈا کے عقبی علاقے میں آ گئے۔ یہاں ایک سرسبز میدان کے جنوبی جانب نشیبی جگہ پر کچھ کھولیاں بنی ہوئی تھیں۔ یو وانگ مجھے ایک کھولی میں لے گیا۔ کھولی میں مٹی کے تیل کا لیمپ جل رہا تھا اور اس کی روشنی میں ایک ڈھلتی عمر کی زرد رو برمی عورت سگار پی رہی تھی۔ یو وانگ برمی زبان میں اس سے باتیں کرنے لگا میں برمی زبان اب سمجھنے لگا تھا یو وانگ نے اسے میرے بارے میں بتایا کہ میرا تعلق بنگالی کی انقلابی پارٹی سے ہے اور انگریزی پولیس مجھے گرفتار کرنا چاہتی ہے۔ زرد رو برمی عورت نے سگار کا دھواں نتھنوں سے نکالتے ہوئے میری طرف گھور کر دیکھا اور ہمیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا وہ ہمیں پیچھے درختوں میں لے گئی جہاں اندھیرے میں مجھے درختوں کے نیچے بانس کی بنی ہوئی ایک بوسیدہ جھونپڑی نظر آئی یو وانگ میرے ساتھ تھا۔ اس نے میرے قریب ہو کر کہا "دو تین روز اس کھولی میں چھپے رہو اس کے بعد میں تمہیں کمائیٹ کی طرف لے چلوں گا۔"



میں اس چھوٹی سی کھولی میں بند ہو گیا۔

میں نے یو وانگ کو پچاس روپے دے دیئے تھے جو اس نے زرد رو برمی عورت کو میرے کھانے پینے کے اخراجات کے لئے دے دیئے رات کو کھولی میں مجھے مچھر تنگ کرتے، دن کے وقت مجھے کھولی سے پندرہ بیس قدم سے زیادہ دور جانے سے منع کر دیا گیا تھا خدا جانے یہ برمی عورت کیا کام کرتی تھی۔ وہاں دوسری کھولیوں میں سے دن کے قریب مردوں کی آوازیں آتیں۔ برمی عورت نے مجھے ہدایت کر دی تھی کہ میں کھولی میں سے صرف منہ اندھیرے اور شام کے وقت ہی باہر نکلوں ادھر کوئی آتا ہی نہیں تھا برمی عورت مجھے صبح شام چاول اور چائے دے جاتی یو وانگ رات کو مجھ سے ملنے آتا تھا مجھے اس کھولی میں رہتے ہوئے جب چار دن گزر گئے تو میں نے یو وانگ سے کہا کہ مجھے یہاں سے کمائٹ کی طرف لے چلو۔ وہ بولا "میں وہاں تمہارے لئے ایسا بندوبست کر رہا ہوں کہ تم اگر چاہو تو سال دو سال گمنامی میں گزار سکتے ہو۔ بس دو دن اور ٹھہر جاؤ۔"

میں نے کسی نہ کسی طرح اس کال کوٹھری میں دو دن بھی گزار دیئے تیسرے دن رات کو یو وانگ ایک ٹیکسی لے کر آیا اور مجھے کھولی سے نکال کر کمائٹ کی طرف روانہ ہو گیا جو لوگ رنگون رہ چکے ہیں، وہ کمائٹ کے نام سے ضرور واقف ہوں گے یہ ۱۹۴۰-۴۱ء میں رنگون سے تھوڑی دور ایک چھوٹا سا قصبہ ہوا کرتا تھا یہاں کینوس کے جوتے بنانے کی ایک فیکٹری بھی تھی۔ کمائٹ میں زیادہ تر برمی لوگ ہی رہتے تھے کمائٹ سے نصف میل مشرق کی طرف نشیب میں ایک چھوٹی سی گھاٹی تھی۔ ٹیکسی ہم نے کمائٹ میں داخل ہونے سے پہلے ہی چھوڑ دی تھی۔ میں اور یو وانگ پیدل چل رہے تھے یہاں اندھیرا تھا بائیں جانب ایک ٹیلے کے نشیب میں درختوں کے درمیان روشنی سی دکھائی دی قریب پہنچ کر دیکھا کہ یہ بانس

کا ایک چھوٹا سا کاٹیج ہے جس کے آگے تنگ صحن کے گرد بانس کی باڑھ کھینچ دی گئی تھی کاٹیج بھی بانس کا تھا روشنی اس کے اندر سے آ رہی تھی یو وانگ نے مجھے وہیں کھڑا رہنے کو کہا اور پھر اکیلا اندر چلا گیا۔

دس منٹ کے بعد واپس آیا اور کہنے لگا یہاں میری ایک منہ بولی بہن رہتی ہے اس کا نام پربھا ہے وہ انڈیا کے صوبہ کیرالہ کی رہنے والی ہے میں نے اسے سب کچھ سمجھا دیا ہے بڑی دلیر عورت ہے وہ مجھ سے بڑا پیار کرتی ہے میں نے اسے یہی بتایا ہے کہ تم ہندوستان کی انقلابی پارٹی کے آدمی ہو اور انگریز تمہاری تلاش میں ہیں۔

میں نے کچھ شبے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "یہ عورت کہیں میری مخبری تو نہیں کر دے گی۔"

یو وانگ بولا "پربھا بڑی دلیر عورت ہے وہ ایسا کبھی نہیں کرے گی میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں تم بے فکر رہو اور پھر تمہیں یہاں زیادہ سے زیادہ دو ہفتہ ہی ٹھہرنا ہو گا اس کے بعد میں تمہیں یہاں سے آگے تھائی لینڈ بارڈر کراس کروانے کی کوشش کروں گا۔"

میں نے یو وانگ کو بتا دیا تھا کہ میں کسی طرح برما سے نکل کر تھائی لینڈ پہنچنا چاہتا ہوں میرا خیال تھا کہ تھائی لینڈ سے انڈونیشیا چلا جاؤں گا جہاں مسلمان رہتے ہیں وہاں انگریزی مجھے نہیں پکڑ سکے گا۔ یو وانگ مجھے بانس کے کاٹیج میں لے گیا وہاں میں نے ایک گہرے سانولے رنگ کی لڑکی دیکھی جو لالٹین کی روشنی میں لکڑی کی آرام کرسی پر ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھی سگریٹ پی رہی تھی اس نے گھٹنوں سے ذرا نیچے تک کا گاؤن پہن رکھا تھا جسم پر جامنی رنگ کا بغیر آستین کا بلاؤز تھا، گھنگھریالے سیاہ بال شانوں تک لٹک رہے تھے، تنگ کمرے کی فضا میں چارپائی پر بچھونا لگا تھا کونے میں تپائی تھی جس پر چائے کے پیالے اور چینک پڑی تھی۔ یو وانگ نے اس لڑکی سے میرا تعارف کروایا۔ اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔ یہ کیرالہ کی رہنے والی پربھا تھی۔ پربھا کا انداز اور چہرہ بتا رہا تھا کہ اس کا تعلق غیر اخلاقی سرگرمیوں سے ہے۔ لیکن مجھے پربھا کی اخلاقی یا غیر اخلاقی سرگرمیوں سے کوئی تعلق نہیں تھا میں صرف یہ چاہتا تھا کہ جب تک یو وانگ مجھے برما کے جنگلوں میں سے گزار کر تھائی لینڈ کے بارڈر تک نہیں پہنچا دیتا۔ میں کسی طرح وہاں روپوش رہوں۔ یو وانگ یہ کہہ کر چلا گیا کہ وہ کل رات کو آئے گا۔ پربھا نے مجھے چارپائی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور تپائی پر سے

وائیٹ ہارس سگریٹ کی ڈبیا اٹھا کر میری طرف بڑھائی۔

"تم سگریٹ پیتے ہو؟"

وہ اردو زبان ٹھیک بول لیتی تھی۔ اس زمانے میں برما میں وائٹ ہارس نام کے سگریٹ بڑے مقبول تھے۔ میں نے پربھا کا شکریہ ادا کرتے ہوئے سگریٹ سلگا لیا اور چارپائی کے کونے پر بیٹھ کر سگریٹ پینے لگا۔ کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی۔ میں نے کن انکھیوں سے دیکھا پربھا برابر میرے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ "تم بنگال کے نہیں لگتے۔"

میں نے کہا۔ "میں پنجاب کا رہنے والا ہوں۔ بنگال میں آ کر سبھاش بوس کی انقلابی پارٹی میں شامل ہو گیا، پولیس مجھے پکڑنا چاہتی تھی۔ میرے لیڈر نے مجھے کہا کہ برما کی طرف بھاگ جاؤ۔ میں یہاں آ گیا اب پولیس یہاں بھی میرے پیچھے لگی ہے۔"

پربھا نے سگریٹ کی راکھ فرش پر جھاڑتے ہوئے کہا۔ "تم یہاں کب تک چھپے رہو گے؟ میں تو کسی کو نہیں بتاؤں گی لیکن پولیس یہاں چھاپہ مار سکتی ہے۔"

میں نے یو انگ کو منع کر دیا تھا کہ وہ اس لڑکی پربھا کو یہ بالکل نہ بتائے کہ میں برما کا بارڈر کراس کر کے تھائی لینڈ اور وہاں سے انڈونیشیا جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ میں نے کہا "میں زیادہ دن نہیں رہوں گا ہماری پارٹی کے کچھ آدمی مانڈے میں روپوش ہیں ان کو اطلاع کر دی گئی ہے۔ وہ بہت جلد آ کر مجھے لے جائیں گے۔"

پھر میں نے پربھا کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ میری وجہ سے اسے خواہ مخواہ پریشانی اٹھانا پڑ رہی ہے۔ پربھا آرام کرسی سے اٹھی۔ سگریٹ پاؤں کے نیچے کچلا اور یہ کہہ کر باہر نکل گئی۔ "بچھونے پر سو جاؤ؟ اس نے کاٹیج کا دروازہ بند کر کے باہر سے کنڈی لگا دی تھی۔ میں بھی سگریٹ بجھا کر چارپائی پر لیٹ گیا۔ مچھر یہاں بھی تنگ کر رہے تھے میں نے لالٹین بجھائی اور پتلی چادر اوڑھ کر سو گیا صبح اس وقت جاگا جب پربھا مجھ پر جھکی مجھے ہلا رہی تھی دن کی روشنی سیلاب کی طرح کھلے دروازے میں سے اندر آ رہی تھی۔

پربھا نے مجھے خود چائے بنا کر دی۔ ساتھ اس نے انڈے بنائے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ پربھا کم گو ہے۔ ضرورت کے وقت تھوڑی بات کرتی اور پھر خاموش ہو کر سگریٹ کے کش لگانے لگتی تھی۔ میں نے سارا دن وہاں گزار دیا۔ شام کو میں کاٹیج کے پیچھے ٹہلنے لگا جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو پربھا کمرے میں آئی اس نے بھڑکیلی ساڑھی پہن رکھی تھی

اور خوب میک اپ کیا ہوا تھا اس کی انگلیوں میں سگریٹ سلگ رہا تھا کہنے لگا۔

"میں رات باہر رہوں گی' صبح آؤں گی۔ یہاں کھانے کو کچن میں سب کچھ پڑا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ خاموشی سے باہر نکل گئی۔ میں اسے باہر جاتے دیکھتا رہا میں سمجھ گیا کہ وہ کہاں جا رہی ہے۔ مگر مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی میں دروازہ بند کر کے آرام کرسی پر بیٹھ کر اپنے آئندہ کے منصوبے کے متعلق سوچنے لگا۔ پھر اٹھ کر پیچھے کچن میں گیا۔ پتیلی میں سے چاول نکال کر کھائے اور واپس کمرے میں آگیا۔ گیارہ بجے رات یووانگ آیا۔ میں نے اس سے کہا پربھا باہر گئی ہوئی ہے یووانگ مسکرانے لگا میں نے بھی اس سے یہ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ کی کہ پربھا رات کو کہاں جاتی ہے ہم دونوں سمجھتے تھے کہ وہ کہاں گئی ہے میں نے یووانگ سے کہا

"حالات کیسے ہیں۔ تمہارے پاس پولیس تو نہیں آئی؟"

یووانگ بولا------"نہیں! پولیس میری کھولی پر ابھی تک نہیں آئی۔"

میں نے بے تابی سے کہا۔ "یووانگ! تم میرے ایک ہی دوست ہو۔ جیسے بھی ہو مجھے جنگل کراس کرا دو آگے میں خود ہی بارڈر پار کرلوں گا۔"

یووانگ کہنے لگا۔ "اگر میں جنگل کے راستوں سے واقف ہوتا تو تمہیں یہاں لانے کی بجائے سیدھا جنگل کی راہ لیتا۔ اس کے لئے مجھے ایک ماہر اسمگلر کی تلاش ہے۔ میں اسے جانتا ہوں۔ وہ پھومیو گیا ہوا ہے۔ ایک دو روز میں واپس آجائے گا۔ جیسے ہی آیا میں تمہیں یہاں سے لے چلوں گا۔ وہ بڑا بھروسے کا آدمی ہے۔ جب تک تم یہاں اطمینان سے بیٹھے رہو۔ پربھا کسی سے تمہارا ذکر نہیں کرے گی۔ یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

کچھ دیر ٹھہر کر دوسری رات آنے کا وعدہ کر کے یووانگ چلا گیا۔ میں تھوڑی دیر چارپائی پر بیٹھا سگریٹ پیتا رہا۔ پھر لالٹین دھیمی کی اور بستر پر چادر اوڑھ کر لیٹ گیا۔ پربھا مجھے تاکید کر گئی تھی کہ میں اندر سے کنڈے نہ لگاؤں۔ دروازہ بند تھا مگر کنڈی نہیں لگی ہوئی تھی رات کا نہ جانے کیا بجا ہوگا کہ میری آنکھ کھل گئی لالٹین کی دھیمی روشنی میں' میں نے پربھا کو دیکھا اس نے دروازہ بند کر کے باہر سے کنڈی لگا دی تھی۔ تھوڑی دیر بعد مجھے پھر نیند آگئی۔

اب آنکھ کھلی تو دن نکل آیا تھا پربھا میرے لئے چائے لے آئی۔ اس کے بال چمک رہے تھے اور ایک سرخ پھول بھی بائیں طرف لگا تھا۔ وہ چائے بنانے لگی اس نے دھلا ہوا گاؤن پہن رکھا تھا کہنے لگی۔

"رات تمہاری نیند تو خراب نہیں ہوئی میرے آنے سے۔"

میں نے کہا۔ "نہیں تھوڑی دیر کے لئے آنکھ کھلی تھی۔ پھر سو گیا۔"

پربھا نے پیالی میری طرف بڑھائی-----

"ناشتہ کر کے کپڑے اتار دینا گندے ہو رہے ہیں۔ میں دھو دوں گی۔"

پربھا نے ناشتے کے بعد مجھے پہننے کو اپنی ایک دھوتی دے دی اور میری پتلون اور قمیض دھو کر سوکھنے کے لئے ڈال دی اس روز آسمان صاف تھا اور دھوپ نکلی ہوئی تھی جس کی وجہ سے کافی حبس بھی تھا شام کو میرے کپڑے سوکھ گئے اور میں نے پہن لئے' مجھے پربھا کے پاس رہتے ہوئے دس دن گزر گئے تھے اس دوران یووانگ کا اسمگلر ساتھی جس نے جنگل میں میری رہنمائی کرنی تھی ابھی تک پھومیو سے واپس نہیں آیا تھا میں بے چینی سی محسوس کرنے لگا تھا یہاں زیادہ دیر ٹھہرنا میرے لئے مفید نہیں تھا مگر میں مجبور تھا کئی بار خیال آیا کہ خود ہی جنگل میں نکل پڑوں لیکن برما کے جنگلوں کے بارے میں سن رکھا تھا کہ ایک بار آدمی اس میں راستہ بھول جائے تو پھر اس کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ پربھا ہر طرح میرا خیال رکھ رہی تھی میری نظروں میں اس کی عزت بہت بڑھ گئی تھ میں نے ایک روز اسے دو سو روپے دینے چاہے تو وہ ناراض ہو گئی میں نے پہلی بار اسے غصے میں دیکھا! کہنے لگی۔

"کیا میں تمہارے پیسوں کے لئے سب کچھ کر رہی ہوں؟ کیا تم بہت امیر آدمی ہو ان پیسوں کو اپنے پاس رکھو میں جانتی ہوں تمہاری منزل بہت دور ہے تمہیں راستے میں ان کی ضرورت پڑے گی۔"

میں شرمسار ہو کر چپ ہو گیا اس کے بعد میں نے پربھا کو پیسے دینے کی جرات نہ کی مجھے پربھا کے کاٹیج میں آئے بیس روز ہو گئے تھے اس رات پربھا کھانا کھانے کے بعد کپڑے بدل کر خوب میک اپ کر کے چلی گئی پہلے وہ ساری رات باہر رہتی تھی لیکن اس رات وہ بارہ بجے کے قریب واپس آگئی اسکا موڈ سخت خراب تھا۔

اسے اپنی کوٹھری میں گئے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ مجھے اس کی چیخ کی آواز سنائی دی میں حسب عادت اس کے آنے پر جاگ گیا تھا اور اب دوبارہ سونے کی کوشش کر رہا تھا

کی آواز سن کر میں دیوانہ وار کمرے سے نکل کر اس کی کوٹھری کی طرف گیا' کیا دیکھتا ہوں کہ ایک غنڈہ ٹائپ آدمی پربھا کی گردن دبوچے ہوئے ہے میں نے چھلانگ لگا کر اجنبی غنڈے کو پیچھے سے کھینچا ہم دونوں فرش پر گر پڑے جس آدمی کو میں نے نیچے گرایا تھا وہ شکل سے برمی نہیں بلکہ جنوبی ہند کا آدمی لگ رہا تھا پربھا کی کوٹھری میں لیمپ روشن تھا اس آدمی نے اٹھتے ہی چاقو نکال لیا وہ چاقو لہراتا ہوا میری طرف بڑھا وہ جنوبی ہند کی کسی زبان میں غصے سے بولے جا رہا تھا میں نے اچھل کر اس کا چاقو والا ہاتھ پکڑ لیا وہ مجھ سے زیادہ صحت مند نہیں تھا لیکن اس کا جسم فولاد کی طرح سخت تھا میں نہتا تھا پربھا پلنگ کے کونے میں سہمی ہوئی بیٹھی تھی میں اس آدمی کے ہاتھ سے چاقو چھیننے کی کوشش کرتے ہوئے نیچے گر پڑا اس کے ساتھ ہی اس آدمی نے چاقو والا ہاتھ اٹھایا اور بجلی ایسی تیزی کے ساتھ میرے سینے میں گھونپنے ہی لگا تھا کہ اچانک اس کے ہاتھ سے چاقو گر پڑا اس کی آنکھیں ابل پڑیں اور وہ مردہ سا ہو کر لاش کی طرح میرے اوپر گر پڑا۔

اب میں نے دیکھا کہ اس کے پیچھے پربھا کھڑی تھی اور اس کے ہاتھ میں لوہے کی سلاخ تھی' یہ سلاخ پربھا نے پوری قوت سے اس آدمی کے سر کے پچھلے حصے پر ماری تھی جس سے اس کی کھوپڑی کا پچھلا حصہ کھل گیا تھا اس کے سر میں سے ابلتا ہوا خون میری گردن پر گر رہا تھا میں نے تیزی سے اسے ایک طرف گرایا اور اٹھ کھڑا ہوا پربھا نے سلاخ پھینک دی اور پہلی بار سسکیاں بھرنے لگی' اس کا جسم نازک شاخ کی طرح کانپ رہا تھا میں جھک کر غنڈے کے جسم کو دیکھا وہ مر چکا تھا پربھا اچانک پلنگ سے غصے میں اٹھی اس نے غنڈے کی لاش پر زور سے تھوکا اور کہا۔ "ہم طوائفوں کی بھی عزت ہوتی ہے یہ اپنے آپ کو کیا سمجھتا تھا ...."

پربھا کی زبان لڑکھڑا رہی تھی میں اسے اس کی کوٹھری سے نکال کر اپنے کمرے میں لے گیا اسے پانی پلایا اور پھر پوچھا کہ یہ کون تھا تب پربھا نے بتایا کہ وہ کمائٹ کا بدمعاش تھا۔

"وہ مجھے اپنی داشتہ بنانا چاہتا تھا مگر مجھے یہ آدمی پسند نہیں تھا میں نے کبھی اسے منہ نہیں لگایا تھا آج میں جہاں گئی تھی یہ بھی وہاں موجود تھا میں وہاں سے جلدی فارغ ہو کر واپس آئی تو یہ مجھے باہر ملا اور مجھے اپنے ساتھ چلنے کو کہا میں نے اسے ڈانٹ دیا اور گھر آ گئی اس کے بعد یہ میری کوٹھری میں گھس آیا اور مجھے بے عزت کرنے کی کوشش کی اس کے بعد تم آ گئے

اس نے تمہیں نیچے گرا کر چاقو والا ہاتھ اٹھایا تو مجھے کچھ معلوم نہیں کہ کب میں نے کونے میں رکھی لوہے کی سلاخ اٹھائی اور اس بدمعاش اور ذلیل انسان کی کھوپڑی توڑ ڈالی۔"

میں نے پربھا سے کہا۔ "تم نے جو کچھ بھی کیا ٹھیک کیا تمہاری جگہ میں بھی یہی کرتا تم نے میری جان بچائی اس کے لئے میں تمہارا احسان مند ہوں یہ بتاؤ کہ جب تم باہر نکلی تو تمہیں کسی نے اس غنڈے کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے تو نہیں دیکھا تھا؟"

پربھا غور کرنے لگی پھر بولی۔ "میں آج رات کمائٹ میں ہی ایک ٹھیکیدار کے گھر تھی یہ بدمعاش جس کا نام شنڈے ہے اسی ٹھیکیدار کا آدمی تھا میرا خیال ہے کہ جب میں ٹھیکیدار کے بنگلے کے احاطے میں اسے ڈانٹ رہی تھی تو ٹھیکیدار اپنے کمرے کے باہر کھڑا تھا۔"

"یعنی ٹھیکیدار نے شنڈے کو تمہارے ساتھ جھگڑتے اور پھر تمہارے پیچھے پیچھے جاتے دیکھ لیا تھا۔"

پربھا نے سانس بھر کر کہا۔ "ہو سکتا ہے ٹھیکیدار نے دیکھ لیا ہو۔"

اس کا مطلب صاف ظاہر تھا کہ پربھا اس قتل کا ثبوت ٹھیکیدار کے پاس چھوڑ آئی تھی پولیس اسے قتل کے الزام میں گرفتار کر سکتی تھی میں نے پربھا سے کہا کہ "پربھا! سب سے پہلے ہمیں شنڈے کی لاش کو ٹھکانے لگانا ہو گا کیا یہاں آس پاس کوئی ایسی جگہ ہے جہاں ہم اس غنڈے کی لاش سے نجات حاصل کر سکیں۔"

پربھا اب پوری طرح اپنے ہوش و حواس میں تھی وہ پہلے والی دلیر پربھا بن چکی تھی اٹھتے ہوئے بولی۔

"یہاں سے نیچے ایک پہاڑی نالہ بہتا ہے ہم لاش کو اس میں پھینک آتے ہیں نالے کا پانی لاش کو اپنے ساتھ بہا کر دریا میں لے جائے گا۔"

مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ نالے کے پانی کی رفتار کتنی ہے اس وقت ضرورت اس امر کی تھی کہ جتنی جلدی ہو سکے لاش سے پیچھا چھڑایا جائے میں نے پربھا کو ساتھ لیا دوسری کوٹھری میں آئے شنڈے بدمعاش کی لاش اسی طرح خون میں لت پت پڑی تھی پربھا ایک بوری نکال لائی ہم نے لاش کو اسی طرح بوری میں بند کیا فرش پر سے خون کو کپڑوں سے صاف کر کے خون آلود کپڑے بھی بوری میں ہی بند کر دیئے پھر میں نے بوری کاندھے پر اٹھائی اور ہم دونوں رات کے اندھیرے میں پہاڑی نالے کی طرف چل پڑے۔ پربھا

میرے آگے آگے تھی۔

پہاڑی نالہ ایک جگہ نشیب میں بہہ رہا تھا وہ زیادہ چوڑا نہیں تھا مگر اندھیرے میں پانی کی آواز کافی پرشور تھی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ پانی کا بہاؤ تیز ہے میں نے لاش پتھروں پر ڈال دی نیچے جھک کر دیکھا مجھے پانی تو نظر نہ آیا مگر پانی کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

پربھا نے کہا۔ "جلدی کرو۔۔۔۔ کوئی آ گیا تو مصیبت آجائے گی اسے نیچے نالے میں لڑھکا دو۔

میں نے بھی بغیر سوچے سمجھے لاش والی بوری نیچے نالے میں لڑھکا دی۔ بوری کے پانی میں گرنے کی آواز بلند ہوئی اور پھر وہاں سوائے پانی کی شور کے اور کوئی آواز نہیں تھی میں نے پربھا کو ساتھ لیا اور واپس کاٹیج میں آ گئے۔ شنڈے کا قتل پربھا نے کیا تھا لیکن جائے واردات سے فرار ہونے کی سب سے زیادہ ضرورت مجھے تھی اس لئے کہ رنگون پولیس پہلے ہی چار قتلوں کے سلسلے میں میری تلاش میں تھی اب اگر وہ شنڈے کے قتل کے سلسلے میں پربھا کے ہاں پہنچتی ہے تو یہ ناممکن تھا کہ میں نہ پکڑا جاتا لیکن میرے ضمیر کو یہ گوارا نہیں تھا کہ میں پربھا کو وہاں تنہا چھوڑ کر فرار ہو جاؤں آخر اس نے میری جان بچائی تھی اس نے یہ قتل اپنی عزت بچانے کے لئے نہیں بلکہ میری جان بچانے کے لئے کیا تھا اگرچہ اس وقت مجھے خود تحفظ کی ضرورت تھی لیکن میں پربھا کو بھی غیر محفوظ نہیں چھوڑ سکتا تھا اب ہم دونوں ایک ہی کنویں میں گرے ہوئے تھے۔

پربھا کہنے لگی۔ "کہیں پولیس ابھی تو یہاں نہیں آجائے گی؟ یہ مت سمجھنا کہ میں پولیس سے ڈرتی ہوں۔۔۔۔ میں نے جو کچھ کیا میں اس پر کبھی نہیں پچھتاؤں گی۔۔۔۔ مجھے صرف تمہارا خیال ہے۔۔۔۔ میں تمہیں یہی مشورہ دوں گی کہ تم یہاں سے کسی طرف نکل جاؤ۔۔۔۔ پیچھے جو ہو گا میں سنبھال لوں گی۔"

عقل کا یہی تقاضا تھا کہ میں وہاں سے روپوش ہو جاؤں لیکن پربھا کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا اس میں میری ایک خود غرضی بھی تھی اگر فرض کر لیا کہ پربھا کو پولیس پکڑ کر لے جاتی ہے اور اس پر تشدد کرتی ہے تو ایسا ممکن تھا کہ وہ پولیس کو میرے بارے میں بتا دے دوسری مشکل یہ تھی کہ جائے واردات پر میرا رہنا بھی خطرے والی بات تھی۔ میں پربھا کو وہاں سے چلے جانے کا مشورہ بھی نہیں دے سکتا تھا اگر وہ اپنا کاٹیج خالی کر جاتی ہے اور کہیں فرار ہو

جاتی ہے تو پولیس کو یقین ہو جائے گا کہ شنڈے کو پربھا نے ہی قتل کیا ہے یا کسی کی مدد سے قتل کروایا ہے ایسی صورت میں اس کا بچنا ناممکن تھا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں آخر میں نے پربھا سے کہا۔ "اس وقت تو سو جاؤ۔۔۔۔ صبح تازہ دم ہو کر سوچیں گے کہ ہمیں کیا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔"

پربھا نے کچھ ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "مجھے اپنی کوٹھری سے ڈر لگتا ہے وہاں خون ہوا ہے۔"

میں نے کہا۔ "ٹھیک ہے تم میری چارپائی پر سو جاؤ۔"

پربھا میری چارپائی پر چادر اوڑھ کر لیٹ گئی اور میں نیچے فرش پر دری بچھا کر لیٹ گیا۔ لالٹین میں نے بجھا دی تھی۔ کچھ اندھیرے اور خاموشی میں مجھے پربھا کے گہرے سانس لینے کی آواز آتی رہی پھر میں سو گیا۔

ابھی پچھلے پہر کا اندھیرا ہی تھا کہ میری آنکھ کھل گئی۔ فرش پر مجھے چیونٹیاں کاٹ رہی تھیں ان ہی کی وجہ سے میری آنکھ کھل گئی تھی میں نے اٹھ کر تپائی پر رکھی گھڑی کو غور سے دیکھا رات کے ساڑھے تین بج رہے تھے میں نے اندھیرے میں جھک کر پربھا کو دیکھا وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ میں نے چادر اٹھائی اور کمرے سے دبے پاؤں نکل کر ساتھ والی کوٹھری میں آ گیا۔ کوٹھری میں انسانی خون کی ناگوار سی بو ابھی تک پھیلی ہوئی تھی یا مجھے یہ بو محسوس ہوئی تھی میرے لئے یہ بو کوئی نئی شے نہیں تھی۔ میں چارپائی پر چادر اوڑھ کر لیٹ گیا اور پھر دنیا و مافیہا سے غافل ہو گیا۔

یہ میری بدقسمتی تھی کہ میں کافی دن چڑھے تک سویا رہا بعد میں معلوم ہوا کہ پربھا کو بھی کچھ ہوش نہ رہا تھا اور وہ بھی اس وقت بیدار ہوئی جب باہر پولیس نے کاٹیج کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا اور انسپکٹر پولیس پربھا کو بلند آواز سے باہر نکل آنے کا حکم دے رہا تھا۔ پہلے تو میں سمجھا کہ شاید میں خواب میں آوازیں سن رہا ہوں۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ پربھا کی کوٹھری میں چاروں طرف دن کا اجالا پھیلا ہوا تھا یہ دھوپ کی روشنی تھی میں ہمہ تن گوش ہو گیا باہر سے آواز آئی۔

"پربھا! باہر نکل کر اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دو۔۔۔۔ ہم نے تمہارے مکان کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔۔۔۔ تم بھاگ کر نہیں جا سکتیں۔"

ایک بار تو میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ پولیس انسپکٹر کی آواز دوبارہ بلند ہوئی۔ "ہم تمہیں شنڈے کے قتل کے الزام میں گرفتار کرنے آئے ہیں ہم نے نالے سے شنڈے کی لاش برآمد کرلی ہے لاش کو بوری میں ہمیں تیری خون آلود سفید ساڑھی بھی مل گئی ہے۔"

میں جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ یہ پربھا کی وہ ساڑھی تھی جس کی مدد سے ہم نے شنڈے کی لاش کا خون صاف کیا تھا اور پھر اسے بھی لاش کے ساتھ بوری میں بند کردیا تھا۔ مجھے پہلے ہی شک تھا کہ لاش نالے میں ضرور کسی پتھر کے ساتھ اٹک جائے گی ----- آخر وہی ہوا پولیس کو ابھی تک میرے بارے میں علم نہیں تھا کہ میں بھی ایک کوٹھری میں ہوں اور پولیس کو میں بھی مطلوب ہوں میں نے دروازے کو اندر سے کنڈی لگادی تھی اٹھ کر دروازے کی درز میں سے باہر دیکھا کہ پولیس کے دس بارہ کانسٹیبل رائفلیں لئے کاٹیج کے دائیں بائیں جیسے پوزیشنیں سنبھالے کھڑے تھے ان میں برمی بھی تھے اور سکھ کانسٹیبل بھی تھے۔ پولیس انسپکٹر برمی تھا جس نے ہاتھ میں پستول تھام رکھا تھا۔ کوٹھری میں کوئی عقبی کھڑکی بھی نہیں تھی کہ جس کے راستے، میں جنگل میں فرار ہوجاتا۔ یہ بات طے تھی کہ پولیس پربھا کو گرفتار کرنے کے بعد دونوں کوٹھریوں کی تلاشی لے گی اور آلہ قتل برآمد کرنے کی کوشش کرے گی۔

میں نے کونے میں دیوار کے ساتھ لگی لوہے کی اس موٹی سلاخ کو دیکھا جس کی مدد سے پربھا نے شنڈے کو ہلاک کیا تھا ایک لمحے کے لئے میرے ذہن میں ایک خیال بجلی کی طرح چمک گیا پربھا اب بچ نہیں سکتی تھی اگر پھانسی نہیں تو اسے عمر قید تو ضرور ہو جاتی اور یہ عذاب اسے محض میری جان بچانے کے عوض جھیلنا پڑتا اس نے میری خاطر بدمعاش شنڈے کو ہلاک کیا تھا میری جان بچانے کے لئے یہ قتل کیا تھا ----- سزا اسے نہیں ملنی چاہئے تھی میں تو پہلے ہی چار خون کرچکا تھا پولیس پربھا کو گرفتار کرنے کے بعد کوٹھری میں سے مجھے بھی برآمد کرلے گی اگر وہ مجھے نہیں بھی پہچانتی کہ برما پولیس کو میں مطلوب ہوں تب بھی شام تک اس پر یہ بھید کھل جائے گا اور مجھے چار آدمیوں کے قتل کے جرم میں گرفتار کرکے کلکتہ روانہ کردیا جائے گا۔ میں تو پھنس گیا تھا اب میں پربھا کو بچالینا چاہتا تھا میں نے چار خون کئے تھے میں اگر پانچواں خون بھی کردیتا ہوں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

اس خیال کے ساتھ ہی میں نے پہلا کام یہ کیا کہ کونے میں رکھی ہوئی لوہے کی سلاخ یعنی آلہ قتل پر سے پربھا کی انگلیوں کے نشان کپڑے سے رگڑ کر مٹادیئے اور پھر سلاخ کو اوپر سے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر دبایا تاکہ اس پر میری انگلیوں کے نشان پڑ جائیں۔ سلاخ کو واپس کونے میں رکھا اور دروازے کی درز سے جھانک کر باہر دیکھا پربھا اپنے کمرے سے باہر نکل آئی تھی اور پولیس نے اسے ہتھکڑی لگادی تھی۔ دو کانسٹیبل پربھا کو درختوں کے نیچے کھڑی جیپ کی طرف لے گئے۔ برمی انسپکٹر نے باقی سپاہیوں سے کہا۔ "دونوں کمروں کی تلاشی لو ----- آلہ قتل یہیں ہوگا۔"

اس سے پہلے کہ سپاہی میری کوٹھری کی طرف بڑھتے میں دروازہ کھول کر باہر آگیا برمی انسپکٹر اور سپاہیوں نے میری طرف چونک کر دیکھا میں نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "میں نہتا ہوں ----- قتل میں نے کیا ہے پربھا نے نہیں کیا ----- وہ بے قصور ہے اسے چھوڑ دو مجھے گرفتار کرلو ----- شنڈے کا قاتل میں ہوں۔"

برمی انسپکٹر نے پستول مجھ پر تان لیا اور چلا کر سپاہیوں سے کہا۔ "اسے گرفتار کرلو۔"

سپاہیوں نے مجھے اپنے گھیرے میں لے کر ہتھکڑی لگادی۔ انسپکٹر نے مجھے گھور کر دیکھا اور بولا۔ "تم کون ہو؟" اس نے مجھے نہیں پہچانا تھا کہ میں وہی قاتل ہوں جو کلکتے میں چار آدمیوں کا خون کرکے بھاگا تھا اور پولیس کو مطلوب ہے میں نے کہا۔ "یہ تمہیں بعد میں پتہ چل جائے گا ----- میں شنڈے کا قاتل ہوں ----- میری کوٹھری میں وہ سلاخ کونے میں پڑی ہے جس سے میں نے شنڈے کی کھوپڑی کو پاش پاش کیا تھا۔"

کوٹھری میں سے آلہ قتل نکال کر پولیس نے اپنے قبضے میں لے لیا۔ پربھا کے کاٹیج پر پہرہ بٹھادیا گیا اور پولیس مجھے لے کر جیپ کی طرف بڑھی۔ پربھا نے میرا اعتراف جرم کا اعلان سن لیا تھا۔ میں جیپ میں بیٹھا تو وہ عجیب نظروں سے مجھے تک رہی تھی۔ جیپ ہمیں لے کر رنگون شہر کے پولیس ہیڈ کوارٹر کی طرف روانہ ہوگئی۔ اسی وقت میرا بیان قلمبند کیا گیا۔ پربھا نے اپنا بیان دیتے وقت کہا کہ شنڈے کو میں نے قتل کیا۔

میں نے انسپکٹر سے کہا۔ "یہ صرف میری جان بچانے کے لئے ایسا کہہ رہی ہے انسپکٹر شنڈے کو اس نہیں میں نے قتل کیا ہے ----- آلہ قتل پر میری انگلیوں کے نشان دیکھے جاسکتے ہیں۔"

آلہ قتل کی جانچ کی گئی تو اس پر میری انگلیوں کے نشان موجود تھے۔ اب شبے کی کو
گنجائش باقی نہیں رہی تھی ہم دونوں کو الگ الگ حوالاتوں میں بند کر دیا گیا۔ ایک گھنٹے
میری شناخت ہو گئی کہ میں ہی وہی شخص ہوں جو کلکتے میں چار آدمیوں کا خون کر کے بھاگا
اور جس کی پولیس کو تلاش تھی۔ پولیس کے لئے یہ بہت بڑی کامیابی تھی۔ اسی وقت میرے
پاؤں میں بیڑی ڈال دی گئی۔ مجھے ایک کانسٹیبل کی زبانی جب یہ معلوم ہوا کہ پربھا کی ضمانت
ہو گئی ہے مگر پولیس نے اسے علاقہ پابند کر دیا ہے تو میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

دوسرے ہی دن میرا سرسری چالان بھرا گیا میرا ایک بار پھر بیان لیا گیا جس میں' میں
نے کلکتے والے چار آدمیوں کے قتل کا بالکل اعتراف نہ کیا اور کہا کہ میرے خلاف سازش
ہوئی ہے اور میرے دشمنوں نے میرے خلاف مقدمہ درج کرایا ہے بہرحال برما پولیس کا
اس قتل سے کوئی سروکار نہیں تھا مجھ پر شنڈے کے قتل کا مقدمہ رنگون میں ہی چلنے والا
اب پولیس اس مخمصے میں پڑ گئی کہ مجھے کلکتے بھیجا جائے یا رنگون میں رکھا جائے۔ انگر
پولیس کمشنر نے ایک روز حوالات میں آکر مجھ سے کچھ سوال بھی کئے میں نے شنڈے کے
قتل کے اعتراف پر قائم لیکن کلکتے والے چار غنڈوں کے قتل سے منکر ہی رہا۔ پولیس نے
آخر یہی فیصلہ کیا کہ شنڈے کے قتل کے ضمن میں جب تک میرا چالان عدالت میں پیش نہیں
کیا جاتا مجھے رنگون کی حوالات میں ہی رکھا جائے گا۔ مجھے اب اس سے کوئی سروکار نہیں تھا
کہ مجھے رنگون میں رکھا جاتا ہے یا کلکتے بھیج دیا جاتا ہے۔۔۔۔۔ مجھے تو ایک نہ ایک دن گرفتار
ہونا ہی تھا قاتل ایک نہ ایک دن قانون کے پنجے میں ضرور جکڑ لیا جاتا ہے مجھے صرف ایک
خوشی تھی کہ میں نے اپنی محسن اور دوست پربھا کو پھانسی کے تختے یا عمر قید سے بچا لیا تھا۔

میرا وہاں کون تھا جو میرے لئے وکیل کرتا پولیس نے میری طرف سے ایک سرکاری
وکیل مقرر کیا۔ میرا چالان رنگون کی عدالت میں پیش کر کے پولیس نے میرا پانچ روز کا ریمانڈ
لے لیا اب مجھ پر تشدد کا سلسلہ شروع ہو گیا پولیس میرے کھاتے میں دو ایک اور قتل بھی
ڈالنا چاہتی تھی میں انکار کرتا رہا مجھ سے پوچھا گیا کہ جس سردار جی کے پاس میں ملازم تھا
اس کا قتل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پربھا کے بارے میں' میں نے یہی بتایا کہ میں اس کا
دوست تھا اس رات اس کے پاس ہی ٹھہرا ہوا تھا کہ شنڈے آ گیا اس نے پربھا کو قتل کرنے
کی کوشش کی میں نے طیش میں آکر سلاخ سے اسے ہلاک کر ڈالا۔ پولیس نے مجھ پر کافی

تشدد کیا لیکن اسے مجھ سے مزید کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ ریمانڈ کی مدت ختم ہونے کے بعد
رنگون کے ایک سیشن کورٹ میں میرا مقدمہ شروع ہو گیا۔ مجھے جیل کی ایک کال کوٹھری
میں منتقل کر دیا گیا جس روز عدالت میں میری پیشی ہوئی مجھے ہتھکڑی لگا کر جیل کے سلاخوں
والے ٹرک میں بٹھا کر عدالت تک لے جایا اور لایا جاتا۔ میں عدالت میں بھی شنڈے کے
قتل کے بارے میں اپنے بیان پر قائم رہا۔

اسی طرح ایک مہینہ گزر گیا۔ اس دوران مجھ سے نہ تو میرا دوست یو وانگ ملنے آیا
اور نہ پربھا ہی آئی۔ شاید یہ دونوں اپنی اپنی جگہ مجبور تھے۔ میں نے بھی اپنے کسی بیان میں
اپنے پیارے برمی دوست یو وانگ کا نام نہیں لیا تھا۔ مجھے جیل میں ہی معلوم ہوا کہ عدالت
میں پربھا کا بھی بیان لیا گیا ہے لیکن اس کا اور میرا آمنا سامنا نہ ہو سکا۔ مزید ایک مہینہ گزر گیا
برسات کا موسم گزر گیا تھا میں نے جیل کے جمعداروں پر اپنا اعتبار بٹھا دیا تھا۔ میں کسی سے
زیادہ بات نہیں کرتا تھا۔ صبح شام مجھے چہل قدمی کے لئے کوٹھری کے آگے لے جایا جاتا تب
بھی میں خاموش ہی رہتا ایک مدراسی فرنگی شام کو میری کوٹھری کی صفائی کے لئے آتا تھا اس
سے ٹوٹی پھوٹی ہندوستانی میں کسی وقت کوئی بات کر لیتا تھا۔ میں نے اپنے دل میں وہاں سے
فرار ہونے کے منصوبے پر غور و فکر کرنا شروع کر دیا تھا ظاہر ہے مجھے عمر قید یا پھانسی کے تختے
پر چڑھنا کسی صورت گوارا نہیں تھا میں نوجوان تھا میری رگوں میں جوانی کا خون دوڑ رہا تھا
مجھے ابھی بڑے عیش کرنے تھے ساری زندگی میرے سامنے تھی۔ پربھا کو پھانسی کے پھندے سے
بچانا تھا سو میں نے بچا لیا تھا اب مجھے جیل توڑ کر بھاگنا تھا۔ میں صبح و شام پہرے داروں اور
جیل کے جمعداروں کی نقل و حرکت کا جائزہ لیتا رہتا۔ مجھے یہ بھی علم تھا کہ جیل کی عقبی دیوار
کے پیچھے ریل کی پٹڑی ہے جہاں سے دن اور رات میں کئی بار گاڑیاں گزرتی رہتی تھیں۔
ان ریل گاڑیوں کی رفتار ہلکی ہوتی تھی شاید کوئی لوکل اسٹیشن قریب تھا۔ یہ جیل رنگون کے
شہر سے تھوڑی باہر تھی وہاں سے بندرگاہ قریب تھی کیونکہ ادھر سے جہازوں کے ہارن
دینے کی آوازیں آتی رہتی تھیں۔ مجھے جیل کی عقبی دیوار تک جانے کی اجازت نہیں تھی
جب مجھے چہل قدمی کے لئے کال کوٹھری سے باہر نکالا جاتا تو مجھے الٹی ہتھکڑی لگا دی جاتی تھی
کوٹھری میں البتہ ہتھکڑی کھول دی جاتی ایک یہ بھی خدا کا بڑا شکر تھا کہ کال کوٹھری میں
میرے پاؤں میں بیڑی نہیں پڑی تھی لیکن وہاں سے باہر نکلنا تقریباً ناممکن تھا۔ کال کوٹھری کا

دروازہ فولادی سلاخوں والا تھا باہر ہر وقت موٹا تالا لگا رہتا سامنے دیوار تھی جہاں مسلح جمعدار باری باری چل پھر کر پہرہ دیتے تھے- میری کوٹھری میں ہر وقت بجلی کا بلب جلتا رہتا اور میری نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھی جاتی تھی- میری داڑھی اور سر کے بال بڑھ آئے تھے کیونکہ مجھے شیو کرنے یا بال کٹوانے کی اجازت نہیں تھی- میرے کپڑے بھی قیدیوں والے تھے جن میں ازار بند وغیرہ بالکل نہیں تھا میں وہاں سے فرار کے بارے میں جتنا سوچتا مجھے ہر بار مایوسی ہوتی اور کوئی راستہ نظر نہ آتا تھا-

میں تقریباً ناامید ہو چکا تھا کہ ایک روز شام کے وقت مدراسی فرنگی کوٹھری کی صفائی کرنے آیا حسب معمول مسلح سپاہی کوٹھری کے باہر کھڑا اسے صفائی کرتے دیکھ رہا تھا میں ناریل کی پھٹی ہوئی چٹائی پر دیوار سے ٹیک لگائے خاموش بیٹھا مدراسی کو یونہی بے معنی نظروں سے تک رہا تھا- مدراسی فرنگی کوٹھری کے اندر جو چھوٹی سی دیوار کی اوٹ بنی ہوئی تھی اس کے پیچھے چلا گیا اس نے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا میں نے کوئی خیال نہ کیا- اچانک مجھے احساس ہوا کہ فرنگی نے دیوار کی اوٹ میں دھوتی کے اندر سے کوئی شے نکال کر رکھ دی ہے میں بیٹھے بیٹھے چوکنا سا ہو گیا---- مگر اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلا- فرنگی صفائی وغیرہ کر کے بالٹی اٹھا کر باہر لے گیا- سلاخوں والا دروازہ مقفل کر دیا گیا مسلح جمعدار نے روز کی گشت شروع کر دی- ہوتا یہ تھا کہ یہ جمعدار ٹہلتے ٹہلتے دس قدم آگے جاتا اور پھر واپس آ جاتا تھا- دن اور رات میں تین جمعدار بدلتے تھے- یہ تینوں برمی تھے- مجھے شبہ ہوا کہ فرنگی نے دیوار کی اوٹ میں کوئی چیز رکھ دی ہے اب میں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ چیز کیا ہے؟ میرا خیال یو وانگ کی طرف چلا گیا چونکہ اس کا رابطہ کسی حد تک اسمگلروں اور جرائم پیشہ لوگوں کے ساتھ تھا اس لئے میں نے سوچا کہ ہو سکتا ہے کہ اس نے مدراسی فرنگی کو رشوت دے کر میرے لئے خشک مچھلی یا خشک فروٹ کی پوٹلی بھجوائی ہو- لیکن یہ چیزیں تو وہ کسی ملاقاتی کے ہاتھ بھی بھجوا سکتا تھا-

جمعدار ٹہلتا ٹہلتا سلاخوں والے دروازے کے آگے سے گزر گیا جب اس کے قدموں کی آواز ذرا دور ہوئی تو لپک کر دیوار والی اوٹ کے پیچھے گیا وہاں نیلے رومال میں لپٹی کوئی شے پڑی تھی میں نے اسے اٹھایا اور دھوتی میں اڑس لیا اسے اٹھاتے اٹھاتے میں نے محسوس کر لیا کہ اس کے اندر پستول ہے- ایک لمحے کے لئے میرے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے سے

ہو گئے میں تیزی سے واپس اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گیا- جمعدار گشت کرنے واپس آیا سلاخوں کے آگے سے گزرا ایک سرسری سی نظر مجھ پر ڈالی اور آگے نکل گیا- میں نے جلدی سے رومال میں لپٹا ہوا پستول چٹائی کے نیچے چھپا دیا- آٹھ بجے مجھے معمول کے مطابق چاول اور دال کھانے کو دی گئی جو میں نے جلدی جلدی کھائی اور پھٹی ہوئی میلی چادر اوپر اوڑھ کر یوں لیٹ گیا جیسے سونا چاہتا ہوں میرے نیچے بچھی ہوئی ناریل کی پرانی چٹائی کا کونا میری ٹھوڑی کے بالکل قریب تھا جو ابھرا ہوا تھا اس کے نیچے رومال میں لپٹا ہوا پستول یا ریوالور تھا مگر اسے چٹائی کے نیچے سے نکالنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی-

آخر میں نے یونہی پہلو بدلنے کے بہانے چادر کو اپنے گھٹنوں کے اوپر کر لیا اور جلدی سے رومال چٹائی کے نیچے سے نکال لیا- میرے اوپر چادر کا تمبو پھیلا ہوا تھا میں نے کانپتے ہاتھوں سے رومال کو کھولا اس کے اندر واقعی ایک ریوالور تھا اس کے ساتھ ایک چھوٹی سی پرچی تھی جس پر انگریزی کا حرف "پی" لکھا تھا میں سمجھ گیا یہ ریوالور مجھے پربھا ہی بھیج سکتی تھی اس کے لئے مدراسی فرنگی کو روپے کا لالچ دے کر اس کام پر آمادہ کر لینا کوئی مشکل بات نہیں تھی- میں نے پہلا کام یہ کیا کہ کاغذ کی پرچی اپنے منہ میں ڈالی اور چبا کر کھا گیا- میں ریوالور کو کھول کر دیکھنا چاہتا تھا کہ بھرا ہوا ہے---- مگر اس سے آواز پیدا ہونے کا خدشہ تھا ظاہر ہے پربھا نے ریوالور بھیجا ہے تو بھرا ہوا ہی ہو گا- ریوالور کو وہیں چٹائی کے نیچے چھپا دیا- اب میری نیند اڑ چکی تھی ---- ہاتھ پاؤں گرم ہو گئے تھے میرا ذہن تیزی سے ایک منصوبے پر سوچنے لگا تھا---- مجھے اسی رات اپنے منصوبے پر عمل کرنا تھا ورنہ دوسری صبح میرا ریوالور برآمد ہو سکتا تھا اس کے بعد میرے لئے پھانسی کا پھندا ہی باقی رہ جاتا تھا-

میں نے اسی وقت اپنے خطرناک منصوبے پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا میں نے چادر میں سے منہ باہر نکال کر دیکھا جمعدار رائفل کاندھے پر رکھے دروازے کی سلاخوں کے آگے سے ٹہلتا ہوا گزر گیا- میں جانتا تھا کہ رات بارہ بجے اس کی جگہ دوسرا جمعدار آئے گا میرے پاس وقت بہت کم تھا میں نے ریوالور چٹائی کے نیچے سے نکال کر اپنی قمیض کے نیچے دھوتی میں اڑس لیا اور جمعدار کے قدموں پر کان لگا دیئے وہ آہستہ آہستہ چلتا واپس آ رہا تھا-



میں کال کوٹھری میں سانس روکے پڑا تھا۔

جونہی جمعدار سلاخوں کے آگے سے گزرنے لگا میں نے قمیض کے اندر ریوالور پر ہاتھ رکھ کر تڑپنا شروع کر دیا میں آواز نکالے بغیر مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہا تھا۔ آج اس وقت کا تصور سامنے لاتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ یہ احمقانہ قدم میں نے کیسے اٹھالیا؟ لیکن وہ میری جوانی کا زمانہ تھا اور یہ وہ زمانہ ہوتا ہے جب آدمی کے ایسے ہی احمقانہ اقدام اور جرات رندانہ سے بڑے بڑے معرکے سرانجام ہو جاتے ہیں جوں جوں عمر بڑھتی جاتی ہے اس کی جرات رندانہ پر اس کی عقل غالب آنے لگتی ہے پھر وہ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے ہزار بار سوچتا ہے عقل سے بار بار مشورہ کرتا ہے اور بہت کم کامیابی اس کے قدم چومتی ہے اس کے بعد وہ زمانہ آجاتا ہے جب وہ صرف سوچتا ہی رہ جاتا ہے اگر فرض کریں کہ جمعدار دروازہ کھول کر اندر نہ آتا یا وہ گھبرا کر دوسرے سپاہیوں کو بلا لیتا تو میری قمیض کے نیچے سے ریوالور برآمد ہو سکتا تھا لیکن میں نے کہا نا کہ یہ میں نے سوچا ہی نہیں تھا میری جوانی کے خون نے مجھے ایسا سوچنے ہی نہیں دیا تھا میں اچھل اچھل کر تڑپ رہا تھا جیسے میرے پیٹ میں اچانک جوالا مکھی بھڑک اٹھی ہو میں گوشہ چشم سے برمی جمعدار کو بھی دیکھے جا رہا تھا وہ پہلے تو لپک کر سلاخوں کے پاس آیا پھر بولا۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں؟"

میں نے اپنی آواز میں انتہائی درد و کرب پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "پانی! پانی! مجھے پانی دو۔ پانی۔"

پھانسی کے تختے کی رات سفر کرنے والے مجرم کی زندگی جیل کے حکام کے نزدیک بہت اہم ہوتی ہے اگر وہ اپنی کوٹھری میں پھانسی کے تختے پر چڑھنے سے پہلے مرجائے تو جیل کے

حکام پر بہت بڑی مصیبت نازل ہو جاتی ہے اس وقت میری زندگی کی ذمہ داری اس برمی جمعدار پر تھی شاید اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ گھبرا گیا پانی کی چھوٹی بالٹی میری کوٹھری میں ہی کونے میں پڑی تھی۔ اس نے تالا کھول دیا رائفل کاندھے پر ڈالے اندر آیا اور جلدی سے بالٹی میں ڈونگا ڈال کر پانی نکالنے لگا میں اسی لمحے کا انتظار کر رہا تھا۔

میرے جسم کی ساری طاقت میرے بازوؤں کے پٹھوں میں سمٹ آئی میں چیتے کی طرح خاموش بجلی کی مانند اچھل کر اس پر گرا اور گرتے ہی میرے بازوؤں نے برمی جمعدار کی گردن کو دبوچ لیا۔ میں نے پیچھے کی طرف اسے اتنی زور سے جھٹکا دیا کہ اس کی گردن کا منکا ٹوٹ گیا اور گردن ٹیڑھی ہو گئی مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ پلک جھپکنے میں مجھے اتنی زبردست کامیابی نصیب ہو جائے گی۔ لیکن اصل مصیبت آگے شروع ہونے والی تھی اس سے پہلے کہ وہاں کوئی آجائے مجھے وہاں سے نکل جانا چاہئے تھا میں نے جمعدار کی لاش کو چٹائی پر ڈال کر اوپر سے چادر پھیلا دی اور ریوالور نکال کر کال کوٹھری سے باہر آگیا میں دیوار کے ساتھ لگا کوٹھریوں کے احاطے سے نکل گیا میرے سامنے کوٹھریوں کے عقب کی جانب چھوٹا سا میدان تھا جس کے پیچھے جیل کی بلند و بالا دیوار چلی گئی تھی اس دیوار کو پھاندنا میرے بس کی بات نہیں تھی لیکن یہ میری زندگی اور موت کا سوال تھا مجھ سے ایک اور قتل ہو گیا تھا اور اب میرے سامنے ایک ہی راستہ تھا کہ چاہے مجھے مزید آدمیوں کو ٹھنڈا کرنا پڑے مگر وہاں سے کسی طرح فرار ہو جاؤں۔

میدان میں اندھیرا تھا میں کچن کی دیوار کے پیچھے سے ہو کر اندھیرے میں دوڑ کر جیل کی دیوار کے پاس چلا گیا اس وقت ایک ریل گاڑی دوسری طرف سے شور مچاتی گزر گئی میرے پاس زیادہ وقت نہیں تھا جمعدار کی موت کا راز کسی وقت بھی کھل سکتا تھا میں نے دیوار کا جائزہ لیا یہ پکی دیوار تھی اور پچیس تیس فٹ اونچی تھی میں اس پر نہیں چڑھ سکتا تھا وہاں کوئی درخت بھی نہیں تھا میں گھبرا گیا کیا کروں؟ میں نے جنوب کی طرف دیوار کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کر دیا اچانک مجھے ایک جگہ نشیب میں ایک نالہ نظر آیا جہاں سے جیل کا پانی دیوار کے نیچے سے ہو کر باہر جا رہا تھا میرے لئے یہی ایک نجات کا راستہ تھا میں جلدی سے نالے میں اتر گیا دیوار میں جہاں سے پانی باہر جاتا لوہے کا جنگلا چڑھا ہوا تھا میں نے دونوں ہاتھوں سے اسے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا حیرانی اور خوشی کی ایک لہر میرے جسم میں دوڑ گئی

کیونکہ جنگلا ایک طرف سے اکھڑ گیا زنگ لگنے کی وجہ سے جنگلے کے قبضے اور سلاخیں کمزور ہو گئی تھیں تھوڑی سی کوشش کے بعد جنگلا اکھڑ گیا میں نالے میں اترا اور پانی میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا جیل کی دیوار کے نیچے سے ہوتا ہوا دوسری طرف کھائی میں آگیا یہاں سے کھائی کی ڈھلان پر اگی جھاڑیوں کا سہارا لیتا کنارے پر آتے ہی دوڑ پڑا۔

سامنے ریلوے لائن تھی میں ریلوے لائن پار کر گیا اس کے آگے ایک جگہ کچرے کے ڈھیر پڑے تھے دور اندھیرے میں کوٹھیوں کی روشنیاں جھلملا رہی تھیں میں نے دوڑتے ہوئے میدان پار کیا اور کوٹھیوں کی طرف جانے کی بجائے سیلز بیرکیس کی طرف رخ کر لیا مجھے معلوم تھا کہ سیلز بیرکیس سے پہلے ناریل کے درختوں کا بہت بڑا ذخیرہ آتا ہے میں اس ذخیرے میں کسی کھوہ یا کسی گھنے درخت کے اوپر چڑھ کر رات گزارنا چاہتا تھا میں اس کے سوا کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا پربھا کے کاٹج اور یووانگ کے مکان کی طرف میں نہیں جا سکتا تھا رنگون میں دوسرا میرا کوئی ایسا رازدار دوست نہیں تھا جو ایک مفرور قاتل کو اپنے ہاں پناہ دیتا دل میں طے کیا کہ کسی طرح اس خطرناک علاقے سے نکل کر انسانوں کی بستی کی بجائے درختوں میں کہیں پناہ لے لوں۔ اس کے بعد کسی طرح مانڈے کی طرف سے تھائی لینڈ کا بارڈر کراس کرنے کی کوشش کروں گا میں دوڑتے دوڑتے تھک گیا تھا سانس پھول گیا تھا میں چلنے لگا جونہی میں کوٹھیوں کے پیچھے سے نکل کر چھوٹی سی سڑک پر آیا تو مجھے اپنے پیچھے جیل کا سائرن بجنے کی آواز سنائی دی۔

میرے فرار کا علم ہو گیا تھا میں نے دوبارہ بھاگنا شروع کر دیا تھوڑی دیر میں پولیس اس سارے علاقے کو گھیرے میں لینے والی تھی میرے پکڑے جانے کا خطرہ بڑھ رہا تھا مجھے پولیس کی جیپوں کے ہارن بجنے کی آوازیں سنائی دیں میں ابھی اس سڑک پر بھی نہیں پہنچ سکا تھا جو سیلز بیرکیس کی طرف جاتی تھی بھاگتے بھاگتے میرا سانس پھول گیا تھا میں چلنے لگا میں ایک باغ سے گزر رہا تھا جہاں میرے چاروں طرف کیلے کے درختوں کے جھنڈ تھے جیل کا سائرن خاموش ہو گیا تھا مگر پولیس کی گاڑیاں یقیناً میری تلاش میں نکل گئی ہوں گی اور سارے علاقے کو گھیرے میں لے لیا ہوگا میں آگے بڑھتا چلا گیا کیلے کا باغ ختم ہوا تو میرے سامنے ایک کشادہ سڑک تھی یہی سڑک سیلز بیرکیس کو جاتی تھی میں سڑک کے کنارے ذرا نیچے اتر کر تیز تیز قدموں سے جا رہا تھا کہ مجھے گاڑی کی آواز آئی میں بھاگ کر جھاڑیوں میں لیٹ گیا

بڑی تیزی سے ایک جیپ گزر گئی یہ پولیس کی جیپ ہی ہو سکتی تھی اندھیرے میں جیپ کو پہچان نہ سکا تھا اب سیلز بیرکیس کی طرف جانا خطرے سے خالی نہیں تھا میں سوچنے لگا کہ مر جاؤں؟ اتنے میں پیچھے سڑک پر ایک بار پھر روشنی ہوئی اور ایک ٹرک کی آواز آئی آواز سے لگتا تھا کہ ٹرک آہستہ آہستہ چل رہا ہے میں جھاڑیوں کے پیچھے چھپا رہا میری آنکھیں سڑک پر لگی تھیں پھر ایک ٹرک نمودار ہوا ٹرک پر لوڈ زیادہ تھا جس کی وجہ سے وہ دھیمی رفتار سے چل رہا تھا۔

جب ٹرک میرے سامنے سے گزرا تو میں تیزی سے سڑک پر آیا اور ٹرک کے پیچھے دوڑنے لگا ٹرک کے اوپر ترپالیں پڑی تھیں اندھیرے میں بھاگتے ہوئے میں نے ٹرک کے باہر لٹکتی ہوئی رسی کو پکڑ لیا ٹرک کے عقب میں کافی جگہ خالی تھی میں رسی کو پکڑ کر لٹک گیا اور پھر اچھل کر اپنے آپ کو ٹرک کے اندر گرا دیا ٹرک میں سامان لدا ہوا تھا یہ گھر کا سامان لگتا تھا میں ٹرک کے کونے میں ترپال کے نیچے بیٹھ گیا میں نے ٹرک میں چڑھنے کا فیصلہ اس خیال سے کیا تھا کہ اس علاقے سے حفاظت کے ساتھ نکل جاؤں گا ٹرک سڑک پر اپنی مخصوص رفتار کے ساتھ چلا جا رہا تھا یہ خدشہ موجود تھا کہ راستے میں اس ٹرک کی چیکنگ ہو سکتی ہے اس خدشے کے پیش نظر میں نے ٹرک میں لدی ہوئی ایک بڑی الماری کے پیچھے چھپنے کے لئے جگہ بنالی میں اگر ٹرک سے نکلتا تب بھی میرا پکڑا جانا یقینی تھا کیونکہ اب پو پھٹنے لگی تھی میں بھاگ کر کسی جگہ چھپ بھی نہیں سکتا تھا بہتر یہی تھا کہ ٹرک کے اندر ہی چھپنے کا خطرہ مول لے لیا جائے میں نے اپنے آپ کو قسمت کے حوالے کر دیا تھا ٹرک شہر کی بڑی سڑک پر سے گزرنے لگا یہ سڑک سولی پیگوڈا والی سڑک کے پہلو سے ہو کر گزرتی تھی میں نے ترپال کے نیچے سے سر نکال کر دیکھا سڑک سنسان تھی آمنے سامنے عمارتوں میں کہیں کہیں روشنی ہو رہی تھی ٹرک ابھی تک خطرناک علاقے میں تھا اچانک ٹرک کو بریک لگا میں جلدی سے ٹرک کے اندر ہی اندر سامان کے درمیان رینگتا ہوا لکڑی کی بڑی الماری کے پیچھے سکڑ کر بیٹھ گیا برمی زبان میں سمجھتا تھا یہ پولیس پارٹی تھی اونچی اونچی آوازیں آنے لگیں چند سپاہی بھاگ کر ٹرک کے پیچھے آگئے میں الماری کے پاس اور زیادہ سمٹ گیا اس وقت یہی جی چاہتا تھا کہ الماری کے اندر بند ہو جاؤں کوئی باہر سے تالا لگا دے اور چابی سمندر میں پھینک دے۔ ایک سپاہی ٹرک میں آگیا اس نے سامان پر دو چار ڈنڈے مارے پھر برمی زبان میں

کہا۔"سر! یہاں کوئی نہیں ہے"۔

مجھے سپاہی کے ٹرک میں سے سڑک پر کودنے کی آواز آئی۔ میں سانس روکے الماری کے پیچھے چھپا بیٹھا تھا اور دل میں خدا سے دعائیں مانگ رہا تھا ٹرک کا انجن چل رہا تھا پھر وہ آگے رینگنے لگا میں نے خدا کا شکر ادا کیا تھوڑی دیر بعد ٹرک شہر سے باہر والی مضافاتی بستیوں کے درمیان سے گزر رہا تھا میں نے خطرے کی سب سے حساس حد عبور کر لی تھی اب کیا کروں؟ خدا جانے یہ ٹرک کہاں جا رہا ہے صبح بھی ہونے والی ہے کیا اسی ٹرک میں بیٹھا رہوں؟ میرے کپڑے بھی قیدیوں والے تھے کوئی بھی مجھے دیکھ کر کہہ سکتا تھا کہ یہ جیل سے بھاگا ہوا قیدی ہے جب سے یہ افواہیں اڑنے لگی تھیں کہ جاپان بہت جلد جنگ کا اعلان کرنے والا ہے تب سے شہر میں برمی اور ہندوستانی باشندوں کے درمیان سخت کشیدگی پھیلنے لگی تھی۔ مجھے بار بار یہ خیال پریشان کر رہا تھا کہ اگر یہ ٹرک کسی برمی کا ہے تو منزل پر پہنچنے کے بعد اگر اسے پتہ چل گیا تو وہ مجھے ضرور پولیس کے حوالے کر دے گا یا پھر شور مچا کر لوگوں کو جمع کر لے گا اور میرا نکلنا دشوار ہو جائے گا ٹرک رنگون شہر سے باہر نکل آیا تھا اب آسمان پر صبح کاذب کی نیلی جھلکیاں نمودار ہونے لگی تھیں۔

میں اب الماری کے پیچھے سے نکل کر ٹرک کے کنارے ترپال کی اوٹ میں اس طرح بیٹھا تھا کہ مجھے پیچھے بھاگتی سڑک پہلے پہر کے سرمئی اندھیرے میں دھندلی دھندلی نظر آ رہی تھی ٹرک کی رفتار ویسے ہی دھیمی تھی اچانک سائرن کی آوازیں بلند ہوئیں اور میرے دیکھتے دیکھتے پیچھے سے تین جیپیں سڑک پر نمودار ہوئیں اور انہوں نے ٹرک کو اپنے گھیرے میں لے لیا دو جیپیں ٹرک کے پیچھے آ گئیں اور ایک جیپ تیزی سے آگے نکل گئی ٹرک کو ایک دم سے بریک لگا اور وہ رک گیا میرا اوپر کا سانس اوپر رہ گیا میں نے صبح کاذب کی دھندلی روشنی میں جیپوں میں بیٹھی ہوئی برمی پولیس کو دیکھ لیا تھا بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں تھا اگر ٹرک سے چھلانگ لگاتا ہوں تو پولیس مجھے دبوچ لیتی ہے ٹرک کے رکتے ہی جیپیں بھی رک گئیں اور برمی سپاہی رائفلیں تان کر کھڑے ہو گئے میں الماری کے پیچھے چھپ گیا اب میں تقدیر کے رحم وکرم پر تھا دعائیں مانگنے لگا کہ پولیس ترپال اتار کر چیکنگ نہ کرے لیکن یہ میرا خیال خام تھا میری ایک بھی دعا قبول نہ ہوئی اور پولیس ترپال اتروا کر ٹرک پر چڑھ آئی دوسرے ہی لمحے میں پولیس کی حراست میں تھا اسی وقت مجھے ہتھکڑی لگا دی گئی میں نے

ہتھیار پھینک دیئے اور اپنی شکست قبول کر لی مجھے پولیس جیپ میں بٹھا کر واپس اسی جیل خانے میں لے آئی جہاں سے میں برمی جمعدار کو قتل کرنے کے بعد فرار ہوا تھا جیل کا سپرنٹنڈنٹ وارڈن اور دوسرے سپاہی وہاں موجود تھے مجھے کوٹھڑی میں ڈال کر بری طرح زدوکوب کیا گیا میرا ہونٹ پھٹ گیا اور خون بہنے لگا۔

صبح ہونے سے پہلے پہلے مجھے جیل کی دوسری منزل کی کونے والی کوٹھڑی میں پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر بند کر دیا گیا میں اپنی ناکامی پر سخت دل برداشتہ تھا میرے خلاف ایک اور قتل کا مقدمہ درج کر لیا گیا کوٹھڑی بالکل قبر کی طرح تھی اس میں کوئی روشندان نہیں تھا دروازہ لوہے کا تھا جس کے اوپر چھوٹا سا چوکھٹا بنا ہوا تھا اس چوکھٹے کی سلاخوں سے مجھے ڈبہ اندر ڈال کر تھوڑے سے چاول اور پانی دے دیا جاتا تھا اب اس نئے قتل کے مقدمے کی پیشیاں بھی شروع ہو گئیں مجھے پیشی کے دن بیڑیاں ڈال کر سیشن کورٹ لے جایا جاتا کوٹھڑی میں بھی میرے پاؤں میں بیڑیاں پڑی رہتیں میرے ٹخنے ان کی وجہ سے زخمی ہو رہے تھے میری تاریخیں جلدی جلدی پڑنے لگیں پہلے تو مجھے اس کی وجہ معلوم نہ ہو سکی لیکن ایک روز میں نے عدالت کے باہر ایسی افواہیں سنیں کہ جاپان نے اعلان جنگ کر دیا ہے اس اعلان جنگ کے مضمرات سے میں ابھی تک واقف نہیں تھا میں یہی سمجھے ہوئے تھا کہ جس طرح جرمن اور انگریز یہاں سے دور کہیں لڑ رہے ہیں اسی طرح جاپان بھی برما سے دور انگریز فوج سے جنگ کرتا رہے گا۔

کچھ دنوں کے بعد مجھے عدالت لے جایا گیا تو مجھے لوگوں کے چہروں پر کچھ اضطراب اور بے چینی سی نظر آئی عدالت کے احاطے میں خاردار تار لگے ہوئے تھے اور جگہ جگہ ہوائی حملے سے بچنے کے لئے خندقیں کھدی ہوئی تھیں میری سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ جنگ تو وہاں سے بہت دور جاپان میں ہو رہی تھی پھر رنگون میں یہ سارے انتظامات کس لئے کئے جا رہے ہیں اگلی پیشی پر عدالت آیا تو پتہ چلا کہ جاپانی فوجوں نے سنگاپور اور ملایا پر قبضہ کر لیا ہے اور وہاں کی انگریزی فوج نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں اس روز عدالت میری پیشی سے پہلے ہی بند ہو گئی اور مجھے جیل کی لاری میں ڈال کر جیل پہنچا دیا گیا راستے میں میں نے سلاخوں والی کھڑکی میں سے دیکھا کہ بازاروں کی اکثر دکانیں بند تھیں کچھ خوف سا ہر طرف پھیلا ہوا تھا میں سر اونچا کئے کھڑکی کی سلاخوں میں سے باہر دیکھ رہا تھا برمی کانسٹیبل نے میرا گریبان کھینچ

کر میرا سر نیچے کر دیا۔ لیکن شہر کی حالت سے مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ جنگ رنگون کے قریب آ گئی ہے میری کوئی تاریخ نہ پڑی تھی چھ سات دن گزر گئے مجھے عدالت میں نہ لے جایا گیا اس دوران جیل کے احاطے میں دن بھر ایسی آوازیں آتی رہتیں جیسے گاڑیاں دوڑ بھاگ میں مصروف ہیں۔ اب میں کبھی کبھی اپنی کوٹھڑی کے دروازے کے ساتھ منہ لگا کر باہر پہرے پر موجود برمی کانسٹیبل سے برمی زبان میں ایک آدھ بات کر لیتا تھا۔ ایک دن میں نے اسے آواز دی تو کوئی جواب نہ آیا۔ کانسٹیبل پہرے پر موجود نہیں تھا میرے پاؤں میں بیڑی پڑی تھی میں نے اپنے دونوں کمبل تہ کر کے دروازے کے پاس رکھے اور اچھل کر دروازے کے اوپر جو لوہے کا چوکھٹا تھا اس کی سلاخوں کو پکڑ کر باہر دیکھا۔ باہر برآمدہ خالی تھا اور گیلری کے نیچے جیل کے میدان میں مجھے ایک فوجی ٹرک نظر آیا جس پر فوجی اور پولیس کے سپاہی دفتر کا سامان اور فائلیں وغیرہ جلدی جلدی لاد رہے تھے میں نیچے بیٹھ گیا معاملہ گڑبڑ لگتا تھا پھر مجھے باہر کانسٹیبل کے جوتوں کی آواز آئی آواز میرے دروازے کے پاس آ کر رک گئی میں نے بلند آواز میں برمی زبان میں کانسٹیبل سے کہا کہ مجھے پیاس لگی ہے کانسٹیبل نے جھنجلا کر کہا۔

"چپکے بیٹھے رہو۔"

کانسٹیبل کی آواز سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ پریشان ہے بعد میں مجھے پتہ چلا کہ اس وقت جاپان کی فوجیں برما کی سرحد پر پہنچ چکی تھیں رنگون کی حکومت رنگون سے بھاگ کر آخری بحری جہاز میں برما سے شملہ کی طرف روانہ ہو گئی تھی۔ برمی لوگ بڑے خوش تھے کہ انہیں انگریز کی حکومت سے نجات ملنے والی ہے شہر میں فسادات شروع ہو چکے تھے برمی غیر برمیوں پر حملے کر رہے تھے انگریزوں کی فوج نے بھی شہر خالی کر دیا تھا۔ صرف کہیں کہیں آخری ہندوستانی کمپنیاں ریڈیو اسٹیشن اور بندرگاہ پر پہرہ دے رہی تھیں وہ بھی رنگون سے بھاگنے کے لئے پر تول رہی تھیں۔

یہ دسمبر کا مہینہ تھا مگر برما میں دسمبر میں بھی سردی نہیں پڑتی بس گرمی اور حبس ہوتا ہے۔ دوپہر کا وقت ہو گا میں اپنی کوٹھڑی میں خاموش بیٹھا حالات پر غور کر رہا تھا کہ اچانک آسمان پر جہازوں کے گزرنے کی آواز سنائی دی یہ جہاز ایک زناٹے کے ساتھ جیل کے اوپر سے گزر گئے تھے میرے کان کھڑے ہو گئے۔ دوسرے لمحے یکے بعد دیگرے اتنے خوفناک تین

دھماکے ہوئے کہ کوٹھڑی کے در و دیوار یوں اوپر نیچے ہو کر لرزنے جیسے زلزلہ آ گیا ہو اس کے بعد مزید تین دھماکے ہوئے اس وقت جاپانی بمبار جہاز رنگون کی بندرگاہ پر بم گرا رہے تھے۔ بندرگاہ پر ایک تیل بردار جہاز کھڑا تھا ایک بم جہاز پر گرا اور جہاز میں آگ بھڑک اٹھی۔ رنگون کے آسمان پر سیاہ گاڑھے دھوئیں کے بادل چھا گئے ہوائی حملے کے الارم سے فضائیں گونج اٹھیں میں نے کوٹھڑی کے دروازے کو دونوں ہاتھوں سے پیٹا کانسٹیبل کو آوازیں دیں مگر باہر سے کسی نے جواب نہ دیا۔ اتنے میں ایک ایسا دھماکہ ہوا کہ میں اچھل کر دیوار کے پاس جا گرا ساتھ ہی میری کوٹھڑی کا دروازہ ایک طرف سے اکھڑ کر ٹیڑھا ہو گیا میں دہشت زدہ تھا باہر دھواں ہی دھواں تھا چیخ و پکار کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں ایک اور دھماکہ ہوا میں نے اپنا سر گھٹنوں میں کر لیا مگر اس دھماکے نے مجھے فرش سے ایک فٹ اوپر اچھال دیا تھا میری گھگی بندھ گئی میں بلند آواز میں خدا کو یاد کرنے لگا کلمہ شریف پڑھنے لگا۔

تیسرا دھماکہ نہ ہوا جاپانی جہازوں نے جیل پر دو بڑے ہی طاقتور بم گرائے تھے میں بیڑیوں کے ساتھ دروازے کی طرف آیا دروازے میں راستہ بن گیا تھا میں کوٹھڑی سے باہر نکل آیا جیل کے احاطے اور وارڈوں میں ہر طرف سے آگ کے شعلے بلند ہوتے دکھائی دیئے دوسری منزل کی تیسری کوٹھڑی کا دروازہ بھی اکھڑ کر گر چکا تھا اور اس کے اندر جو قیدی تھا وہ بھی باہر نکل آیا تھا اس کے پاؤں میں بھی بیڑی تھی وہ برمی تھا مجھے دیکھ کر بولا۔

"جاپانی آ گئے ہیں انگریز بھاگ گیا ہے ہمیں بھی بھاگ جانا چاہئے۔" اس وقت ہم دونوں ایک ہی آفت میں مبتلا تھے اس لئے وہ ایک غیر برمی سے اپنی دشمنی بھول گیا تھا میں نے کہا۔

"ہمارے پاؤں میں بیڑیاں ہیں اس کا کیا کریں۔"

وہ اضطراب کے عالم میں برآمدے کی گیلری تک گیا نیچے جیل کی بارکوں میں آگ لگی تھی اور بچے کھچے قیدی بھی بھاگ رہے تھے وہ جلدی سے پیچھے ہٹا اور سیڑھیوں کی طرف لپکا۔ "نیچے آ جاؤ نیچے کچھ بندوبست کرتے ہیں۔"

ہم سیڑھیاں اترنے لگے بیڑیاں ہمارے پاؤں میں جھنجھنا رہی تھیں ہم پر ایک عجیب سی افراتفری طاری تھی بندرگاہ اور شہر کی جانب سے بموں کے دھماکوں کی آوازیں برابر آ رہی تھیں جاپانی جہاز آسمان پر زناٹے بھر رہے تھے۔ یہ قیدی برمی کوئی عادی مجرم لگتا تھا اسے جیل کی تمام بیرکوں کا علم تھا بیرکوں میں سے سیاہ دھواں اٹھ رہا تھا جس نے آسمان کو ڈھانپ

لیا تھا وہ مجھے ایک کوٹھڑی میں لے گیا یہاں اسے ہتھوڑا چھینی نہ مل سکی وہ غصے میں جیل والوں کو گالیاں دینے لگا کبھی ادھر جاتا کبھی ادھر جاتا وہ زخمی قیدی پرندے کی طرح لگتا تھا آخر اس کو ایک خیال آگیا میری طرف دیکھ کر بولا۔ "تم یہیں ٹھہرو۔"

اور وہ لنگڑا لنگڑا کر چلتا جدھر سے دھواں اٹھ رہا تھا ادھر کو چلا گیا واپس نمودار ہوا تو اس کے ہاتھ میں تھری ناٹ تھری کی ایک رائفل تھی اس نے رائفل مجھے پکڑاتے ہوئے کہا۔ "میری بیڑی کے ساتھ اس کی نالی لگا کر فائر کردو"۔ یہ بڑا خطرناک کام تھا اس کا ٹخنہ زخمی ہو سکتا تھا میں ذرا ہچکچایا تو اس نے گرج کر کہا۔ "فائر کرو"۔

وہ زمین پر پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیا میں نے رائفل کی نالی اس کی بیڑی کے چھلے کے ساتھ لگائی اور فائر کردیا ایک دھماکہ ہوا اس کے ساتھ ہی اس برمی کی چیخ نکل گئی میں سمجھا کہ اس کا پاؤں بھی بیڑی کے ساتھ ہی اڑ گیا ہے مگر ایسا نہیں تھا صرف دھماکے سے اس کی چیخ نکل گئی تھی بیڑی ایک طرف سے اڑ گئی تھی اسی طرح میں نے اس کے دوسرے پاؤں کی بیڑی بھی اڑا دی اس نے پاؤں باہر نکالے اور رائفل اپنے ہاتھ میں لے کر میگزین چڑھایا اور بولا۔ "جلدی سے پاؤں آگے کرو"۔

میں نے پاؤں آگے پھیلا کر منہ دوسری طرف کرلیا ایک دھماکہ ہوا اور میرے پاؤں کو زبردست جھٹکا لگا میرا ایک پاؤں بیڑی سے آزاد ہو چکا تھا اسی طرح اس برمی قیدی نے میرے دوسرے پاؤں کی بیڑی بھی کاٹ دی آزاد ہونے کے بعد ہم جیل کے گیٹ کی طرف دوڑے جیل کی دیوار گیٹ سمیت آدھی سے زیادہ ڈھے چکی تھی سپرنٹنڈنٹ کا دفتر جل رہا تھا دو آدمیوں کی جلی ہوئی لاشیں ایک طرف اوندھے منہ پڑی تھیں وہاں ہمیں پکڑنے والا کوئی نہیں تھا ہم نے جیل سے نکلتے ہی ایک طرف دوڑنا شروع کردیا جاپانی جہاز ابھی تک شہر پر بمباری کر رہے تھے اور شہر کی طرف سے دھوئیں کے بادل مرغولوں کی طرح اٹھ کر آسمان کی طرف بلند ہو رہے تھے سڑک پر ہمیں کئی جگہ رکشے اور گاڑیاں الٹی پڑی نظر آئیں انسانی لاشوں کے ٹکڑے جگہ جگہ بکھرے ہوئے تھے میرا خیال تھا کہ یہ برمی قیدی میرے ساتھ ہی رہے گا مگر سپارکس اسٹریٹ کے ناکے پر آتے ہی وہ مجھ سے الگ ہو کر جلتی ہوئی عمارتوں سے بچتا ہوا ایک طرف بھاگ گیا۔

سپارکس اسٹریٹ کی کئی عمارتیں آگ میں جل رہی تھیں سڑک کے درمیان ایک ٹرام

الٹی پڑی تھی جس کے نیچے انسانی جسم کچلے پڑے تھے میں فریزر اسٹریٹ کی طرف ہو گیا اصل میں اپنے دوست یو وانگ کی خیریت دریافت کرنا چاہتا تھا یہاں سے جونہی میں نے گلی نمبر 39 کا رخ کیا تو دہشت سے میری آنکھیں پھٹ گئیں 39 اسٹریٹ ساری کی ساری ملبے کا ڈھیر بنی ہوئی تھی کوئی بلڈنگ سلامت نہیں تھی جگہ جگہ سے دھواں اٹھ رہا تھا یو وانگ کا زرد چہرہ میری آنکھوں میں آگیا اور میری آنکھیں بھر آئیں لوگ دہشت زدہ ہو کر شہر سے باہر کی طرف بھاگ رہے تھے جاپانی جہاز رنگون شہر پر جنگ کی پہلی بمباری کر کے بے پناہ تباہی پھیلانے کے بعد دوسرے حملے کی تیاری کے لئے واپس جا چکے تھے فریزر اسٹریٹ میں ترکی ہوٹل کے شیشے کی الماریاں چکنا چور تھیں اور پیسٹریاں کریم رول سڑک پر پڑے تھے یہاں ایک سکھ کا ہوٹل تھا اس کے باہر ہوٹل کے مالک کا بہت ہی موٹا باپ جھلنگا سی چارپائی پر بیٹھا رہتا تھا جاپانی جہازوں نے نیچی پرواز کی تھی اور بازار کی دونوں جانب اندھا دھند گولیاں چلائی تھیں میں ہوٹل کے قریب سے گزرا تو یہ موٹا سکھ اسی چارپائی پر اسی حالت میں مردہ پڑا تھا اس کا پیٹ طیاروں کی گولیوں سے چھلنی کر ڈالا تھا اور وہ خون میں لت پت تھا۔

میں مغل اسٹریٹ کی طرف جا رہا تھا لوگوں کی یہ حالت تھی کہ اپنا اپنا مختصر سامان اٹھائے بھاگے جا رہے تھے برمیوں نے غیر برمیوں کے مکان کو لوٹنا شروع کر دیا تھا گلی 49 میں کوئی بم نہیں گرا تھا مگر وہاں کے غیر برمی مکین بھی برمیوں سے جان بچا کر بھاگنے والوں میں شامل ہو گئے تھے بچے رو رہے تھے عورتیں چیخ رہی تھیں مرد چلا رہے تھے قیامت کا منظر تھا فریزر اسٹریٹ پر میکسم اسٹریٹ کے کونے پر ایک شراب خانہ تھا جس کا نام میکسم بار تھا اس بار کا مالک گوا کا رہنے والا مسٹر ہیپٹی تھا اس کی یہ حالت تھی کہ اس نے بوتلیں کھول دی تھیں خود بھی نشے میں تھا اور لوگوں کو دعوت عام دے رہا تھا کچھ برمی اس کی الماریوں میں سے بوتلیں نکال نکال کر بوریوں میں بند کر رہے تھے۔

مغل اسٹریٹ کے ناکے پر ان گنت کٹی پھٹی لاشیں اور انسانی اعضاء بکھرے ہوئے تھے ایک عورت کا آدھا دھڑ سامنے والی عمارت کی دیوار کے ساتھ یوں چپکا ہوا تھا جیسے کسی نے کیل ٹھونک کر اسے دیوار کے ساتھ جڑ دیا ہو سڑک پر جگہ جگہ بموں نے گڑھے بنا دیئے تھے جن میں سے پانی نکل رہا تھا۔ جاپانیوں نے رنگون پر وحشیانہ طریقے سے بمباری کی تھی کی جگہ کوئی پولیس یا فوج کا سپاہی نظر نہیں آ رہا تھا مغل اسٹریٹ میں اقبال نام کے ایک

نوجوان سے میری شناسائی تھی وہ لاہور کا رہنے والا تھا اس کی فرنیچر کی دکان تھی میں اس خیال سے وہاں جا رہا تھا کہ اس کے ساتھ مل کر یہاں سے بھاگنے کے بارے میں بات کروں گا اقبال کی فرنیچر کی دکان بچ گئی تھی مگر برمی اس کی دکان کو لوٹ رہے تھے میرا لباس قیدیوں والا تھا مگر وہاں کسی کو میری طرف دیکھنے کی فرصت نہیں تھی۔ پھر بھی میں لباس تبدیل کر لینا چاہتا تھا میں اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ رنگون پر جاپانی قبضہ کرنے ہی والے ہیں اور مجھے یہاں سے دوسرے غیر برمیوں کے ساتھ مل کر ہندوستان کی طرف پیدل مارچ کرنا ہوگی رنگون پر اس وقت کسی کی حکومت نہیں تھی جن لوگوں نے مجھے پکڑنا تھا وہ خود جان بچاتے پھرتے تھے اور ان کا کوئی پتہ نہیں تھا میں اقبال فرنیچر ہاؤس کی ساتھ والی گلی میں گھس گیا یہاں کچھ لوگوں کے گھرانے آباد تھے۔

اس گلی کے سبھی مکان خالی تھے مکانوں کا سامان گلی میں بکھرا پڑا تھا برمی لوٹ مار کر رہے تھے میں شکل سے کسی طرح برمی نہ لگتا تھا مجھے خطرہ تھا کہ یہ لوگ مجھے بھی پکڑ کر ہلاک نہ کر دیں چنانچہ میں ایک خالی مکان میں گھس گیا مجھے کرتا پاجامہ یا پتلون کی ضرورت تھی سوچا اس مکان میں اور کچھ نہیں تو دھوتی بنیان تو مجھے کہیں نہ کہیں سے ضرور مل جائے گی مکان کی پہلی منزل پر دکانیں تھیں۔ دوسری منزل کے کمروں میں ٹوٹا پھوٹا سامان بکھرا پڑا تھا صندوق کھلے تھے میں نے بکھرے ہوئے کپڑوں میں سے ایک پتلون تلاش کر کے پہن لی پھر مجھے ایک نیلے رنگ کی قمیص بھی مل گئی جو کچھ تنگ تھی مگر میں نے پہن لی جیل کے کپڑوں سے مجھے نجات ملی تو میں سیڑھیوں کی طرف دوڑا کہ اس خطرناک گلی سے نکل جاؤں اچانک مجھے ایک عورت کی آواز سنائی دی عورت دبی دبی آواز میں رو رہی تھی جیسے اس کے دانت بج رہے تھے جیسے وہ اپنے رونے کی آواز کو دبا رہی تھی مجھے اس وقت اپنی جان بچانے کی فکر تھی ہر طرف نفسا نفسی کا عالم تھا پھر بھی لڑکی کے رونے کی آواز نے جیسے میرے قدم جکڑ دیئے میرے دل میں انسانی ہمدردی نے جوش مارا اور میں جدھر سے آواز آ رہی تھی اس طرف بڑھا آواز اسی منزل کے عقبی کمرے سے آ رہی تھی اس مکان کے کمرے کی دیواروں پر مکہ مدینہ کی فریم کی ہوئی تصویریں لگی تھیں یہ مسلمان کا گھر تھا میں پچھلی کوٹھڑی کے پاس آ کر رک گیا عورت کے رونے کی دبی دبی آواز اندر سے آ رہی تھی میں نے دروازے پر آہستہ سے ہاتھ مار کر کہا۔

"بہن! تم کون ہو؟"

رونے کی آواز یکدم سے رک گئی میں نے دوبارہ آواز دی تو اندر سے آنسوؤں میں بھیگی ہوئی نسوانی آواز آئی۔ "کیا تم مسلمان ہو؟ برمی نہیں ہو؟"

میں نے کہا "بہن! میں مسلمان ہوں۔" اس نے کوٹھڑی کا دروازہ کھول دیا میرے سامنے زرد رنگ کی ایک دبلی پتلی سہمی لڑکی کھڑی تھی اس کی عمر اٹھارہ بیس برس کی ہوگی اس نے نیلے رنگ کی پھولدار ساڑھی پہنی ہوئی تھی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں اور ان میں حلقے پڑ گئے تھے وہ دونوں ہاتھ سینے پر رکھے میری طرف دہشت زدہ نظروں سے تکنے لگی میں نے پوچھا۔ "تمہارے ماں باپ کہاں ہیں"؟

وہ بولی۔ "میں اپنی سہیلی کے گھر گئی ہوئی تھی بم گرنے لگے میں وہاں سے بھاگی یہاں آئی تو مکان برمیوں نے لوٹ لیا تھا وہ دوسرے مکانوں کو لوٹ رہے تھے عورتوں کو اٹھا رہے تھے میں نے اپنے آپ کو یہاں بند کر لیا میں نہیں جانتی میرے ماں باپ کہاں ہیں میری چھوٹی بہن کہاں ہے میرا بھائی کہاں ہے"۔

اور وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر سسکیاں بھرنے لگی مین نے اسے دلاسہ دیا اور کہا۔ "میرے کپڑے پھٹ گئے تھے میں یہاں قمیص پتلون کی تلاش میں آیا تھا شاید میں نے تمہارے چھوٹے بھائی کی پتلون قمیص پہن رکھی ہے لیکن تم فکر نہ کرو۔ رنگون کے ہر غیر برمی گھر پر یہی گزر رہی ہے۔ اگر تم چاہو تو میرے ساتھ آ جاؤ۔ میں رنگون سے بھاگ رہا ہوں۔ سب ہندوستانی یہاں سے بھاگ رہے ہیں کہیں نہ کہیں تمہارے ماں باپ اور بہن بھائی بھی مل جائیں گے۔

اس لڑکی نے میری طرف رحم طلب نظروں سے دیکھا۔ "تم مجھے میرے ماں باپ کے پاس پہنچا دو گے؟"

میں نے کہا۔ "میں یہ تم سے کیسے وعدہ کر سکتا ہوں یہاں ایک پل کا پتہ نہیں کیا ہو جائے شہر میں قیامت مچی ہوئی ہے اگر تم یہاں رہنا چاہتی ہو تو ٹھیک ہے میں جاتا ہوں آخر مجھے بھی اپنی جان بچانی ہے۔"

لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا اور جلدی سے کوٹھڑی سے نکل کر میرے پاس آ گئی میرا بازو پکڑ کر منت کرتے ہوئے بولی۔

"تم میرے مسلمان بھائی ہو۔ میرے ماں باپ کو مجھ سے ملا دو۔"

اس لڑکی کا نام رابی تھا وہ مسلمان تھی مگر اس کا نام میری سمجھ میں نہ آیا۔ میں اسے غنڈوں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ میں نے اسے ساتھ لیا اور مکان سے اتر میں آ گیا۔ مغل سٹریٹ میں لوگ نقدی اور زیور وغیرہ باندھ کر بھاگے جا رہے تھے۔ میں کو لے کر مغل سٹریٹ میں سے ہوتا ہوا سڑک پر آ گیا جو شہر سے باہر جانے والی بڑی کے ساتھ جا کر مل جاتی تھی رابی نے کہا۔ یہاں میری ایک سہیلی رہتی ہے کہیں میرے باپ اس کے گھر میں نہ ہوں۔"

رابی کی سہیلی کا گھر بھی لوٹا ہوا تھا وہاں کے ایک بوڑھے برمی چوکیدار نے بتایا کہ کے ماں باپ اور چھوٹی بہن اور بھائی وہاں آئے تھے اور وہ رابی کے لئے سخت پریشان ان کا خیال تھا کہ رابی کو غنڈے اٹھا کر لے گئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رابی اپنی سہیلی کے گھر گئی ہوئی تھی وہاں قریب ہی بم گرا تھا اور برمی غنڈوں نے سب سے پہلے مکان پر دھاوا بول دیا تھا۔

رابی نے روتے ہوئے پوچھا۔ "میری امی بابا کہاں ہیں اس وقت؟"

بوڑھے برمی نے بتایا کہ وہ ایک قافلے کے ساتھ مل کر ہندوستان کی طرف چلے گئے رابی برمی بڑی روانی سے بولتی اور سمجھ لیتی تھی میں نے رابی سے کہا۔ "رابی بہن! گھ نہیں ہم بھی ہندوستان ہی کی طرف جا رہے ہیں۔ راستے میں کہیں نہ کہیں تمہارے ا ضرور مل جائیں گے"۔

رابی آنسو بہاتی میرے ساتھ چل پڑی۔ اس وقت رنگون شہر کی حالت یہ تھی کہ سار شہر کی غیر برمی آبادی کے پاؤں اکھڑ گئے تھے۔ برمی غنڈے نہ صرف ان کے گھروں کو لو رہے تھے بلکہ ان کے بڑے بوڑھوں کو قتل کر کے ان کی جوان لڑکیوں کو اغوا کر رہے چنانچہ یہ لوگ نقدی زیورات اٹھا، بچوں کو ساتھ لے، شہر سے نکل کھڑے ہوئے تھے۔

یہ مفلوک الحال لوگ پیدل ہی ہندوستان کی طرف چل پڑے تھے ان میں غریب مز بھی تھے اور کروڑ پتی تاجر بھی تھے۔ دونوں میں سے کسی کو یقین نہیں تھا کہ وہ رنگون ہندوستان پہنچ جائیں گے ان کے بال بچے عورتیں اور بوڑھے بھی ساتھ تھے تاجروں اپنی بھری ہوئی دکانیں ویسے ہی چھوڑ دی تھیں انہیں دکانوں کو تالا لگانے کی بھی مہلت نہ

ملی تھی۔ رنگون سے بنگال کے کاکس بازار کی سرحد تک راستہ میں ایسے گنجان اور خطرناک جنگل پڑتے تھے کہ جو ہلاکت خیز دلدلوں خونخوار درندوں، مہلک زہریلے سانپوں اور وحشی ہاتھیوں اور درندہ صفت برمی قبائل اور ڈاکوؤں سے بھرے ہوئے تھے اپنی آبرو اور جان بچا کر یہ تباہ حال ہندوستانی رنگون سے نکل کھڑے ہوئے تھے رابی کو لے کر جب میں بڑی سڑک پر پہنچا تو میں نے قافلے کی ایک قطار دیکھی جس میں گاڑیاں، رکشے اور دو ایک ٹرک بھی تھے میں نے بڑی مشکل سے رابی کو ایک ٹرک میں سوار کرا دیا اور خود ساتھ ساتھ پیدل چل پڑا۔

یہ قافلہ دو تین ہزار مہاجرین عورتوں بچوں جوانوں اور بوڑھوں پر مشتمل تھا جب ہم لوگ کمائٹ کی بستی کے قریب سے گزرے تو مجھے قدرتی طور پر اپنی محسنہ اور دوست پربھا کا خیال آ گیا میں نے رابی سے کہا۔ "یہاں میرا ایک دوست رہتا ہے میں اس کا پتہ کر کے ابھی آتا ہوں۔"

میں نے اسے تسلی دی اور قافلے سے الگ ہو کر سڑک سے اتر گیا قافلہ پیدل چل رہا تھا اور اس کی رفتار تیز نہیں تھی۔ پربھا کا کاٹیج وہاں سے ڈھلان پر اتر کر قریب ہی تھا دن ابھی ڈھلنا شروع نہیں ہوا تھا پھیکی پھیکی دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ میں ڈھلان سے اتر کر نشیب کے درختوں میں آ گیا مجھے اب پربھا کا کاٹیج سامنے نظر آ رہا تھا قریب گیا تو دیکھا کہ پربھا کا کاٹیج بھی لوٹ لیا گیا تھا۔ اس کا سارا سامان جو ٹوٹ پھوٹ گیا تھا باہر بکھرا ہوا تھا۔ میں دونوں کوٹھڑیوں میں گیا پربھا کہیں بھی نہیں تھی۔ چارپائیوں کو بھی برمی غنڈوں نے توڑ دیا تھا میں مایوسی کے عالم میں وہاں سے نکل کر دوبارہ قافلے میں آن شامل ہوا۔ قافلے کی پہلی منزل انسین کا شہر تھا جو رنگون سے تقریباً اتنا ہی دور تھا جتنا لاہور سے جہلم شہر ہے لیکن قافلہ چیونٹی کی چال چل رہا تھا چنانچہ رنگون شہر سے نکلنے کے بعد جب جنگل کا علاقہ شروع ہوا تو رات ہو گئی یہاں تک آتے آتے خستہ حال انسانوں کا یہ قافلہ مختلف ٹکڑیوں میں بٹ گیا تھا ہر ٹکڑی کے درمیان فاصلہ بڑھتا جا رہا تھا اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ کچھ امیر لوگ اپنی موٹریں ساتھ لے آئے تھے ابھی تک جنگل میں قافلہ ایک نیم پختہ سڑک پر چل رہا تھا۔ عورتوں بچوں اور بوڑھوں کو گاڑیوں پر بٹھا دیا گیا تھا جس قافلے میں میں اور رابی تھے اس میں بھی ایک ٹرک تھا ہم بھی اپنے پیچھے آنے والوں سے دور ہو گئے تھے۔

جب رات کا اندھیرا پھیلنے لگا تو قافلے نے ایک جگہ سڑک سے اتر کر پڑاؤ ڈال دیا۔ لوگ کچھ سوکھا راشن ساتھ لے کر چلے تھے جگہ جگہ آگ روشن ہو گئی۔ لوگ چاول وغیرہ پکانے لگے ہر کوئی اپنے بچوں کا پیٹ بھرنا چاہتا تھا لیکن قافلے میں ہزاروں کی تعداد میں ایسے خاندان بھی تھے جن کے پاس تھوڑی بہت رقم تو تھی مگر کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ عجیب صورتحال پیدا ہو گئی انسانی خودغرضی کے المناک مناظر سامنے آنا شروع ہو گئے جن کا ذکر میں بعد میں کروں گا۔ ابھی تو ابتدا ہی تھی وہیں یہ خبر بھی پھیل گئی کہ جاپان کی فوجوں نے تھائی لینڈ بھی فتح کر لیا ہے اور اب وہ رنگون شہر کی طرف بڑھ رہی ہیں جاپانی فوج جنوب مشرق کی طرف سے رنگون کی طرف بڑھ رہی تھی اور مہاجرین کے قافلے شمال مغرب کی طرف جا رہے تھے پھر بھی خطرہ تھا کہ راستے میں کہیں جاپانیوں س آمنا سامنا نہ ہو جائے۔ جاپانیوں کے بارے میں برمی لوگوں نے یہ افواہیں پھیلا رکھی تھیں کہ وہ بڑے ظالم ہوتے ہیں اور کسی کو زندہ نہیں چھوڑتے۔

قافلے کے لوگوں میں سے ایک سفید ریش بزرگ تھیلا اٹھائے بھنے ہوئے چنے بانٹنے لگے میں نے اور رابی نے بھی ان سے چنے لئے اور ایک طرف بیٹھ کر کھانے لگے رابی کو یقین تھا کہ اس کے ماں باپ اور بہن بھائی اسی قافلے میں ہیں اور راستے میں ان سے ضرور ملاقات ہو جائے گی کبھی وہ کہتی کہ قافلے میں آگے جا کر انہیں ڈھونڈ لینا چاہئے کبھی کہتی کہ ہم اسی جگہ رک کر پیچھے سے آنے والوں کا انتظار کرتے ہیں میں اس کی باتیں سن کر چپ رہتا مجھے معلوم تھا کہ یہ دونوں باتیں ناقابل عمل ہیں ہم وہاں رک بھی نہیں سکتے تھے اور قافلے کے آگے بھی نہیں جا سکتے تھے۔ ہمارے اردگرد جنگل ہی جنگل تھا دور پرے پہاڑیاں اندھیرے میں بھوتوں کی طرح سر اٹھائے کھڑی ہمارا انتظار کر رہی تھیں ہمیں ان خطرناک پہاڑیوں میں سے گزر کر جانا تھا ہر شخص جان بچا کر رنگون سے چل پڑا تھا جن کے ساتھ جوان لڑکیاں تھیں وہ سخت پریشان تھے کسی کو خبر نہیں تھی کہ خطرناک ترین اور دشوار گزار پہاڑی جنگل عبور کر کے بنگال کی سرحد تک پہنچ بھی سکیں گے یا نہیں۔

میں اور رابی قافلے کے لوگوں سے ذرا ہٹ کر ایک درخت کے نیچے بیٹھے تھے رابی نے چادر اوڑھ رکھی تھی رات سرد تو نہیں تھی مگر شبنم گرنے کی وجہ سے خنکی ہو گئی تھی میں نے قریب ہی آگ روشن کر لی۔ جب تک آگ روشن رہی ہم بیٹھے رہے پھر رابی وہیں

درخت کے نیچے بجھی ہوئی آگ کے پاس لیٹ گئی میں اس سے پندرہ قدم کے فاصلے پر گھاس پر لیٹ گیا۔ عام حالات میں شاید مجھے نیند نہ آتی لیکن رنگون سے پیدل چل چل کر تھکاوٹ سے برا حال ہو گیا تھا ذرا پاؤں پھیلائے تو نیند نے غلبہ کیا اور پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔

نہ جانے رات کتنی گزر چکی تھی کہ اچانک میری آنکھ کھل گئی شاید کوئی میرے قریب سے بھاگتا ہوا گزر گیا تھا میں جلدی سے اٹھ بیٹھا قافلے کے سبھی لوگ سو رہے تھے آگ بجھ چکی تھی ہر طرف موت کا سناٹا چھایا تھا۔ قدرتی طور پر میرا خیال رابی کی طرف گیا میں اٹھ کر درخت کے پاس آیا تو میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی رابی درخت کے نیچے نہیں تھی۔ میں نے سوچا شاید وہ اٹھ کر کسی ضرورت سے گئی ہو گی میں واپس مڑا ہی تھا کہ رابی کی ایسی دبی ہوئی چیخ سنائی دی جیسے اس کی آواز نکلتے ہی کسی نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔ میں دیوانہ وار اس آواز کی طرف بھاگا۔

رابی کی چیخ کی آواز سن کر میں اس کی طرف بھاگا۔

میرا خیال تھا کہ اسے ڈاکو اٹھا کر لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں مگر ایسی بات نہیں تھی۔ رابی مجھے رات کے اندھیرے میں ایک طرف سہمی ہوئی کھڑی نظر آئی۔ معلوم ہوا کہ ایک سانپ اس کے اوپر سے ہو کر گزر گیا تھا۔ وہ خوف سے کانپ رہی تھی۔ میں نے اسے حوصلہ دیا اور اس طرف لے آیا جہاں قافلے کی دوسری مستورات سو رہی تھیں۔ کسی نہ کسی طرح وہ رات بھی گزر گئی۔ اگلے روز قافلہ پھر چل پڑا۔ میں اس مصیبتوں سے بھرے ہوئے سفر کو اس لئے یہاں طول نہیں دوں گا کیونکہ میری اصل کہانی اس کے بعد شروع ہوتی ہے جب وہاں سے دور ایک اجنبی سرزمین میں چاندنی میں ڈوبے ہوئے نخلستان میں ایک سرمگیں آنکھوں اور دراز سیاہ زلفوں والی لڑکی ایک حیرت انگیز اتفاق سے میرے دل کے قریب آ گئی۔ میری خواہش ہے کہ آپ بھی میرے ساتھ اس نخلستان میں چلیں جہاں ریت کے ٹیلوں اور نخلستان کی کھجوروں کے اوپر نیلے آسمان پر پورا چاند روشن تھا اور جہاں میں نے پہلی بار اپنی زندگی کی پہلی اور آخری محبت سے ملاقات کی تھی۔

ہمارا بے یار و مددگار قافلہ کسی نہ کسی طرح ہندوستان پہنچ گیا۔ وہاں رابی کے ماں باپ بھی مل گئے۔ میں نے رابی کو ان کے حوالے کیا اور خود شیلانگ چلا آیا۔ میرے پاس کوئی کام نہیں تھا۔ میرے سامنے زندگی کا کوئی مقصد نہیں تھا۔ کوئی مستقبل نہیں تھا۔ میں دن بھر شہر کی سڑکوں پر آوارہ گردی کرتا رہتا۔ ان دنوں جنگ عظیم زوروں پر تھی اور شہر میں کئی جگہوں پر فوجی بھرتی کے دفتر کھلے ہوئے تھے۔ میں جوان تھا اور میرا بدن بھی کسرتی تھا۔ میں نے فوج میں بھرتی ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ کم از کم اس طرح میں فاقہ کشی سے تو بچ سکتا تھا۔ میں فوجی بھرتی کے ایک دفتر میں گیا۔ انگریز انڈین فوج میں جوانوں کو دھڑا دھڑ بھرتی کر رہا تھا کیونکہ شمالی

افریقہ میں جرمن فوجوں کا دباؤ بڑھ رہا تھا۔ مجھے فوراً بھرتی کر لیا گیا۔ وردی پہن کر رائفل ہاتھ میں پکڑی کٹ کاندھے پر لٹکائی۔ پاس بک جیب میں رکھی اور دوسرے فوجیوں کے ساتھ ایک ملٹری اسپیشل ٹرین میں سوار ہو کر بمبئی کی طرف روانہ ہو گیا۔ بمبئی کی بندرگاہ سے مجھے ایک بحری جہاز میں بٹھا کر اسکندریہ پہنچا دیا گیا۔

اسکندریہ سے ہمیں ایک صحرا میں لے جایا گیا جہاں ہمیں ایک ماہ رائفل چلانے، ہینڈ گرنیڈ پھینکنے اور دوسری فوجی ٹریننگ دی گئی۔ اس کے فوراً بعد ہمیں لیبیا کے محاذ پر بن غازی کے قریب اگلے مورچوں میں پہنچا دیا گیا۔ سارا علاقہ ریتلا تھا۔ کہیں صحرائی میدان تھے تو کہیں ریت کے ٹیلے کھڑے تھے۔ دن کو سخت گرمی پڑتی اور رات کو سردی ہو جاتی۔ جرمن توپخانے کی گولہ باری کا سلسلہ جاری تھا۔ ہماری طرف سے بھی توپ خانہ گولہ باری کا جواب دیتا۔ جرمن اور اطالوی فوجوں کی کمان جنرل رومیل کے ہاتھ میں تھی جو ایک تجربہ کار جرنیل تھا۔

ایک روز مجھے حکم ملا کہ بائیں فلینک والی برٹش رجمنٹ کو اسلحہ پہنچاؤ۔ یہ کام سپلائی والوں کا تھا لیکن جنگ کا زور تھا دشمن کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ مجھے حکم ملا تو میں اسلحہ کی پیٹیاں فوجی جیپ میں ڈال کر اپنے کیمپ سے نکل کر بائیں فلینک والے مورچوں کی طرف چل دیا۔

دن ڈھل رہا تھا۔ صحرا کی شدید گرمی میں کمی ہونے لگی تھی۔ بائیں فلینک کے مورچے وہاں سے تین چار میل کے فاصلے پر تھے۔ میں پہلی بار اس طرف آیا تھا۔ مجھے راستہ بتا دیا گیا تھا۔ میں بتائے ہوئے راستے کے مطابق ریت کے ٹیلوں میں سے گزر رہا تھا۔ یہ ٹیلے ختم ہونے میں نہ آتے تھے۔ مجھے شک پڑ گیا کہ میں صحرا میں راستہ بھول گیا ہوں۔ لیکن میں نے جیپ نہ روکی اور آگے بڑھتا گیا۔ میں دو ایک میل آگے بڑھا ہوں گا کہ اچانک جیپ کو ایک جھٹکا لگا اور وہ رک گئی۔ میں بریک لگا کر نیچے اترا۔ بونٹ اٹھا کر انجن دیکھا۔ انجن میں سے دھواں نکل رہا تھا۔ میں ڈرائیور ضرور تھا مگر مکینک نہیں تھا۔ میں نے انجن سٹارٹ کرنے کی بہت کوشش کی مگر میں اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔

مایوس ہو کر میں نے سوچا کہ برٹش مورچے ضرور آس پاس ہی کہیں ہوں گے۔ میں پیدل چل کر ان کا پتہ کرتا ہوں۔ میں نے جیپ سے رائفل اٹھا کر کاندھے سے لگائی او[illegible] [illegible] چلنے لگا۔ سورج صحرا کے مغرب میں جھکتا چلا جا رہا تھا اور دھوپ کا رنگ سنہری

ہونے لگا تھا۔ ریت کے ٹیلے ختم ہوئے تو آگے ڈھلان تھی۔ ڈھلان کے نیچے نظر پڑتے ہی م ایک دم سے رک گیا۔ نیچے میری آنکھوں کے سامنے ایک عجیب منظر تھا۔ دو گورے ف ایک عرب لڑکی کو گھسیٹتے ہوئے اپنی جیپ کی طرف لئے جا رہے تھے جو قریب ہی کھڑی تھ ایک گورے نے لڑکی کے منہ کو اپنے ہاتھوں سے دبایا ہوا تھا اور دوسرا گورا اسے اٹھا جیپ میں ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لڑکی بری طرح سے ہاتھ پاؤں مار رہی تھی اور ج آوروں کے چنگل سے نکلنے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔

مجھے معلوم تھا کہ یہ سارا علاقہ مسلمانوں کا ہے۔ یہ مسلمان عرب لڑکی ہے اور یہ دونو گورے بائیں فلینک والی برٹش رجمنٹ کے فوجی ہیں جو اس لڑکی کی عزت خراب ک چاہتے ہیں۔ خدا جانے مجھ پر کیسی وحشت سوار ہوئی کہ میں نے وہیں سے چھلانگ لگائی ا ڈھلان پر دوڑتا ہوا ان گورے فوجیوں کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ میں نے ان پر اپنی رائف تان دی اور انگریزی میں چلا کر کہا۔ "سرنڈر" دونوں گوروں نے اپنی رائفلیں کاندھو سے لٹکا رکھی تھیں۔ انہوں نے اپنے سامنے ایک انڈین سپاہی کو دیکھا تو ان کے چہروں حقارت کے اثرات نمودار ہوئے۔ گورا فوجی انڈین کو نفرت سے دیکھتا تھا اور فوج میں ا کے ساتھ اچھوتوں جیسا سلوک کرنے کا عادی تھا۔ ایک گورے نے نفرت سے تھوک کر مجھ انگریزی میں گالی دی اور حکم دیا میں وہاں سے چلا جاؤں۔ میرے اور ان کے درمیان بمشک پندرہ بیس قدم کا فاصلہ ہوگا۔ عرب لڑکی کو انہوں نے بازوؤں سے پکڑ رکھا تھا۔ لڑکی چیخ چیخ عربی زبان میں کچھ کہہ رہی تھی۔ میں نے دوسری بار گورے فوجیوں کو چلا کر کاشن دیا کہ لڑکی کو چھوڑ دیں۔

اس پر ایک گورے سپاہی کا ہاتھ اپنی رائفل کے سلنگ کی طرف بڑھا۔ میری رائفل ک میگزین میں چار راؤنڈ بھرے ہوئے تھے۔ ایک سیکنڈ کے اندر اندر میں نے رائفل کا بول پیچھے کیا۔ راؤنڈ رائفل کے چیمبر میں چلا گیا۔ میں نے ٹریگر دبا دیا۔ ایک دھماکہ ہوا۔ میر رائفل سے تھری ناٹ تھری کی گولی نکلی اور جس گورے سپاہی کا ہاتھ اپنی رائفل کے سلنگ کی طرف بڑھا تھا وہ زمین سے تھوڑا سا اوپر اچھلا اور گر پڑا۔ دوسرے گورے نے لڑکی چھوڑ کر اپنی رائفل سنبھالنا چاہی۔ میں نے اس پر بھی فائر کر دیا لیکن میرا نشانہ خطا گیا اور ریت کے عقبی ٹیلے کی طرف بھاگا۔ میں نے پیچھے سے اس پر فائر کیا۔ گولی اسے نہ لگ سکی

مجھ سے ایک گورے فوجی کا خون ہو گیا تھا اور دوسرے گورے فوجی نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ وہ اس قتل کا عینی گواہ تھا۔ وہ مجھے فائرنگ اسکواڈ کے سامنے کھڑا کر سکتا تھا۔ میرے لئے اسے بھی ختم کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ میں رائفل تھام کر اس کے پیچھے دوڑا۔ مگر وہ ریت کے ٹیلوں کی بھول بھلیوں میں کہیں غائب ہو چکا تھا۔ مجھے احساس تھا کہ گورے فوجیوں کے مورچے یہاں قریب ہی ہیں اور یہ گورا فوجی تھوڑی دیر میں مجھے گرفتار کروانے اپنے آفیسر کمانڈنگ کو لے کر وہاں پہنچ جائے گا۔ میں اب اپنے مورچوں میں بھی واپس نہیں جا سکتا تھا۔ وہاں بھی مجھے پھانسی کا پھندا یا فائرنگ اسکواڈ نظر آ رہا تھا۔ چاہے میں نے ایک مسلمان عربی لڑکی کی عزت بچانے کے لئے یہ قتل کیا تھا مگر قتل ایک گورے فوجی کا ہوا تھا اور میرے زندہ بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

ایک جذباتی لمحے نے میری زندگی کے دھارے کا رخ بدل کر رکھ دیا تھا۔ مجھے اپنے پیچھے موت کا اندھیرا نظر آ رہا تھا۔ میں اپنے آپ کو وہاں سے نکال لے جانا چاہتا تھا۔ مجھے اپنی زندگی عزیز تھی۔ مجھے زندگی سے محبت تھی۔ میں جوان تھا صحت مند اور خوبصورت تھا۔ میں ابھی مرنا نہیں چاہتا تھا۔ اچانک مجھے عرب لڑکی کا خیال آ گیا جس کی عزت میں نے ان گورے فوجیوں سے بچائی تھی۔ میں اس علاقے سے بے خبر تھا۔ یہ لڑکی کم از کم مجھے وہاں سے نکال ضرور سکتی تھی۔ وہ عرب تھی اور اسی علاقے کی رہنے والی تھی۔ میں بھاگتا ہوا گورے فوجیوں کی جیپ کے پاس آ گیا۔ مسلمان عرب لڑکی ابھی تک خوفزدہ تھی اور جیپ کے پیچھے چھپ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے انگریزی میں اسے کہا کہ میں مسلمان ہوں۔ اسے کلمہ شریف پڑھ کر سنایا اور کہا کہ چونکہ وہ بھی مسلمان لڑکی ہے اور میں نے اس کی عزت بچانے کے واسطے کافر گورے کو ہلاک کیا ہے۔ گورے سپاہی کی لاش غروب ہوتے سورج کی روشنی میں خون میں لت پت قریب ہی ریت پر پڑی تھی۔ لڑکی اپنی بڑی بڑی سرمگیں آنکھوں سے مجھے تکنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں تشکر کا اظہار تھا۔ وہ آنکھیں میرے وجود کو اپنی طلسمی کشش کے دائرے میں لپیٹتی محسوس ہو رہی تھیں۔ یہ جان کر کہ عرب لڑکی انگریزی نہیں سمجھتی میں نے اردو میں اسے کہا کہ وہ مجھے کسی قریبی شہر کا راستہ بتا دے کیونکہ میں نے گورے فوجی کا خون کیا ہے اور اب واپس اپنی رجمنٹ میں نہیں جا سکتا۔ پھر خیال آیا کہ یہ عرب بدو لڑکی اردو کہاں جانتی ہو گی۔ میں نے پریشانی کے عالم میں ریت کے ٹیلوں کی طرف

دیکھا جدھر دوسرا گورا سپاہی غائب ہو گیا تھا۔ اور میرے اندازے کے مطابق جو فوجی اپنے ساتھ لے کر مجھے پکڑنے آنے ہی والا تھا ایک ایک لمحہ مجھے موت کے قریب لے جا رہا تھا۔ میں نے لڑکی کو وہیں چھوڑا اور گورے فوجیوں کی جیپ میں بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کرنے لگا۔ دل میں یہی خیال تھا کہ شمال کی جانب نکل جاؤں۔ اگر قسمت میں زندہ رہنا لکھا ہے تو کسی نہ کسی شہر پہنچ ہی جاؤں گا۔ جیپ کا انجن اسٹارٹ ہوا ہی تھا کہ مجھے لڑکی کی آواز آئی۔ "ٹھہر جاؤ۔"

میں نے چونک کر عرب لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ جیپ کے ساتھ پیچھے کھڑی تھی۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اردو میں یہ فقرہ اسی لڑکی کی زبان سے نکلے ہوں۔ وہ ایک دراز قد عرب لڑکی تھی جس کا رنگ سانولا نہیں تھا بلکہ گورا تھا جو مجھے ایک عجیب بات لگ رہی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا۔

"کیا تم اردو جانتی ہو؟"

اس نے کوئی جواب نہ دیا اور جیپ میں میرے ساتھ والی نشست پر بیٹھ گئی۔ اور بولی "چلو۔"

میں نے جیپ آگے بڑھا دی۔ وہ مجھے ہاتھ کے اشاروں سے گائیڈ کر رہی تھی۔ ریت پر عام جیپ زیادہ تیز نہیں چلتی لیکن فوجی جیپ تھی جس کے ٹائر خاص طور پر صحرا کی ریت پر چلنے کے لئے تیار کئے گئے تھے۔ میں جیپ کو پوری رفتار سے چلا رہا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد میں پیچھے دیکھ لیتا تھا کہ بائیں فلینک کے برٹش مورچے وہاں سے دور تھے اور جو گورا فوجی میری گولی سے بچ گیا تھا وہ ریت پر پیدل چل رہا تھا۔ عرب لڑکی میری راہنمائی کر رہی تھی۔ ہم صحرا میں کافی آگے نکل آئے تھے۔ ریت کے ٹیلے بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ سورج اب مغرب کی جانب کافی نیچے ہو گیا تھا اور آسمان پر شام کی شفق پھوٹنے لگی تھی۔ عرب لڑکی نے ایک جگہ جیپ رکوا دی۔ وہ جیپ سے اتر گئی اور دو قدم آگے چل کر دائیں بائیں دیکھنے لگی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ راستہ بھول گئی ہے۔ میں جیپ سے اترنے ہی والا تھا کہ وہ میرے پاس آئی اور یہ کہ کر جیپ میں بیٹھ گئی "بائیں طرف چلو"۔ اس کی اردو صاف نہیں تھی اور لہجہ بھی عرب لڑکیوں جیسا تھا لیکن وہ لفظ ٹھیک بول رہی تھی۔ میں نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا۔ پیچھے صحرا خالی تھا۔ میں برٹش ملٹری پولیس کے ہتھے چڑھنے سے بچ گیا تھا لیکن ابھی

ابھی تک لیبیا کا یہ سارا علاقہ برٹش اور امریکی آرمی کے قبضے میں تھا اور جرمن فوجیں دائیں جانب صحرا کی طرف سے آگے بڑھ رہی تھیں۔ میں کسی بھی قصبے یا شہر میں گرفتار کیا جا سکتا تھا۔ لیکن فی الحال میں موت کے چنگل سے نکل آیا تھا۔

صحرا میں چند میل چلنے کے بعد مجھے دور کھجوروں کے درخت نظر آئے۔ عرب لڑکی کے چہرے پر خوشی کے آثار نمودار ہونے لگے تھے۔ اس نے کھجوروں کے جھنڈ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"وہاں ہمارا گاؤں ہے۔ میں اس گاؤں میں اپنے رشتے داروں کے پاس آئی ہوئی تھی۔ ادھر آ گئی اور راستہ بھول گئی۔"

اب میں نے اس سے پوچھا کہ وہ اردو کیسے جانتی ہے۔ اس نے بتایا کہ اس کا باپ انڈیا میں تھا وہ انڈیا میں ہی پیدا ہوئی تھی اور پانچ سال تک وہیں رہی تھی۔ اردو اس نے وہیں سیکھی تھی۔ پھر وہ کہنے لگی۔ "میرے ماں باپ کا انتقال ہو گیا۔ میں بن غازی میں اپنے چچا کے پاس رہتی ہوں۔ میرا نام لیلیٰ ہے۔"

میں نے سامنے سے نظریں ہٹا کر لیلیٰ کی طرف دیکھا۔ وہ اپنی بڑی بڑی سحر پرور سیاہ آنکھوں سے مجھے تک رہی تھی۔ اس کی نظروں میں ایک عجیب کشش تھی۔ ایک عجیب طلسم تھا۔ میں نے جلدی سے اپنی آنکھیں ہٹا کر چہرہ سامنے کی طرف کر لیا۔ کھجوروں کا جھنڈ اب زیادہ دور نہیں تھا۔ اچانک مجھے خیال آ گیا کہ میں اپنی موجودگی کا ثبوت ہر قدم پر پیچھے چھوڑتا جا رہا ہوں۔ ملٹری پولیس میری جیپ کے ٹائروں کے نشان سے بڑی آسانی سے میرا سراغ لگا لے گی۔ میں نے جیپ روک دی اور لیلیٰ کو ساری بات سمجھائی۔ لیلیٰ کو اس حقیقت کا شدید احساس تھا کہ میں نے اس کی عزت بچانے کی خاطر اپنے مستقبل کو شدید خطرات میں ڈال دیا ہے اور یہ کہ موت میرا پیچھا کر رہی ہے۔ ہماری دائیں جانب دور سے کچھ ٹیلے نظر آ رہے تھے۔ لیلیٰ نے مجھے ان ٹیلوں کی طرف چلنے کا اشارہ کیا۔

ٹیلوں کے قریب پہنچ کر مجھے احساس ہوا کہ وہاں زمین سخت اور سنگلاخ تھی۔ ٹائروں کے نیچے سنگریزے اڑ رہے تھے۔ یہاں ٹائروں کے نشان پڑنے کا امکان بہت کم تھا۔ لیلیٰ میری رہنمائی کرتی جیپ کو ٹیلوں کے پیچھے لے آئی۔ یہ ٹیلے سنگلاخ تھے اور ان پر کہیں کہیں خشک جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ سورج اب غروب ہو گیا تھا۔ لیکن صحرا میں سورج غروب ہو کر بھی

کے بعد بھی گلابی روشنی کافی دیر تک رہتی ہے۔ ایک جگہ دو ٹیلوں کے درمیان گہرا کھڈ تھا۔ لیلیٰ نے یہاں جیپ رکوا دی اور کھڈ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ جیپ کو کھڈ میں گرا دو۔ ہم نے اب گورے فوجیوں کی اس جیپ کی تلاشی لی۔ وہاں ایک فوجی پستول اور شراب کی آدھی بوتل کے سوا کچھ نہیں تھا۔ میں نے ان چیزوں کو ہاتھ تک نہ لگایا اور جیپ کو دھکیل کر کھڈ میں گرا دیا۔ جیپ ایک دھماکے سے کھڈ میں گری اور اسے آگ لگ گئی۔ لیلیٰ نے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ اس عرب لڑکی کا لباس عام دیہاتی بدو عورتوں جیسا نہیں تھا۔ اس نے اپنے جسم کو دھاریدار ریشمی لبادے سے ڈھانپ رکھا تھا۔ سر پر نسواری رنگ کا ریشمی رومال اس طرح بندھا تھا کہ اس کے لمبے سیاہ بال اس کے شانوں پر پڑے تھے۔ کانوں میں سرخ نگینوں والے سونے کے بندے تھے۔ پاؤں میں گلابی رنگ کے لیڈیز شوز تھے۔ اس لڑکی پر شہر کا اثر غالب تھا۔ صاف لگتا تھا کہ وہ لیبیا کے شہر بن غازی کی ہی رہنے والی ہے۔ میں خطرے سے کافی دور نکل آیا تھا اگرچہ خطرہ اب بھی موجود تھا۔ ہم کھجوروں کے جھنڈ کے قریب آ گئے تو میں نے لیلیٰ سے پوچھا کہ گاؤں میں وہ مجھے کہاں لے جا رہی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ وہ مجھے طرابلس شہر کا راستہ بتا دے۔ میں خود ہی وہاں جا کر روپوش ہو جاؤں گا۔ لیلیٰ خوبصورت اور دلکش خدوخال والا چہرہ سنجیدہ تھا۔ اس نے دراز پلکیں جھپکاتے ہوئے اپنی ہرنی جیسی آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور اپنی خاص اردو میں کہا۔

"میں جانتی ہوں تم یہاں سے اکیلے طرابلس نہیں پہنچ سکتے۔ تم نے مجھ پر جو احسان کیا ہے وہ بہت بڑا ہے۔ میں تمہیں خطرے میں نہیں چھوڑ سکتی۔"

میں نے کہا۔ "گاؤں میں تمہارے رشتے داروں کا گھر ہے۔ ہو سکتا ہے ان میں سے کوئی میری مخبری کر دے اور میں پکڑا جاؤں۔"

لیلیٰ نے اپنے سرخ انجیر جیسے ہونٹوں پر آہستہ سے اپنی زبان کی نوک پھیری اور کہنے لگی۔

"میں جانتی ہوں ایسا ہو سکتا ہے یہ جنگ کا زمانہ ہے انگریزوں نے اپنے جاسوس ہر جگہ چھوڑ رکھے ہیں۔ اسی لئے میں تمہیں گاؤں نہیں لے جاؤں گی۔"

"پھر ہم کہاں جا رہے ہیں"۔ میں نے بے اختیار پوچھا۔ لیلیٰ نے جواب دینے کی بجائے ہاتھ سے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور آگے چل دی۔ کھڈ میں جلی ہوئی جیپ کا گاڑھا دھواں ابھی تک اٹھ رہا تھا۔ صحرا میں غروب ہونے والے سورج کی گلابی روشنی اب تیزی سے مغرب کی طرف سمٹتی چلی جا رہی تھی۔ فضا میں گرمی کی جگہ اب ہلکی ہلکی خنکی نے لے لی تھی۔ کھجوروں کے جھنڈ میں پہنچ کر میں نے دیکھا کہ وہاں کوئی گاؤں نہیں تھا۔ گاؤں وہاں سے آگے کوئی ایک میل کے فاصلے پر تھا جس کے مکانوں کی اونچی اونچی مخروطی دیواریں ڈھلتی شام کی سیاہی میں صاف نظر آ رہی تھیں لیلیٰ نے میری ذہنی کیفیت کا اندازہ لگا لیا تھا۔ رائفل میرے کاندھے سے لٹکی ہوئی تھی اور میں فوجی وردی میں تھا۔ ہم ایک چھوٹے سے نخلستان میں آ گئے تھے۔ تھوڑے فاصلے پر کھجوروں کے کتنے ہی درخت اگے ہوئے تھے۔ یہاں ریت سخت اور جمی ہوئی تھی۔ ایک جگہ زمین میں سے پانی نکل نکل کر دوسری طرف چھوٹے چھوٹے سنگلاخ پتھروں میں جا کر گم ہو رہا تھا۔ لیلیٰ مجھے اپنے ساتھ اس نخلستان کے جنوبی درختوں کی طرف لے گئی۔ یہاں ایک جگہ کھجور کی سوکھی شاخوں کا اونچا ڈھیر پڑا تھا۔ اس ڈھیر کے پہلو میں ایک کچی کوٹھڑی تھی جس کا دروازہ کھجور کی ٹہنیوں کے چھابے سے بند کیا گیا تھا۔

لیلیٰ نے آگے بڑھ کر چھاپے کو ایک طرف کھسکا دیا اور میری طرف اپنا خوبصورت چہرہ اٹھا کر بولی۔

"ابھی تم یہاں ٹھہرو۔"

یہ نخلستان لیلیٰ کے گاؤں والے رشتہ داروں کی ملکیت میں تھا۔ میں اور لیلیٰ کھجور کی سوکھی ٹہنیوں کے ڈھیر کے پاس بیٹھ گئے۔ اس نے بتایا کہ دو روز بعد ساتھ والے قصبے سے چھ اونٹوں کا ایک قافلہ بنولی جائے گا جو یہاں سے اونٹوں کے سفر پر ایک دن کے فاصلے پر ہے۔ بنولی ایک بڑا قصبہ ہے۔ وہاں سے بن غازی کے لئے لاری مل جائے گی۔ لیلیٰ کو صورتحال کی سنگینی کا احساس تھا۔ اسے میری زندگی بھی عزیز تھی۔ وہ مجھے خطرات کے حوالے نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے مجھے صاف صاف بتا دیا کہ اسے اپنے گاؤں والے رشتہ داروں پر اعتبار نہیں ہے۔ وہ پڑھی لکھی عرب لڑکی تھی اور اسے معلوم تھا کہ انگریزوں نے دشمن جاسوسوں کو پکڑنے کے لئے اپنے تنخواہ دار جاسوس جگہ جگہ چھوڑ رکھے ہیں اور انعام حاصل کرنے کے لالچ میں کوئی بھی میری مخبری کر سکتا تھا۔ یہ اس کی دور اندیشی تھی۔ یہ محسوس کر کے لیلیٰ کو میری زندگی کتنی عزیز ہے میرے دل میں اس کے لئے ایک عجیب سا

جذبہ بیدار ہو گیا تھا۔ میں اس وقت اس جذبے کی شکل نہیں پہچان سکا تھا لیکن آج سوچتا ہوں تو وہ پیار تھا۔ محبت کا جذبہ تھا۔ مجھے اس آہو چشم دراز زلف عرب لڑکی سے محبت ہو گئی تھی۔ محبت کی یہ لطیف پاکیزہ خوشبو ابھی جذبے کی بند کلی کے اندر ہی سانس لے رہی تھی۔

میرے پاس اپنی ملٹری پاس بک بھی تھی اور کچھ پاؤنڈز بھی تھے۔ وہاں ہمیں پاؤنڈز میں تنخواہ ملتی تھی۔ یہ رقم اتنی ضرور تھی کہ مجھے طرابلس پہنچا سکتی تھی۔ میں اسی رات قصبے بنولی کی طرف نکل جانا چاہتا تھا لیکن میرے راستے میں دو رکاوٹیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ آگے صحرا تھا۔ میں قصبے کا راستہ بھول سکتا تھا۔ دوسری رکاوٹ یہ تھی کہ قصبے سے چھ اونٹوں کا قافلہ دو دن بعد روانہ ہونے والا تھا اور میرے لئے وہاں چھپنے کے لئے جگہ تلاش کرنا اپنے آپ کو شدید خطرات کے حوالے کرنا تھا۔ خاص طور پر ایسے حالات میں جبکہ جنگ زوروں پر تھی اور انگریزوں کے جاسوس چپے چپے پر موجود تھے۔ آخر میں نے لیلیٰ کے مشورے پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس فیصلے میں میرے دل کی گہرائیوں میں دبی ہوئی یہ خواہش بھی کارفرما تھی کہ یوں مجھے مزید دو دن لیلیٰ کے دیدار کا موقع مل جائے گا۔ اس بات کو میں نے اس وقت اتنی اہمیت نہیں دی تھی کہ ملٹری پولیس میری تلاش میں اس نخلستان تک بھی پہنچ سکتی ہے۔ آخر ایک گورے فوجی افسر کو قتل کر کے بھاگا تھا۔

لیلیٰ مجھے اس نخلستان کی کچی کوٹھڑی میں چھوڑ کر چلی گئی۔ وہ یہ کہ کر گئی کہ رات کے وقت میرے لئے کچھ کھانے کو لے کر آئے گی۔ اس کے جانے کے بعد میں کوٹھڑی میں آکر بیٹھ گیا۔ میں نے اپنی رائفل ایک طرف رکھ دی۔ فوجی بوٹ اتار کر اپنے پاؤں کو دبانے لگا۔ پھر رائفل کا میگزین نکال کر رکھا۔ تین راؤنڈ گولیوں کے میرے پاس موجود تھے۔ اگر کوئی میرے پیچھے آئے تو میں کچھ دیر اس کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ یا کم از کم وہاں سے ایک دو راؤنڈ فائر کر کے بھاگ سکتا تھا۔ مجھے پیاس محسوس ہوئی۔ میں باہر اس جگہ آگیا جہاں ریت کے اندر سے پانی نکل کر سنگریزوں میں آگے جا کر جذب ہو جاتا تھا۔ میں نے جی بھر کر پانی پیا۔ منہ ہاتھ پاؤں دھوئے۔ رات ہو گئی تھی۔ آسمان پر چاندی ایسے ستارے چمکنے لگے تھے۔ تھوڑی دیر بعد مشرق سے چاند ابھر کر اوپر آگیا اور صحرا میں اس کی سبز روشنی پھیل گئی۔ یہ چاندنی زیادہ تیز نہیں تھی کیونکہ چاند ڈھلا ہوا تھا۔ پھر بھی وہ مجھے دشمن کے وہاں پہنچ جانے کی صورت میں مجھے گرفتار کروا سکتی تھی میں نے سنگلاخ ٹیلوں کی طرف نظریں جما دیں۔ ہر طرف صحرا میں

سناٹا چھایا ہوا تھا۔ پھر اچانک توپوں کے گولوں کی دھیمی دھیمی مگر مسلسل گرج سنائی دینے لگی۔ اتحادی اور جرمن توپ خانے کے درمیان گولوں کا تبادلہ شروع ہو گیا تھا۔

جس طرف ہمارے مورچے تھے دور اس جانب آسمان پر رہ رہ کر چمک نمودار ہو رہی تھی۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ ہمارے مورچوں پر جرمن گولے گر رہے تھے۔ میرے لئے یہ خوش آئند بات تھی۔ اس طرح سے میں اپنی رجمنٹ یا برٹش رجمنٹ کی توجہ بننے سے محفوظ رہ سکتا تھا۔ میں تو دل میں یہی دعائیں مانگ رہا تھا کہ جرمن ٹینک ہمارے مورچوں کو روندتے ہوئے گزر جائیں تو کسی کو میرے بارے میں تحقیق کرنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ فضا سرد ہو رہی تھی۔ میں کوٹھڑی کے باہر سوکھے پتوں کے پاس بیٹھ گیا۔ اپنی رائفل میں اندر سے اٹھا لایا تھا۔ میں بالکل اپنی طرف سے مورچہ بنا کر بیٹھا تھا۔ میں نے فوجی بوٹ نہیں پہنے ہوئے تھے۔ رائفل میں نے اپنے آگے سوکھے پتوں کے چھوٹے سے گٹھے پر ڈال رکھی تھی اور صحرا کی دھندلی سبز چاندنی میں کبھی سنگلاخ ٹیلوں اور کبھی کھجور کے درختوں کے بیچ میں تک رہا تھا۔ اس قسم کے صحرائی سناٹے سے پہلے مجھے کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا۔ یہ ایسی خاموشی تھی جس میں کبھی یوں لگتا تھا جیسے کوئی سرگوشی کرتا یا آہیں بھرتا میرے قریب سے گزر گیا ہے اور کبھی یوں محسوس ہوتا جیسے دور کہیں اونٹوں کے گلے میں بندھی ہوئی گھنٹیاں بج رہی ہوں۔ میں سوچتا کہ شاید صحرا میں کہیں کوئی قافلہ گزر رہا ہو۔ توپ خانے کی گولہ باری رکی ہوئی تھی۔ چاندنی کی وجہ سے آسمان پر ستارے دھندلے ہو گئے تھے۔

نخلستان کی کھجوروں کی شاخیں سر جھکائے خاموش تھیں۔ اس لئے کہ صحرائی رات میں ہوا نہیں چل رہی تھی۔ مجھے ٹھنڈ لگنے لگی۔ میں اٹھ کر اندر گیا اور جرسی پہن کر باہر اپنے مورچے میں واپس آکر بیٹھ گیا۔ اب مجھے لیلیٰ کا انتظار تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ میں نے اس صحرائی دوشیزہ کے لئے فی الحال اپنا حال اور مستقبل تباہ کر لیا تھا لیکن مجھے خیال آتا کہ میں نے جو کچھ کیا مجھے وہی کچھ کرنا چاہئے تھا۔ لیلیٰ ایک مسلمان عرب لڑکی تھی۔ میں انگریز فوجیوں کے ہاتھوں اسے بے عزت ہوتے کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ میں مسلمان تھا۔ خدا اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا تھا اور میرے دل میں مسلمان بھائی بہنوں کے لئے محبت اور غیرت کا جذبہ موجزن تھا۔ مجھے اپنے اس فعل پر ایک لمحے کے لئے بھی پچھتاوا نہیں ہوا تھا۔ میں رائفل اپنے سامنے رکھے صحرا میں اس طرف دیکھ رہا تھا جدھر لیلیٰ گئی تھی اور

جدھر اب مجھے گاؤں کی محرابی اونچی کچی دیواریں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ صرف ان دیواروں کے سیاہ دھبے سے ہی دکھائی دے رہے تھے۔ جو گورا سارجنٹ میری گولی سے بچ کر نکل گیا تھا وہ یقیناً گھنٹے آدھ گھنٹے بعد اپنے ساتھیوں کو لے کر دوسرے گورے کی لاش اٹھانے وہاں پہنچ گیا ہو گا۔ اور اس نے اپنے بیان میں یہی بتایا ہو گا کہ یہ قتل ایک انڈین لانس نائیک نے کیا ہے۔ انڈین فوجی کے مورچے ساتھ ہی تھے۔ وہاں انہیں میرے بارے میں علم ہو گیا ہو گا کہ قاتل میں ہی ہوں۔ کیونکہ اپنی رجمنٹ سے میں ہی غائب تھا۔ اور پھر پیچھے ٹیلوں میں میری اسلحہ سے بھری ہوئی جیپ بھی انہیں مل گئی ہو گی۔ یہ وہی جیپ تھی جس پر اسلحہ برٹش فلینک کے مورچوں تک پہنچانے کا آرڈر خود میرے آفیسر کمانڈنگ نے دیا تھا۔ میری تلاش شروع ہو گئی ہو گی۔ لیکن جرمن توپوں کی گولہ باری اس تلاش میں حائل ہو رہی تھی جو میرے لئے خوش قسمتی کی بات تھی مگر دوسرے دن سورج کی روشنی میں وہ لوگ مجھے تلاش کرتے کرتے اس نخلستان تک پہنچ سکتے تھے۔ میں دل میں دعائیں مانگنے لگا کہ صبح ہونے تک وہاں جرمن فوجیں یلغار کرتی ہوئی آ جائیں۔

مجھے درختوں میں ایک سایہ اپنی طرف آتا نظر آیا۔ میں چوکس ہو گیا اور رائفل کا رخ سائے کی طرف کر دیا۔ میری انگلی رائفل کے ٹریگر پر تھی۔ مجھے غالب گمان یہی تھا کہ یہ لیلیٰ ہی ہو گی لیکن یہ کوئی دشمن بھی ہو سکتا تھا۔ سایہ ذرا قریب آیا تو دھندلی چاندنی میں میں نے اسے پہچان لیا۔ یہ لیلیٰ تھی۔ اس نے لمبا چغہ پہن رکھا تھا۔ سر پر اس چغے کا ہڈ تھا جس کے بیچ میں اس کا گورا خوبصورت چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک گول ڈبہ تھا۔ وہ میرے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ مجھے پہلی بار اس کی طرف سے کسی گہری خوشبو والے سینٹ کی مہک آئی۔ مجھے ایسا لگا جیسے میرے پاس کوئی الف لیلوی دوشیزہ کسی قدیم محل کے ایوانوں سے نکل کر آ گئی ہو۔ لیلیٰ نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

"مجھے زیادہ دیر تو نہیں لگی؟"

ابھی تک اس نے مجھ سے میرا نام نہیں پوچھا تھا اور میں نے بھی اسے اپنا نام بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ وہ میرے لئے کھانے کو میٹھی مکئی کی روٹی اور پانی لائی تھی۔ میں نے اس سے قدرے تشویش کے ساتھ پوچھا کہ گاؤں میں کوئی فوجی گاڑی تو میری تلاش میں نہیں آئی۔ لیلیٰ نے بتایا کہ گاؤں میں کسی کو خبر نہیں ہے اور کوئی فوجی گاڑی بھی وہاں

ابھی تک نہیں آئی۔ جس وقت میں نے لیلیٰ کو گورے فوجیوں کے تشدد سے بچایا تھا اس نے میک اپ نہیں کیا ہوا تھا اور اس کے لباس سے عطر کی خوشبو بھی نہیں آتی تھی۔ لیکن اب چاندنی میں اس کے ریشمی ملبوس سے عطر کی مہک بھی آ رہی تھی۔ اس کی ایک کلائی میں کسی دھات کے دو کنگن بھی تھے جو کسی وقت آپس میں کھنک اٹھتے تھے اور مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے میں چاندنی رات میں کسی خیالی قافلے کے ساتھ ان دیکھی سرزمین کی جانب سفر کر رہا ہوں۔ ابھی تک میں نے لیلیٰ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں نہیں لیا تھا۔ اتفاق سے ہمارے بازو ایک دوسرے کو چھو جاتے تھے۔

اس نے کہا۔ "صبح میں منہ اندھیرے آؤں گی اور تمہارے لئے ایک کمبل بھی لیتی آؤں گی۔ کیونکہ رات کو صحرا میں ٹھنڈ ہو جاتی ہے۔"

لیلیٰ جتنی دیر میرے پاس بیٹھی رہی اس کے ملبوس سے اٹھنے والی خوشبو نے مجھے اپنے طلسم میں جکڑے رکھا۔ دھندلی چاندنی نخلستان کے کھجور کے درختوں سے چھن چھن کر آ رہی تھی۔ دور بہت دور سنگلاخ ٹیلے درویشوں کی طرح سیاہ کمبل اوڑھے سر جھکائے بیٹھے تھے۔ چاند آہستہ آہستہ آسمان کے مغربی کناروں کی طرف جھکتا چلا جا رہا تھا۔ میرے پاس تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد لیلیٰ چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد کچھ دیر تک اس کے ملبوس کی خوشبو میرے پاس رہی۔ پھر یہ خوشبو بھی مجھ سے جدا ہو کر لیلیٰ کی تلاش میں اس کے پیچھے چل دی۔ میں ایک بار پھر چوکس ہو گیا۔ سنگلاخ ٹیلوں کے عقب میں آسمان پر کسی کسی وقت گولوں کی چمک نمودار ہو جاتی تھی۔ میں اپنے مورچوں سے کافی دور تھا۔ مجھ تک توپ خانے کے گولوں کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ گولہ باری رک رک کر ہو رہی تھی۔ مکئی کی روٹی نے مجھ پر غنودگی طاری کر دی۔ میں اٹھ کر کچی کوٹھری میں آ گیا۔ یہاں کی نیم گرم فضا نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا اور میں وہیں گھاس پھوس پر پڑ گیا۔

شاید میں گھنٹہ آدھ گھنٹہ سویا ہوں گا کہ جہازوں کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی۔ میں لپک کر کوٹھری سے باہر نکلا اور کھجور کے درختوں کے باہر جا کر آسمان کو تکنے لگا۔ چاندنی میں مجھے مشرق کی طرف جہازوں کی سرخ نیلی روشنی نظر آئی۔ یہ فوجی بمبار ہو سکتے تھے۔ وہ نخلستان کے اوپر سے زناٹوں کے ساتھ گزر گئے تھے۔ اس کے بعد دور سے بموں کے دھماکے سنائی دینے لگے۔ ہمارے مورچے ضرور تباہ ہو رہے تھے لیکن مجھے فائدہ پہنچ رہا تھا کہ اس

افراتفری میں کوئی میری تلاش نہیں کر سکتا تھا۔ تھوڑی دیر تک یہ بمباری کا سلسلہ جاری رہا پھر جہاز میرے اوپر سے گزر کر واپس چلے گئے۔

اب مجھے ایک اور خطرہ درپیش تھا کہ کہیں جرمن اور اطالوی فوجیں ایڈوانس کر کے ادھر نہ آ جائیں۔ میں انڈین آرمی کی وردی میں تھا۔ میرے پاس رائفل میں دو تین راؤنڈ ہی باقی رہ گئے تھے اور میں زیادہ دیر تک مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس ادھیڑبن میں مجھے ایک بار پھر نیند آ گئی۔ میں اس وقت جاگا جب کوئی مجھے کاندھے سے پکڑ کر ہلا رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں اپنی آنکھیں کھولتا مجھے وہی خوشبو آئی جو رات لیلیٰ کے لباس سے آ رہی تھی۔ لیلیٰ آ گئی تھی۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ کوٹھری میں پچھلی رات کا اندھیرا تھا۔ چاند مغربی افق کی لکیر سے بہت نیچے چلا گیا تھا۔ کچی کوٹھری کا چھاپہ آگے سے کھسکا دیا گیا تھا جہاں سے چاندنی کی پھیکی پھیکی کرنیں بمشکل کوٹھری کے اندر اندھیرے کو اجال رہی تھیں۔

میں اٹھ بیٹھا۔ لیلیٰ پیچھے ہٹ گئی۔ مجھے اس کے کنگنوں کی کھنک سنائی دی۔ نیم اندھیرے میں نسواری چغے کے بڈ میں لیلیٰ کا چہرہ دودھیا چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ لیلیٰ نے آہستہ سے کہا۔ "تم نے مجھے اپنا نام کیوں نہیں بتایا ابھی تک۔؟" میں نے کہا۔ "تم نے پوچھا ہی نہیں۔"

وہ ذرا سا مسکرا دی۔ "اب پوچھتی ہوں"۔ وہ ڈبے میں سے چائے کی چینک باہر نکالتے ہوئے بولی۔ اس کے لباس سے اٹھنے والی خوشبو نے کوٹھری کی فضا کو بھر دیا تھا۔ میں نے اسے اپنا نام جلال بتایا نجانے کیوں میں نے اپنا اصلی نام چھپا لیا تھا۔ اس وقت میری زبان پر یہی نام آیا اور میں نے وہی بتا دیا۔ وہ میرے لئے چائے اور ایک میٹھا بند لائی تھی۔ دو کباب بھی تھے۔ مجھے چائے وغیرہ پلانے کے بعد لیلیٰ دوپہر کو آنے کا وعدہ کر کے چلی گئی۔ میرا پھر پہلے جیسا دن شروع ہو گیا۔ اس روز دوپہر تک محاذوں پر خاموشی طاری رہی اور کسی طرف سے گولہ باری کی دھیمی دھیمی گرج سنائی نہ دی۔ دوپہر کو صحرا میں دھوپ کی وجہ سے گرمی بڑھ گئی تھی۔ میں کوٹھری کے باہر رائفل لئے زمین پر بیٹھا تھا کہ اچانک دور سے مجھے لیلیٰ نظر آئی۔ وہ تیز تیز چلنے کی کوشش کر رہی تھی اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد پیچھے بھی دیکھ لیتی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ کچھ گڑبڑ ہے۔

اس کے ہاتھ میں روٹی کا ڈبہ تھا۔ اس نے دور ہی سے مجھے کوٹھری کے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ میں جلدی سے اٹھ کر اندر چلا گیا۔ لیلیٰ بھی اندر آ گئی اس کا سانس پھولا ہوا تھا

معلوم ہوا کہ ان کے گاؤں میں ایک فوجی گاڑی آئی تھی جس میں کچھ انڈین فوجی سوار تھے اور وہ گاؤں کی تلاشی لے کر چلے گئے۔ لیلیٰ گھبرائی ہوئی تھی اسے خدشہ تھا کہ کہیں انڈین فوجی اس کوٹھی کی طرف بھی نہ آ جائیں۔ تشویش مجھے بھی ہوئی مگر میں کیا کر سکتا تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ میں اس نخلستان سے نکل کر کہاں جاؤں۔ جبکہ مجھے صحرا میں کسی راستے کی سمت کا علم نہیں ہے اور پھر دوسرے روز ساتھ والے قصبے سے بندلی جانب قافلہ بھی روانہ ہونے والا ہے۔ جس میں مجھے سفر کرنا تھا۔ وہ میرے لئے چاول لائی تھی جو قیمے میں پکائے گئے تھے۔ لیلیٰ کو میرے بارے میں جو تشویش تھی اس سے میرے دل کو ایک عجیب سرور سا محسوس ہوا تھا۔ میں نے سوچا اب اگر ملٹری پولیس مجھے پکڑ بھی لے تو کوئی پروا نہیں۔ میرے لئے یہی احساس بے حد قیمتی ہے کہ ایک خوبصورت عرب لڑکی میری جدائی میں سوگوار ہو گی۔ لیلیٰ کہنے لگی۔

"میرا زیادہ دیر یہاں رہنا ٹھیک نہیں۔ اب میں جاتی ہوں۔ رات کو آؤں گی۔ میں نہیں چاہتی کہ میرے رشتہ داروں یا گاؤں کے لوگوں کو شک ہو کہ میں کھانے کا ڈبہ لے کر کہاں جاتی ہوں۔"

لیلیٰ چلی گئی۔ جو خوشبو وہ اپنے ساتھ لائی تھی وہ بھی اس کے ساتھ ہی چلی گئی۔ میری آنکھوں میں صرف اس کا چاند ایسا چہرہ اس چہرے کا مسکراتا ہوا عکس ہی باقی رہ گیا۔ کسی نہ کسی طرح میں نے دن وہاں گزار دیا۔ شام ہوئی۔ صحرا میں خنکی پھیلنے لگی۔ پھر رات ہو گئی صحرا کے آسمان پر ستارے نکل آئے اور دور چاند مشرقی افق پر نمودار ہو لیا۔ تھوڑی دیر بعد لیلیٰ میرے لئے کھانا لے کر آ گئی۔ اس رات وہ میرے لئے کپڑے بھی لائی تھی۔ یہ کپڑے ایسے تھے جیسے اس علاقے کے عرب پہنتے تھے۔ لمبا چغہ' سر کا ٹپکا' ڈھلی ڈھلی شلوار اور ایک چمڑے کی جوتی 'اس نے کہا۔

"میں منہ اندھیرے ایک اونٹنی لے کر آؤں گی۔ تم اسی وقت اس اونٹنی پر سوار ہو کر دوسرے قصبے کی طرف چل دو گے اونٹنی اپنے آپ تمہیں ساتھ والے قصبے میں پہنچا دے گی۔ تم قصبے کے باہر ہی اونٹنی کو چھوڑ دینا۔ وہ ہمارے گھر خود ہی آ جائے گی۔"

پھر لیلیٰ نے مجھے ایک لفافہ دیا اور بولی

"اس میں کچھ پاؤنڈ ہیں۔ یہ تمہارا ابن غازی تک کا خرچ ہے۔"

اس کے بعد وہ خاموش ہو گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کا سانس کچھ تیز ہو گیا تھا۔ میں نے پہلی بار لیلیٰ کا ہاتھ اپنے کھردرے فوجی ہاتھ میں لے لیا۔ لیلیٰ کے ہاتھ میں ذرا جنبش ہوئی اور پھر وہ اپنی جگہ پر ساکت ہو گیا۔ میں نے لیلیٰ سے پوچھا کہ بن غازی میں اس کا گھر کہاں ہے اور وہ خود کب بن غازی جائے گی۔ لیلیٰ نے گہرا سانس لیا۔ یہ اس کے سانس کی خوشبو تھی یا اس کے کپڑوں سے طلوع ہو رہی تھی۔ مجھے یوں لگا جیسے خوشبوؤں کے سمندر نے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ لیلیٰ نے مجھے بن غازی میں ایک لیڈیز گارمنٹ اسٹور کا پتہ بتایا۔ میں نے پنسل سے یہ ایڈرس اپنی پاس بک کے ایک ورق پر لکھ لیا اور وہ ورق پاس بک سے پھاڑ کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔ کیونکہ پاس بک اور رائفل وردی مجھے وہیں نخلستان میں دفن کر کے وہاں سے جانا تھا۔ لیلیٰ کی اس سہیلی کا نام لبنیٰ تھا۔ اور وہ اس لیڈیز گارمنٹ اسٹور پر کام کرتی تھی۔ لیلیٰ نے بتایا کہ وہ اگلے ہفتے بن غازی پہنچے گی میں نے لیلیٰ سے صرف پندرہ پونڈ لے کر اپنے پاس رکھ لئے۔ باقی اسے واپس کر دئے وہ جانے لگی تو میں نخلستان کے آخری درخت تک اس کے ساتھ گیا۔ میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ میں کچھ نہ بول سکا۔ لیلیٰ بھی خاموش تھی۔ مغرب کی طرف وہ چاند جھکا ہوا تھا لیلیٰ نے ایک سانس بھرا اور آہستہ سے اپنا ہاتھ چھڑا کر گاؤں کی اونچی محرابی دیواروں کی طرف چل دی۔ صحرا کی دھندلی زرد چاندنی میں میں اسے اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک کہ وہ میری نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی۔

میں لیلیٰ کا تصور آنکھوں میں لئے سو گیا۔

یہ بات میرے لاشعور میں تھی کہ مجھے منہ اندھیرے بیدار ہونا ہے۔ کیونکہ لیلیٰ میرے لئے اونٹنی لے کر آنے والی تھی جس پر سوار ہو کر مجھے ساتھ والے گاؤں جانا تھا جہاں ایک قافلے کے ساتھ سفر کرتے ہوئے جنوبی قصبے اور پھر وہاں سے لاری میں بیٹھ کر بن غازی پہنچنا تھا چنانچہ اس خیال سے تھوڑی تھوڑی دیر بعد میری آنکھ کھل جاتی۔ میں کوٹھری سے باہر نکل کر دیکھتا کہ رات کتنی باقی ہے۔ مشرق کی جانب ہمارے مورچوں کے اوپر دور آسمان پر گولہ باری کی چمک کچھ زیادہ ہی تھی۔ مگر اب میں اپنی فوجوں اور جرمن فوجوں سے بے نیاز ہو چکا تھا میری زندگی کا ایک نیا باب شروع ہونے والا تھا ایک نئی صبح طلوع ہو رہی تھی جس کی آغوش میں ان دیکھی مصیبتوں کے شعلے بھی تھے اور میری محبتوں کے چاند بھی گمنام پر سکون وادیوں میں اپنی نیلگوں خوشبودار چاندنی نچھاور کر رہے تھے میں انجام سے بے خبر لیلیٰ کی محبت میں سرشار ہو چکا تھا۔

ایک بار پھر آنکھ کھلی تو آسمان پر چاند مغربی افق پر کافی نیچے جا چکا تھا اس کا مطلب تھا کہ یہی رات کا پچھلا پہر تھا میں نے چلنے کے تیاری شروع کر دی اپنی فوجی وردی اتار کر عربوں جیسا لباس پہنا سر پر صافہ باندھا چغہ پہن لیا نقدی اور وہ کاغذ جس پر لیلیٰ کی بن غازی والی دوست کا نام اور پتہ لکھا ہوا تھا اپنی قمیض کی اندرونی جیب میں سنبھال کر رکھ لیا اپنی وردی' فوجی بوٹ' اور پاس بک وغیرہ وہیں چھوٹا سا گڑھا کھود کر زمین میں دفن کر دی۔ رائفل میں اپنے پاس ہی رکھنا چاہتا تھا کیونکہ ابھی مجھے صحرا میں سے گزرنا تھا۔ اور راستے میں کسی بھی انڈین فوجی جیپ سے مدبھیڑ ہو سکتی تھی کھجوروں کے درمیان جو چھوٹا سا چشمہ بہہ رہا تھا وہاں میں نے منہ دھویا، کھجور کے درختوں میں بیٹھ کر لیلیٰ کا انتظار کرنے لگا۔

پھر کچھ دیر کے بعد مجھے دور سے ایک اونٹ کا ہیولا دکھائی دیا۔ یہ ہیولا پھیکی اداس زرد صحرائی چاندنی میں قریب آیا تو اس پر لیلیٰ ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ کھجور کے درختوں کے پاس آکر اس نے اونٹنی کو نیچے بٹھایا اور خود اتر کر میرے پاس آگئی اس نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ میرا بدلا ہوا لباس دیکھ کر وہ مسکرائی' چاندنی میں اس کے سفید دانت موتیوں کے طرح چمکنے لگے۔ اس نے کہا کہ میں بالکل عرب لگتا ہوں میں کچھ بولنے لگا تو اس نے میرے ہونٹوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اس کی ریشمی گوری انگلیوں میں سے حنائی خوشبو اٹھ رہی تھی۔ لیلیٰ نے آہستہ سے اونٹنی کی طرف اشارہ کرتے کہا۔ "یہ تمہیں ساتھ والے قصبے میں لے جائے گی۔ تم دونوں دو گھنٹے بعد پہنچ جاؤ گے اونٹنی کی باگ اپنے ہاتھوں میں مت رکھنا یہ اپنے آپ تمہیں منزل تک لے جائے گی قصبے کے باہر ہی اس سے اتر کر اسے چھوڑ دینا یہ ہمارے پاس آجائے گی۔"

وہ خاموش ہو گئی میں نے لیلیٰ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تب لیلیٰ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور رکی رکی سی آواز میں بولی۔

"دیر نہ کرو جلال! قافلہ پہلے پہر چل پڑے گا۔"

میں نے جیسے کچھ نہیں سنا تھا۔ "تم جلدی بن غازی پہنچ جانا میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

لیلیٰ نے خشک جذباتی آواز میں کہا۔ "ہاں------- تم اب جاؤ اللہ کے لئے۔"

اور وہ ایک دم منہ پھیر کر اپنے گاؤں کی طرف صحرا میں چل دی۔ میں عرب لوگوں کے عام لباس میں تھا مگر رائفل میرے کاندھے سے لٹک رہی تھی۔ جب لیلیٰ میری نظروں سے اوجھل ہو گئی تو میں اللہ کا نام لے کر اونٹنی کے کجاوے پر بیٹھ گیا میں نے اس سے پہلے اپنے گاؤں میں دو چار مرتبہ اونٹ کی سواری کی تھی اور مجھے معلوم تھا کہ اونٹ کس طرح اٹھتا اور بیٹھتا ہے یہ اونٹنی سدھائی ہوئی تھی جونہی میں اس پر بیٹھا وہ اٹھ کھڑی ہوئی میں نے لیلیٰ کی ہدایت کے مطابق اس کی باگ اپنے ہاتھ میں نہیں لی تھی۔ اونٹنی اٹھی اس نے مشرق کی طرف رخ کیا اور صحرا میں چل پڑی مجھے شروع شروع میں کچھ بے چینی سی محسوس ہوئی لیکن پھر میں اس کا عادی ہو گیا۔ ویسے بھی یہ سفر بقول لیلیٰ کے زیادہ طویل نہیں تھا اونٹنی پچھلے پہر کی زرد دھندلی چاندنی میں صحرا میں اپنے آپ چلی جا رہی تھی۔ اس کی چال یکساں تھی اور صاف لگ رہا تھا کہ وہ اس راستے کی عادی ہے ایک گھنٹہ کے بعد ہم ریت

کے ٹیلوں کے اسی سلسلے میں داخل ہو گئے۔ ابھی ہم ریت کے ٹیلوں میں سے ہی گزر رہے تھے کہ سورج طلوع ہو گیا اور صحرا میں چاروں طرف روشنی ہی روشنی ہو گئی۔ ریت کے چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔

میں نے دیکھا کہ اونٹنی ایک صحرائی راستے پر چل رہی تھی اس راستے پر پہلے ہی اونٹ وغیرہ چلتے رہے تھے۔ سورج اوپر آگیا تھا اور صحرا کی فضا جو رات بھر سردی سے ٹھٹھر رہی تھی اب گرم ہونے لگی تھی میں فوجی وردی میں نہیں تھا میں نے اس علاقے کے لوگوں کا لباس پہن رکھا تھا صرف فوجی رائفل ہی میرے پاس تھی جو میں نے اپنے آگے رکھ لی تھی میرا خیال ہے کہ میں نے صحرا میں دو گھنٹے کے قریب سفر کیا ہو گا کہ دور سے مجھے کسی قصبے کے آثار دکھائی دینے لگے پہلے کھجوروں کے دو ایک جھنڈ نظر آئے پھر کچھ مکانوں کی اونچی اونچی کچی دیواریں دکھائی دینے لگیں۔ میں انگور کے ایک چھوٹے سے باغ کے قریب سے گزرا باغ میں کچھ لوگ کام وغیرہ میں لگے ہوئے تھے۔ انہوں نے میری طرف دیکھنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ باغ کے کونے میں دو اونٹ بیٹھے جگالی کر رہے تھے دھوپ کی گرمی کی شدت بڑھنے لگی تھی اور مجھے پسینہ آرہا تھا اب میں اس فوجی رائفل سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا کیونکہ یہ رائفل مجھے کسی مشکل میں گرفتار کر سکتی تھی۔ ابھی قصبہ تھوڑی دور ہی تھا کہ اونٹنی ایک نشیب میں اتر گئی یہاں ببول کی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں میں نے اپنی رائفل ان جھاڑیوں میں پھینک دی۔

قصبے کے باہر دو چار کھیت تھے۔ قصبہ سامنے تھا میں نے اونٹنی کی باگ پکڑ کر اسے روک دیا اونٹنی اگلے گھٹنوں پر جھکی میں پیچھے کو ہو گیا اور اونٹنی بیٹھ گئی یوں لگتا تھا کہ اسے سب کچھ پہلے ہی سے سکھا دیا گیا تھا بہرحال میں اونٹنی سے اتر پڑا۔ میری ٹانگیں لکڑی کی طرح سخت ہو گئی تھیں اونٹ کی سواری بڑی دیر بعد کرنے کا اتفاق ہوا تھا میں وہیں زمین پر اٹھک بیٹھک کرنے لگا تاکہ ٹانگوں میں خون دوبارہ اچھی طرح سے گردش کرنے لگے میرے اترنے کے ساتھ ہی اونٹنی اٹھ کھڑی ہوئی اس نے اپنا رخ پیچھے کو کیا اور جدھر سے آئی تھی ادھر کو چل پڑی میں نے اپنا رخ قصبے کے طرف کر لیا۔ قصبے کے باہر ایک شخص لکڑیاں کاٹ رہا تھا میں نے اس سے پوچھا کہ بنولی قصبہ کو قافلہ کہاں سے جائے گا۔ وہ میرا منہ تکنے لگا شاید وہ اس لئے حیران ہو رہا تھا کہ میں نے لباس تو عربی پہن رکھا تھا مگر بات اردو میں کر رہا تھا

میں بھول گیا کہ مجھے اردو میں بات نہیں کرنی چاہئے۔ لیکن سوال یہ تھا کہ پھر میں اس سے کونسی زبان میں بات کرتا عربی مجھے آتی نہیں تھی۔ میں نے بنولی قصبے کا نام لے کر اس سے کچھ پوچھنا چاہا مگر وہ ہر بار نفی میں سر ہلاتا رہا۔

میں اسے حیران چھوڑ کر قصبے میں آگیا اب میں نے کسی سے کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا اور کسی ایسی جگہ کی تلاش شروع کر دی جہاں دس بارہ اونٹ اکٹھے بیٹھے ہوں ظاہر ہے قافلہ وہیں سے جانے والا ہو گا۔ یہ چھوٹا سا قصبہ تھا صرف ایک بازار تھا جہاں کچھ دکانیں کھلی تھیں دو شخص اونٹ لئے میرے قریب سے گزر گئے میں چلتا چلتا قصبے کے دوسرے کنارے کی طرف آیا تو میری نظر ایک سرائے نما عمارت پر پڑی جس کے محرابی دروازے کے آگے کیکر کے درختوں کی چھاوں میں سات آٹھ اونٹ کھڑے جگالی کر رہے تھے۔ ان پر آدمی بیٹھے ہوئے تھے میں بڑا خوش ہوا۔ یقیناً یہی وہ قافلہ تھا جو بنولی قصبے کی طرف سفر کرنے والا تھا ایک جگہ تخت پر ایک بھاری بھر کم شخص بیٹھا قہوہ پی رہا تھا اس کے پاس دو آدمی زمین پر بیٹھے تھے میں یہاں کسی پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ مجھے عربی نہیں آتی۔ قافلہ بھی تیار تھا میں نے جیب سے ایک پاؤنڈ نکال کر تخت پر بیٹھے عرب کی طرف بڑھیا اور ذرا سا کھانس کر کہا "بنولی" یہ اس قصبے کا نام تھا جدھر میرے خیال کے مطابق اس قافلے کو جانا تھا تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھا پاؤنڈ کو دیکھ کر تخت پر بیٹھے ہوئے اس شخص کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس نے عربی میں کچھ کہا جس کی مجھے کچھ سمجھ نہ آئی اس نے ساتھ ہی اونٹوں کی طرف اشارہ بھی کیا تھا میں باقی ریز گاری کا بھی انتظار نہ کیا اور اونٹوں کی طرف چلا اس عرب نے ایک آدمی کو آواز دے کر عربی زبان میں کچھ کہا تھا یہ آدمی شاید امیر قافلہ تھا وہ ایک اونٹ پر کچھ سامان لاد رہا تھا اس نے میری طرف دیکھا اور ہاتھ کے اشارے سے اونٹ پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے مجھ سے عربی زبان میں کچھ پوچھا نہیں تھا۔

میں اونٹ کے پاس آگیا یہ اونٹ ابھی زمین پر بیٹھا تھا میں اس کے کجاوے پر بیٹھ گیا قصہ مختصر تھوڑی دیر بعد میں اس چھوٹے سے قافلے کے ساتھ قصبہ بنولی کی طرف جا رہا تھا لیلیٰ نے ٹھیک کہا تھا یہ پورے دن کا سفر تھا دھوپ میں صحرا کا یہ سفر کافی تکلیف دہ تھا۔ وہ لوگ اتنی گرمی میں سفر کرنے کے عادی تھے۔ فوجی زندگی نے مجھے بھی کافی حد تک سخت جان بنا دیا تھا مگر اس کے باوجود میں پسینے میں شرابور ہو گیا۔ راستے میں دو جگہوں پر قافلے نے نخلستان

میں پڑاؤ کیا۔ ایک جگہ کھانا کھایا ایک جگہ قہوہ پیا گیا اس سفر کی کلفت کسی حد تک دور ہو گئی تھی۔ سورج غروب ہو چکا تھا کہ قافلہ ایک کافی بڑے قصبے میں داخل ہو کر ایک سرائے میں اتر گیا یہ بنولی قصبہ تھا یہاں پہلی بار بجلی کی روشنی نظر آئی یہاں سے مجھے لاری میں بیٹھ کر بن غازی جانا تھا۔ بن غازی لیبیا کا بڑا شہر تھا اور اس قصبے سے دس گھنٹوں کی فاصلے پر تھا۔ یہاں لوگ عربی یا فرانسیسی بولتے تھے کچھ پڑھے لکھے لوگ بھی مل گئے جو تھوڑی بہت انگریزی کے لفظ سمجھ لیتے تھے ان سے معلوم ہوا کہ بن غازی کو لاری صبح سویرے جائے گی ایک ہوٹل میں کھانا کھایا اور سرائے میں واپس آگیا جنگ کی وجہ سے یہاں رات کو بلیک آؤٹ ہوتا تھا لوگوں نے تیل کے لیمپ وغیرہ جلا لئے تھے جن پر شیڈ پڑے تھے۔

کسی نہ کسی طرح رات میں نے سرائے میں ہی بسر کر لی صبح سویرے ایک لاری بن غازی کی طرف روانہ ہو گئی۔ یہ لاری عرب مسافروں سے بھری ہوئی تھی۔ ان مسافروں میں کچھ پڑھے لکھے بھی تھے جنہوں نے پتلونیں اور فرانسیسی ٹی شرٹیں پہن رکھی تھیں۔ وہ عربی اور فرانسیسی بول رہے تھے دس گھنٹے کا سفر تھا راستہ ویران اور صحرائی تھا۔ گرمی کافی شدید تھی لیکن لاری راستے میں پڑاؤ کرتی جا رہی تھی دن ڈھلے سڑک کشادہ اور پختہ ہو گئی اور کنارے پر کہیں کہیں کھجور کے درختوں کے جھنڈ ملنے لگے۔ کچھ کارخانے اور انجیر کے باغ بھی گزرے بن غازی شہر کے مضافات شروع ہو گئے تھے۔ دو فوجی ٹرک ایک دوسرے کے پیچھے تیزی سے گزر گئے میں اپنی سیٹ پر سمٹ گیا یہ برٹش آرمی کے ٹرک تھے۔ اپنی گرفتاری کا خطرہ ایک بار پھر میرے سر پر منڈلانے لگا لیکن مجھے اتنا خوف نہیں تھا کیونکہ ایک تو میں نے عربی لباس پہن رکھا تھا جس سے میرا حلیہ کافی بدل چکا تھا اور میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ عربوں کی طرح چھوٹی داڑھی رکھ لوں گا۔

پہلے میں نے سوچا تھا کہ بن غازی سے مصر کی طرف نکل جاؤں گا اور جب تک جنگ ختم نہیں ہوتی وہیں کسی جگہ چھپ کر دن گزار لوں گا لیکن لیلیٰ سے ملاقات کے بعد میرا ارادہ متزلزل ہو گیا تھا اس سے جدا ہونے کو دل نہیں چاہتا تھا یوں محسوس ہونے لگا تھا کہ میرا سارا وجود اس کی محبت میں ڈھل گیا ہے اور اگر میں اس سے جدا ہو تو زندہ نہ رہ سکوں گا میں لیلیٰ کے ملبوس اور اس کی حنائی انگلیوں سے اٹھنے والی خوشبو میں گم خوشبو دار سرگوشیوں سے لبریز وادیوں میں پہنچ چکا تھا۔ مجھے بن غازی کے کسی الف لیلوی محل کی

محرابی کھڑکی میں اپنی لیلیٰ کھڑی نظر آرہی تھی جس کے ہاتھ میں سرخ گلاب کے پھول تھے اور جو چلمن کے ساتھ لگی میری آمد کی منتظر تھی دو چار کار خانے گزر گئے دور سے بن غازی شہر کی عمارتیں نظر آنے لگی تھیں۔ ابھی دن کا گلابی اجالا باقی تھا کہ لاری بن غازی شہر میں داخل ہو گئی جنگ کی وجہ سے سڑکوں پر جگہ جگہ ہوائی حملے سے بچاؤں کے لئے خندقیں کھدی ہوئی تھیں۔

لاری اڈے پر میں لاری سے اترا میرے کپڑوں پر ریت پڑی تھی چہرہ بھی گرد آلود تھا وہیں ایک نلکے پر کپڑے جھاڑ کر منہ ہاتھ دھویا اور ایک چھوٹے سے چائے خانے میں بیٹھ کر چائے پینے لگا بن غازی کے صحت مند خوش شکل باشندے اونچی اونچی آواز میں عربی زبان میں باتیں کر رہے تھے کسی کو میری طرف خاص متوجہ ہونے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ میں بھی انہی کے لباس میں تھا۔ یہاں میں نے پہلی بار جیب سے رومال نکالا کر اپنی رقم گئی میرے پاس پندرہ سولہ پاؤنڈ تھے وہ اس زمانے میں اچھی خاصی رقم تھی۔ پھر میں نے لیلیٰ کی سہیلی لبنیٰ کے لیڈیز گارمنٹ اسٹور کا ایڈریس غور سے پڑھا میں اس خیال سے کسی سے یہ پتہ نہیں پوچھ رہا تھا کہ کوئی یہ نہ سوچے کہ مجھے زنانہ ملبوسات کے اسٹور میں کیا کام ہو سکتا ہے۔ یہ پتہ میں کسی عورت سے پوچھنا چاہتا تھا لیکن سب سے پہلے مجھے کسی ایسی جگہ کی ضرورت تھی جہاں میں رات بسر کر سکوں اور یہ جگہ کوئی ہوٹل ہی ہو سکتا تھا میں قہوہ خانے سے نکل کر ایک بارونق سڑک پر آگیا شام کا ہلکا ہلکا اندھیرا اترنا شروع ہو گیا تھا مجھے معلوم تھا کہ اس شہر میں بھی رات کو بلیک آؤٹ ہو گا اور دکانوں' مکانوں میں مٹی کے تیل کے لیمپ وغیرہ ہی روشن رہیں گے۔ بلیک آؤٹ ہونے سے پہلے پہلے میں کسی ہوٹل میں کمرے لے لینا چاہتا تھا۔

میں بازاروں میں پھرنے لگا یہ شہر کے درمیانے درجے کا علاقہ تھا دکانوں کے بورڈ عربی یا فرانسیسی میں لکھے تھے بہر حال مجھے ایک ہوٹل میں کمرہ مل گیا یہ بڑا سستا کمرہ تھا اور میں کوئی کام ملنے تک یہاں کچھ روز قیام کر سکتا تھا میں نے اسی شہر میں رہنے کا پروگرام بنا لیا تھا کیونکہ یہ میری محبت' میری محبوبہ' اور میری لیلیٰ کا شہر تھا رات میں نے ہوٹل میں گزاری دوسرے دن تازہ دم ہو کر لیلیٰ کی سہیلی لبنیٰ کی تلاش میں میں نکل کھڑا ہوا۔ بن غازی کے خالص مشرقی بھی تھے اور مغربی طرز کی عمارتیں اور اسٹورز بھی موجود تھے میں ایک

چھتے ہوئے الف لیلوی بازار سے بھی گزرا جہاں دکانوں پر سامان باہر تک آیا ہوا تھا اور نیم روشن قہوہ خانوں میں عربی میوزک کی دھنیں گونج رہی تھیں میں کسی ایسی عورت کی تلاش میں تھا جو پڑھی لکھی ہو اور مجھے لبنیٰ کے گارمنٹ اسٹور کا پتا بتا دے۔

میں ایک کیمسٹ کی دکان کے قریب گزرا تو مجھے انگریزی لباس میں ملبوس ایک ادھیڑ عمر عورت باہر نکلتی نظر آئی میں نے قریب جا کر بڑے ادب سے اسے سلام کیا اور کاغذ آگے بڑھا کر انگریزی میں کہا کہ مجھے اس جگہ جانا ہے ادھیڑ عمر عورت نے کاغذ پر لکھی ہوئی عربی کی عبارت کو غور سے پڑھا اور مجھے انگریزی میں کہا کہ یہ اسٹور وہاں سے چار بلاک چھوڑ کر دو شیروں والے پارک کے سامنے ہے میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور آگے روانہ ہوا۔ چار بلڈنگوں کے بلاک گزرنے کے بعد دائیں جانب مجھے ایک پارک کا گیٹ نظر آیا جس کے دروازے کے اوپر دو شیروں کے مجسمے بنے ہوئے تھے اس کے سامنے نظر ڈالی تو عربی زبان میں اسی اسٹور کا بورڈ لگا تھا جس کا نام لیلیٰ نے مجھے لکھوایا تھا میں اسٹور میں داخل ہو گیا یہ کافی بڑا اسٹور تھا اور کئی عورتیں اور بچے وہاں پر موجود تھے۔ اسٹور کی لڑکیاں عورتوں کو مختلف کپڑے دکھا رہی تھیں کاؤنٹر پر ایک لڑکی جس کے بال کٹے ہوئے تھے کاپی پر کچھ لکھ رہی تھی میں اس کے پاس چلا گیا اس نے میری طرف دیکھا اور مسکرا کر پوچھا۔

"کیا آپ کو لیڈیز کپڑے چاہئیں۔"

یہ جملہ اس نے انگریزی میں بولا تھا۔ حالانکہ میرا لباس عربوں جیسا تھا مگر خدا جانے وہ مجھ سے عربی میں کیوں مخاطب نہ ہوئی تھی۔ میں نے موقع غنیمت جانا اور کہا۔ "میں مسلمان ہوں اور لبنیٰ سے ملنا چاہتا ہوں۔ میرے پاس اس کے ایک رشتے دار کا ضروری پیغام ہے۔"

لڑکی نے اسی طرح مسکراتے ہوئے ایک طرف اشارہ کیا اور کہا۔ "جس لڑکی نے نیلا فراک پہنا ہوا ہے وہی لبنیٰ ہے۔"

میں نے شکریہ ادا کیا اور لبنیٰ کے قریب جا کر شیلفوں اور الماریوں میں لگی ہوئی عورتوں کی پسند کی چیزوں کو دیکھنے لگا۔ لبنیٰ ایک گاہک عورت سے بات چیت کر رہی تھی میں نے اس کا کن انکھیوں سے جائزہ لیا۔ وہ لیلیٰ کی ہم عمر تھی۔ رنگ گورا اور بال سیاہ اور انگریزی فیشن کے تھے۔ نیلا فراک گھٹنوں سے نیچے تک آیا ہوا تھا۔ چہرے پر ایک خاص

متانت اور ٹھہراؤ تھا جو عام طور پر اس عمر میں نہیں ہوا کرتا۔ جب وہ عورت کو قیمت بتانے کے بعد ایک طرف چلنے لگی تو میں جلدی سے اسکے پاس آگیا۔ اور انگریزی میں پوچھا۔

"کیا لبنیٰ آپ ہی کا نام ہے؟"

"ہاں۔" لبنی نے تعجب سے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔"

میں نے لیلیٰ کے ہاتھ کا لکھا ہوا پتہ اس کے سامنے کر دیا اور کہا۔

"میرا نام جلال ہے۔ تمہارا ایڈریس مجھے لیلیٰ نے دیا تھا۔ لیلیٰ سے میری ملاقات اس کے گاؤں میں ہوئی تھی۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں بتا سکتا۔ مجھے لیلیٰ کے گھر کا ایڈریس چاہئے۔"

لبنیٰ عجیب سی نظروں سے بار بار پلکیں جھپکتے ہوئے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"مس لبنیٰ میری خواہش ہے کہ تم میرا ذکر ابھی کسی سے نہ کرو۔ میں جانتا ہوں کہ لیلیٰ ابھی گاؤں سے واپس نہیں آئی۔ وہ تین چار دن بعد آئے گی۔ اور ابھی مجھے لیلیٰ کے گھر جانا بھی نہیں ہے۔ میں پیشگی طور پر تم سے ملنے آگیا ہوں۔ اگر تمہیں برا لگا ہو تو میں معافی چاہوں گا۔"

لبنیٰ نے عربی لہجے کی انگریزی میں کہا۔ "نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ لیکن میں ابھی تک کچھ نہیں سمجھ سکی کہ تم کون ہو اور لیلیٰ سے تمہارا کیا رشتہ ہے۔ لیلیٰ نے تمہارے بارے میں کبھی ذکر نہیں کیا۔ جلال نام ہے ناں تمہارا؟"

"ہاں---- یہی نام ہے۔" میں نے اپنے آپ کو مجتمع کرتے ہوئے کہا۔ "لیلیٰ ایک نیک دل خاتون ہے۔ یوں سمجھ لو کہ اس کے مجھ پر بڑے احسان ہیں۔ ویسے بھی پہلی بار بن غازی آیا ہوں اور میرا خیال ہے کہ لیلیٰ خود ہی تمہیں میرے بارے میں بتا دے گی۔ میں پرسوں آکر تم سے پتہ کر جاؤں گا کہ لیلیٰ بن غازی واپس آئی ہے یا نہیں۔"

لبنیٰ اب بھی میری طرف دیکھے جا رہی تھی۔ وہ یقیناً میرے انگریزی بولنے کے لہجے سے سمجھ گئی ہو گی کہ میں عرب ملک کا رہنے والا نہیں ہوں۔ میں اپنے بارے میں اسے مزید کچھ بتانا بھی نہیں چاہتا تھا۔ میں نے جلدی سے لبنیٰ کو خدا حافظ کہا اور اسٹور سے باہر نکل آیا

اور بن غازی شہر کے الف لیلوی بازاروں میں گھومنے لگا۔ دوپہر کا کھانا بھی میں نے ایک چھوٹی سی دکان میں بیٹھ کر کھایا جس کے باہر "مطعم" کا بورڈ لکھا تھا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ عربی میں مطعم اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں بیٹھ کر کھانا کھایا جائے۔

شام کو میں اپنے ہوٹل میں آگیا۔ رات کو پھر بلیک آؤٹ تھا۔ میں باہر نہ نکل سکا۔ سارا شہر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ دوسرا دن بھی میں نے کچھ ہوٹل میں بیٹھ کر اور کچھ ادھر ادھر گھوم پھر کر گزار دیا۔ اس دوران مجھے ایک بازار میں دو گورے ملٹری پولیس والے نظر آئے میں ان سے آنکھ بچا کر گزر گیا۔ بن غازی کے بازاروں میں لوگوں کا ہر وقت اتنا ہجوم ہوتا تھا کہ وہاں چھپ کر نکل جانا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ تیسرے روز صبح کو میں لبنیٰ کے اسٹور میں پہنچ گیا۔ اس روز لبنیٰ نے گلابی رنگ کا فراک پہن رکھا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھا اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔ دکاندارانہ انداز میں ذرا مسکرا کر بولی۔ "آئی ایم سوری مسٹر جلال! لیلیٰ ابھی تک نہیں آئی۔" اور یہ کہہ کر وہ گاہک عورتوں کی طرف متوجہ ہو گئی۔ میں مایوس سا ہو کر اسٹور سے نکل آیا۔ لیلیٰ کی یاد نے مجھے بے قرار کر دیا تھا۔ اس کے ملبوس کی خوشبو ہر وقت چلتے پھرتے میرے ذہن میں بسی رہتی تھی۔ رات کو میں نے اسے خواب میں دیکھا کہ وہ صحرا میں میرے ساتھ جا رہی ہے۔ آسمان کے وسط میں زرد چاند چمک رہا ہے۔ چاروں طرف چاندنی نے صحرا کو منور کر رکھا ہے۔ ہم ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے چل رہے ہیں۔ پھر ایک نخلستان سامنے آ جاتا ہے۔ ہم چشمے کے کنارے بیٹھ کر ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگتے ہیں۔ میں نے لیلیٰ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا اور اسے اپنے ہونٹوں کے قریب لا رہا تھا کہ میری آنکھ کھل گئی۔ میرے کمرے کی چھت کا پنکھا آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ نیلے رنگ کا زیرو کا بلب دیوار میں فرش کے بالکل قریب روشن تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں کہ شاید خواب میں لیلیٰ سے دوبارہ ملاقات ہو جائے مگر خواب ایک بار بکھر جائے تو پھر اس کا واپس آنا ناممکن ہوتا ہے باقی رات مجھے نیند نہ آئی۔ یونہی مین نے مزید دو دن گزار دئے۔

اب میں جان بوجھ کر ایک دو دن بعد لبنیٰ کے اسٹور میں جانا چاہتا تھا کہ مجھے یہ نہ سننا پڑے کہ لیلیٰ ابھی تک نہیں آئی۔ میں دن کے کوئی گیارہ بجے کے قریب لیڈیز اسٹور میں آیا۔ مجھے یقین تھا کہ لیلیٰ بن غازی واپس آ چکی ہو گی۔ میں نے دور سے لبنیٰ کو دیکھ لیا۔ وہ ایک

الماری کے پاس کھڑی ہینگروں میں زنانہ ملبوسات لگا رہی تھی۔ میں قریب گیا تو اس نے پہلی بار میری طرف مسکرا کر دیکھا۔ میں سمجھ گیا کہ لیلیٰ آگئی ہے اور اس نے لبنیٰ کو میرے بارے میں بہت کچھ بتا دیا۔ میں نے سلام کیا۔ لبنیٰ نے اسی طرح مسکراتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "لیلیٰ نے مجھے تمہارے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔"

ایک پل کے لئے میں سٹ سا گیا۔ کیا لیلیٰ نے اسے یہ بھی بتا دیا ہے کہ میں انڈین آرمی سے ایک گورے فوجی کا خون کر کے بھاگا ہوں؟ پھر سوچا کہ اگر بتا بھی دیا ہوگا تو یہ لیلیٰ کی گہری سہیلی اور دوست ہے یہ اس کے اور میرے راز کی حفاظت کرے گی۔ ویسے بھی اگر لیلیٰ نے یہ راز لبنیٰ کو بتا بھی دیا ہے تو اب میں کیا کر سکتا تھا۔ میں اس راز کو اس کے ذہن کی تختی سے نہ نہیں سکتا تھا۔ میں نے لبنیٰ کو کریدتے ہوئے پوچھا۔ "کیا بتایا تھا لیلیٰ نے تمہیں مس لبنیٰ ------ پلیز! کیا تم مجھے بتاؤ گی؟"

لبنیٰ نے ادھر ادھر دیکھا اور بولی۔ تمہیں شاید معلوم نہیں کہ یہ لیڈیز اسٹور ہے او یہاں بہت کم مرد اکیلے آتے ہیں۔ مجھے تم سے کچھ باتیں بھی کرنی ہیں۔ ہمارے اسٹور کے پیچھے ایک ریستوران ہے شارلیان ریستوران ------ میں ایک گھنٹے بعد تمہیں وہاں ملو گی۔ مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

لبنیٰ مجھ سے کیا ضروری باتیں کرنا چاہتی ہے۔ میں اسٹور سے باہر آیا۔ تو میرے دل میں طرح طرح کے وسوسے بیدار ہو رہے تھے۔ میں نے کبھی کسی سے سنا تھا کہ جہاں محبت جائے وہاں ہزاروں بدگمانیاں بھی جنم لے لیتی ہیں۔ اب مجھے اس کا تجربہ ہو رہا تھا۔ میرا د کبھی مجھے کسی بات سے ڈراتا کبھی کوئی خدشہ سامنے آن کھڑا ہوتا میں نے ان سب خیالو اور وسوسوں کو ایک ساتھ جھٹک کر دل سے نکال دیا اور بازاروں کی رونق میں کھو جانے کوشش کرنے لگا۔ مجھے کسی نہ کسی طرح ایک گھنٹہ گزارنا تھا۔ بن غازی ایسے پر ہجوم شہر ایک گھنٹہ دو تین بازاروں کے چکر لگانے میں ہی گزر گیا۔ میں لبنیٰ والے لیڈیز اسٹور عقبی بازار میں آگیا۔ یہاں ایک ریستوران پر شارلیان ریستوران کا عربی اور فرانسیسی لکھا ہوا بورڈ لگا تھا۔ مختصر سا ریستوران تھا مگر بڑے سلیقے سے سجایا گیا تھا۔ علیحدہ کیبن بھی جن کے آگے شیشے کی نلکیوں والے رنگ برنگ پردے لٹک رہے تھے۔ فضا نیم روشن تھی اور بڑی رومانوی تھی۔ کیبن کی دیواریں محرابی تھیں اور وسط میں فانوس لٹک رہے۔

ان فانوسوں سے بڑی ہی دھیمی روشنی کی کرنیں نکل رہی تھیں۔ ریستوران کی فضا میں کافی کی خوشبو پھیلی تھی میں کونے والی سبز پتھر کی میز پر آکر بیٹھ گیا۔ ایک سرخ ٹوپی اور نیلے پٹکے والا بیرا قالین پر خاموشی سے قدم رکھتا میرے پاس آکر ادب سے کھڑا ہو گیا۔ میں نے اسے اشارے سے سمجھایا کہ ابھی کچھ دیر بعد آئے مجھے کسی کا انتظار ہے۔ بیرا خاموش قدموں سے واپس چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد لیلیٰ کی سہیلی لبنیٰ آگئی۔ اس نے ریستوران میں آتے ہی ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی۔ مجھے کونے میں بیٹھے دیکھا اور مسکراتے ہوئے میرے پاس آکر بولی۔ "کیبن میں آجاؤ۔"

کیبن کی فضا ریستوران کے باہر کی فضا سے زیادہ پرسکون خاموش اور رومانوی تھی۔ ہمیں کیبن میں جاتے دیکھ کر بیرا بھی آگیا۔ لبنیٰ نے عربی میں اسے قہوہ لانے کو کہا۔ قہوے کا لفظ میں نے سن لیا تھا۔ اب میں عربی کے کچھ کچھ لفظ سمجھنے لگا تھا۔ اور ان الفاظ کے تلفظ سے بھی واقف ہو گیا تھا۔ میں یہ جاننے کو بے تاب تھا کہ لیلیٰ نے اسے میرے بارے میں کیا کیا بتایا ہے لبنیٰ اپنے چھوٹے سے وینٹی کیس میں سے ہاتھی دانت کی کنگھی نکال کر اپنے بالوں میں پھیرنے لگی۔ کنگھی واپس رکھنے کے بعد اس نے بالوں کو ہلکا سا جھٹکا دیا اور میری طرف دیکھتے ہوئے اپنی کہنیاں میز پر ٹکا دیں اور ذرا مسکرا کر بولی۔ "لیلیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ تم بڑے بہادر ہو۔ تم نے ایک خونخوار صحرائی بھیڑیئے سے اس کی جان بچائی ہے۔"

میں اسے کہنے ہی والا تھا کہ وہ صحرائی بھیڑیا نہیں بلکہ دو گورے فوجی تھے کہ اچانک میرے دل میں خیال آگیا کہ ہو سکتا ہے لیلیٰ نے میرے تحفظ کی خاطر لبنیٰ کو یہ بات نہ بتائی ہو اور یہ کہ وہ اس پر یہ راز افشا نہ کرنا چاہتی ہو کہ میں ایک مفرور انڈین فوجی ہوں جس نے ایک گورے فوجی کو گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ میں بات کرتے کرتے رک گیا۔ لبنیٰ کو بھی محسوس ہو گیا کہ میں کچھ کہنے لگا تھا۔ اس نے اپنی بات روک دی اور میری طرف تکتے ہوئے بولی۔ "تم کیا کہنا چاہتے تھے؟"

میں نے کھسیانی سی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔ "وہ تو محض اتفاق ہو گیا تھا کہ میں بھی وہاں موجود تھا۔"

میں لبنیٰ کے چہرے کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ کہیں وہ کوئی بات مجھ سے چھپا تو نہیں رہی۔ لبنیٰ نے بھنویں چڑھاتے ہوئے ستائش کے انداز میں کہا۔ "چاہے کچھ بھی

ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ اگر اس وقت تم نخلستان میں نہ آ جاتے تو لیلیٰ کی زندگی سچ مچ خطرے میں تھی۔ لیلیٰ کا دل تمہارے لئے احسان مندی کے جذبے سے لبریز ہے۔ وہ تمہاری بے حد شکر گزار ہے۔"

مجھے ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ ایک بات واضح ہو گئی تھی کہ لیلیٰ نے انتہائی دانشمندی سے کام لیتے ہوئے لبنیٰ کو میری اصل حقیقت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ اب میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ لیلیٰ کا گھر کہاں ہے وہ مجھے کہاں مل سکتی ہے۔ مگر لبنیٰ اس موضوع سے جیسے دانستہ طور پر گریز کر رہی تھی۔ آخر میں نے پوچھ ہی لیا کہ لیلیٰ کا گھر کہاں ہے اور میں اس سے کہاں مل سکتا ہوں۔ میں لبنیٰ کے چہرے کو تک رہا تھا۔ میری نظروں میں ایک حسرت بھری التجا تھی۔ لبنیٰ نے بھی میری آنکھوں میں چھپی ہوئی بلکہ ظاہر ہوتی لیلیٰ کی محبت کو دیکھ لیا تھا۔

اتنے میں بیرا کافی کا سامان لے آیا۔ لبنیٰ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ جب بیرا چلا گیا تو وہ کافی بنانے لگی اور فرنچ فرائز کی پلیٹ میرے سامنے کرتی ہوئی بولی۔ "اس ریستوران کی کافی اور فرنچ فرائز بڑے مشہور ہیں۔"

مجھے فرنچ فرائز سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میرے دل میں ایک ہیجان سا بپا تھا۔ مجھے ایسے لگ رہا تھا جیسے لیلیٰ کا رخ روشن دیکھے مجھے ہزاروں سال ہو گئے ہیں اور میں ہزاروں برس تک تپتے اندھیرے، سنگلاخ صحراؤں میں بھٹکنے کے بعد پہلی بار کسی میٹھے چشمے کے پاس نکل آیا ہوں لیکن اس کا شیریں پانی میری پہنچ سے دور ہے۔ میں نے لبنیٰ سے کہا۔ "لبنیٰ! میں لیلیٰ سے ملنا چاہتا ہوں۔ تم مجھے اس کے گھر کا پتہ بتا دو۔ میں خود اسے جا کر مل لوں گا۔"

لبنیٰ نے بڑی بڑی آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور بولی۔ "جلال! تمہیں شاید معلوم نہیں کہ لبنیٰ اگرچہ پڑھی لکھی لڑکی ہے مگر اس کا تعلق ایک روایت پرست مسلم گھرانے سے ہے۔ کوئی غیر مرد اس سے اس کے گھر میں نہیں مل سکتا۔ وہ تو بازار میں بھی جب کبھی آتی ہے تو کالا نقاب پہن کر آتی ہے۔"

میں نے بے تابی سے پوچھا۔ "تو کیا ------ کیا تم اسے یہاں ------ اس ریستوران میں مجھے نہیں ملا سکتیں؟ میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔"

لبنیٰ نے چائے کی کافی بڑے سلیقے اور نزاکت سے میری طرف بڑھائی اور اپنی پیالی میں

آہستہ آہستہ چمچہ ہلاتے ہوئے بولی۔ "آئی ایم سوری جلال! لیلیٰ ریستوران میں نہیں آ سکتی ویسے وہ تمہاری بے حد عزت کرتی ہے۔ تم نے صحرائی بھیڑیئے سے اس کی جان بچائی ہے اس کے دل میں تمہارے لئے بڑی قدر اور عزت ہے۔"

میں جذبات میں آ گیا۔ میں نے فرنچ فرائی کی پلیٹ کو ہاتھ مارتے ہوئے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔ "میں نہیں چاہتا کہ وہ میری عزت کرے ------ میری قدر کرے ------ میں ------ میں ------"

میں نے وفور جذبات سے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا۔ پھر ہاتھ پیچھے ہٹا کر لبنیٰ سے معذرت خواہ لہجے میں کہا۔ "آئی ایم سوری لبنیٰ! مجھے معاف کر دینا۔ میں جذبات میں بہ گیا تھا۔"

لبنیٰ شاید سب کچھ جانتی تھی اور رات لیلیٰ نے میرے دل کا حال بتا دیا تھا۔ کیونکہ لیلیٰ سے زیادہ میرے دل کا حال کوئی نہیں جانتا تھا۔ لبنیٰ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کوئی بات نہیں مسٹر جلال! ویسے میں تمہیں یہی مشورہ دوں گی کہ تمہیں جذبات کی رو میں نہیں بہنا چاہئے تمہارے سامنے تمہاری ساری زندگی، تمہارا سارا مستقبل پڑا ہے۔"

ابھی تک نہ میں نے لبنیٰ سے کہا تھا کہ میں لیلیٰ سے محبت کرتا ہوں اور نہ ہی لبنیٰ نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ میں لیلیٰ کا خیال دل سے نکال دوں۔ لیکن اس کی باتوں کے انداز سے مجھے شبہ ہونے لگا تھا کہ کھیل میرے حق میں نہیں جا رہا۔ لیکن یہ کھیل نہیں تھا۔ یہ میری زندگی اور موت کا معاملہ تھا۔ لیلیٰ کو اپنی زندگی سے بڑھ کر پیار کرنے لگا تھا۔ یہ لیلیٰ سے میری محبت ہی تھی جس نے مجھے انڈین آرمی کے فائرنگ اسکواڈ سے بے نیاز کر کے بن غازی ایسے شہر میں موت کے منہ میں لا کر بٹھا دیا تھا جہاں قدم قدم پر برطانوی جاسوس پھر رہے تھے اور میں صرف ایک فوجی بھگوڑا ہی نہیں تھا بلکہ میں نے برٹش آرمی کے ایک گورے آفیسر کا خون کیا تھا۔ لبنیٰ کی گفتگو سے میں ابھی تک یہ اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ لیلیٰ نے اس پر اپنے دل کا حال کھولا ہے کہ نہیں اور میرے بارے میں لیلیٰ نے اپنے دلی جذبات کا اظہار کس رنگ میں کیا ہے یہی وجہ تھی کہ میں بھی خاموش تھا اور لیلیٰ کے بارے میں اپنے دلی جذبات اور کیفیات کو لبنیٰ سے چھپائے ہوئے تھا۔ اتنا احساس مجھے ضرور ہو گیا تھا کہ لبنیٰ مجھے اس راستے سے ہٹانا چاہتی ہے جس راہ پر میں چل نکلا تھا اور جہاں ہر قدم پر موت سے دوچار ہونے کا اندیشہ موجود تھا۔ میں صرف لیلیٰ کی خاطر، اس سے اپنی محبت کی خاطر بن غازی ایسے شہر میں پھر رہا تھا

ورنہ میں اس شہر میں رہنے کا خطرہ کبھی مول نہ لیتا اور مصر کے علاقے میں کہیں روپوش ہو چکا ہوتا۔

میں نے جب لیلیٰ سے ملاقات کروانے پر اصرار کیا تو لبنیٰ نے کافی کا گھونٹ نگلنے کے بعد پیالی میز پر رکھ دی اور بولی۔ "میں تمہیں ضرور لیلیٰ سے ملواتی مگر لیلیٰ تو آج صبح ہی ایک دوسرے شہر اپنے پھوپھا کے ہاں چلی گئی ہے۔"

"وہ------کب واپس آئے گی۔؟" میں نے سپاٹ چہرے سے تکتے ہوئے پوچھا۔

لبنیٰ نے اپنے کندھے اچکائے اور بولی۔ "کچھ بتا کر نہیں گئی" "ہو سکتا ہے مہینے بعد آئے۔ دو مہینوں بعد آئے۔ کیونکہ وہ جب بھی اپنے پھوپھا کے ہاں جاتی ہے تو وہاں کافی دن قیام کرتی ہے۔"

میرا دل بیٹھ سا گیا۔ جب میں نے لبنیٰ سے اس شہر کا نام اور لیلیٰ کے پھوپھا کے گھر کا ایڈریس پوچھا تو لبنیٰ نے ایک بار پھر کندھے اچکاتے ہوئے کہ مجھے معلوم نہیں۔ پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "اچھا اب میں چلتی ہوں۔ میرا لنچ ٹائم ختم ہو رہا ہے۔" وہ چلی گئی۔

میں کیبن میں اکیلا بیٹھا رہ گیا۔ بن غازی شہر میرے لئے ایک دم سے اجنبی شہر بن گیا تھا۔ لیلیٰ اس شہر میں نہیں تھی شہر میرے لئے ویران تھا۔ بلیک آؤٹ والی رات میں نے اپنے ہوٹل کے کمرے میں عالم حسرت و یاس میں کاٹی۔ لیلیٰ کا کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہ کب واپس آئے۔ میں بے یقینی اور دل شکستگی کے عالم میں دوسرے روز بن غازی کے بازاروں میں گھومتا رہا۔ میں شہر کے ایک گنجان اور چھتے ہوئے الف لیلوی بازار سے گزر رہا تھا کہ اچانک ایک عورت سے میری آنکھیں چار ہو گئیں۔ یہ دراز قد عورت سر سے پاؤں تک سیاہ لباس میں لپٹی ہوئی تھی۔ چہرے پر بھی سیاہ نقاب تھا۔ صرف آنکھیں کھلی تھیں۔ عورت نے مجھے دیکھا اور جلدی سے ایک بازار میں گھوم گئی یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ میں اپنی محبت کو نہ پہچانتا۔ یہ لیلیٰ کی آنکھیں تھیں۔ میں تیزی سے اس کے پیچھے لپکا۔ وہ مجھے دیکھ کر رکی کیوں نہیں؟ بازار میں لوگوں کا ہجوم تھا مگر اس ہجوم میں لیلیٰ مجھے ابھی تک نظر آ رہی تھی۔ اس نے بھی اپنی رفتار تیز کر دی تھی۔

لیلیٰ نے مجھ سے آنکھیں کیوں چرائی تھیں؟

یہ سوال ایک تیر نیم کش کی طرح میرے دل میں پیوست تھا عجیب وسوسے اور بدگمانیاں مجھے گھیرے ہوئے تھیں بازار میں کافی لوگ آ جا رہے تھے مگر میں لیلیٰ کو اپنی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دے رہا تھا چونکہ وہ دراز قد تھی اس لئے لوگوں کے بیچ میں چلتے ہوئے مجھے اس کا سر ابھی تک نظر آ رہا تھا دل میں یہ خیال بھی آیا کہ ہو سکتا ہے یہ لیلیٰ نہ ہو کوئی دوسری عورت ہو، لیکن آنکھیں لیلیٰ کی تھیں بڑی بڑی سرمگیں آنکھیں اور جب یہ دراز قد نقاب پوش عورت میرے قریب سے گزری تھی تو مجھے وہی خواب انگیز خوشبو آئی تھی جو پہلی بار نخلستان کی چاندی رات میں مجھے لیلیٰ کے ملبوس سے طلوع ہوتی محسوس ہوئی تھی۔ یہ لیلیٰ کے سوا دوسری کوئی عورت نہیں ہو سکتی میں لوگوں کے ہجوم کو چیرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کئی لوگوں نے مجھے برا بھلا بھی کہا لیکن میں اپنی نگاہیں لیلیٰ کے سیاہ چادر میں لپٹے سر پر جمائے آگے ہی آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا سیاہ پوش عورت بازار میں بائیں جانب گھوم گئی جب اس نے مڑتے ہوئے ایک پل کے لئے گردن گھما کر پیچھے دیکھا تو میرا دل اچھل کر میرے حلق کے قریب آ گیا اب مجھے یقین ہو گیا کہ یہ لیلیٰ ہی ہے ورنہ اسے مڑ کر دیکھنے کی کیا ضرورت تھی لیکن وہ مجھ سے دور کیوں بھاگ رہی ہے؟ وہ مجھے دیکھ کر رکی کیوں نہیں؟ یہ کیا معمہ ہے؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا میں دیوانہ وار ایک وارفتگی کے عالم میں لیلیٰ کے پیچھے پیچھے چلا جا رہا تھا مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اگر ایک بار لیلیٰ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تو پھر وہ زندگی بھر مجھے نہ مل سکے گی لیلیٰ جس بازار میں گھومی تھی وہ تنگ تھا اور وہاں زیادہ تر نوادرات کی دکانیں تھیں اور کافی رش تھا۔

اچانک سامنے سے مجھے ملٹری پولیس کے دو سپاہی آتے نظر آئے میں نے ان کی بھی

کوئی پروانہ کی اور لیلیٰ کے سر کو ہجوم کی لہروں میں ڈوبتے ابھرتے دیکھتا ان سپاہیوں کے قریب سے گزر گیا ایک دکان میں چار پانچ مزدور ایک الماری باہر نکال رہے تھے الماری کے بازار میں آجانے سے ٹریفک قدرتی طور پر تھوڑے دیر کے لئے رک گئی میں دوسروں کے سروں کے اوپر سے گزر جانا چاہتا تھا مگر لوگ میرے راستے میں دیوار بن کر کھڑے تھے ایک ریلا مجھے پیچھے دھکیل کر لے گیا زیادہ سے زیادہ آدھے منٹ کا وقفہ پڑا ہوگا اب جو میں ہجوم کو چیرتا ہوا آگے بڑھا تو لیلیٰ میری نظروں سے غائب ہو چکی تھی بازار میں اس کے ملبوس کی خواب انگیز خوشبو بھی غائب تھی میں دیوانوں کی طرح بازاروں میں اسے تلاش کرتا پھرا مگر وہ مجھے دوبارہ دکھائی نہ دی میں نے کئی بار اپنے دل کو یہ کہہ کر تسلی دینے کی کوشش کی۔ وہ لڑکی لیلیٰ نہیں کوئی اور تھی لیکن میرے دل پر لیلیٰ کی محبت کا نقش چاند کی طرح چمک رہا تھا وہ مجھے لیلیٰ کی سرمگیں آنکھیں دکھا کر کہتا کہ یہ لیلیٰ ہی تھی اور دل کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔

اگر وہ لیلیٰ تھی تو مجھے دیکھ کر رکی کیوں نہیں؟

اسے مجھ سے بھاگنے، مجھ سے دامن بچانے کی کیا ضرورت تھی؟

یہ سوال تلوار کی طرح میرے سینے میں پیوست تھا اور میرے پاس اور میرے دل کے پاس ہم دونوں کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا میں اب پراسرار الف لیلوی بازاروں سے باہر نکل آیا تھا یہاں کچھ جدید عمارتیں تھیں میں وہاں سے لیلیٰ کی سہیلی لبنیٰ کے اسٹور کی طرف چل پڑا لبنیٰ اسٹور میں نہیں تھی کاؤنٹر بھی خالی تھا میں زنانہ ملبوسات سے لدے ہوئے ہینگروں کے پاس بے چینی سے ٹہلنے لگا اتنے میں مجھے لبنیٰ نظر آئی اس نے اسٹور روم سے نکلتے ہوئے مجھے دیکھ لیا تھا وہ کاؤنٹر پر آ گئی مجھے کچھ تعجب اور کچھ تبسم کے ساتھ دیکھا اور پوچھا کہ میں کیسے آیا ہوں میں نے اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا کہ میں نے بازار میں ابھی ابھی لیلیٰ کو دیکھا ہے وہ لیلیٰ ہی تھی میری آنکھیں کبھی دھوکا نہیں کھا سکتیں۔ لبنیٰ کے چہرے پر ایک لہر سی آکر نکل گئی مسکرا کر بولی "تمہیں دھوکا ہوا ہے لیلیٰ بن غازی میں کیسے ہو سکتی ہے میں کل خود اسے بس پر بٹھا کر آئی ہوں۔ وہ اپنے چچازاد عبید کے ساتھ طرابلس اپنی پھوپھی کے ہاں گئی ہوئی ہے وہ کوئی اور ہوگی۔

میں نے بے چینی سے کہا۔ "نہیں، نہیں، لبنیٰ وہ ۔۔ وہ لیلیٰ ہی تھی خدا کے لئے تم مجھ سے کچھ چھپاؤ نہیں۔ مجھے صاف کیوں نہیں بتاتیں کہ یہ راز کیا ہے اس معمہ کا

ہے؟"

لبنیٰ ایک گاہک عورت کی طرف متوجہ ہو گئی۔۔ میں چپ ہو گیا جب گاہک عورت چلی گئی تو لبنیٰ نے میری طرف دیکھا اور کسی قدر سرد لہجے میں کہا۔ "مسٹر جلال! یہاں میرا وقت اپنا نہیں ہوتا میں تمہارا احترام کرتی ہوں مگر آئی ایم سوری میں تمہیں زیادہ وقت نہیں دے سکتی۔۔"

اور وہ کاؤنٹر سے نکل کر اونچی الماریوں کی طرف چلی گئی۔ میں نے پہلی بار لبنیٰ کے لہجے میں اور رویے میں ایک سرد مہری اور بے اعتنائی محسوس کی تھی شاید وہ سچی تھی میں تو لیلیٰ کی محبت میں دیوانہ سا ہو چکا تھا اور لبنیٰ وہاں نوکری کرتی تھی وہ جنگ کا زمانہ تھا اور نوکری کے بغیر بن غازی میں زندگی بسر کرنا ناممکن تھا میں خاموشی سے سر جھکائے اسٹور سے باہر آ گیا یہ پہلا موقع تھا کہ مجھے محسوس ہوا کہ میں ایک ایسے شہر میں ہوں جہاں مجھے کوئی نہیں جانتا اور میں قاتل فوجی بھگوڑا ہوں اور وہ جو نخلستان کی ایک چاندنی رات میں، میں نے دراز قد، سیاہ زلفوں اور ہونٹوں پر تبسم لڑکی کا حنائی ہاتھ تھاما تھا۔ وہ ایک خواب تھا زرد چاند کی طلسمی وادی کا خواب اور خواب کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی مجھے بھی لیلیٰ کو ایک خواب سمجھ کر بھول جانا چاہئے لیکن دوسرے لمحے جب مجھے اپنے ہاتھوں میں لیلیٰ کے ہاتھ کا گرم حنائی لمس محسوس ہوتا اور میں نقاب میں اپنی طرف غور سے دیکھتی دو آنکھوں کا تصور کرتا تو یہ خواب حقیقت کا روپ دھار لیتا نہیں یہ خواب نہیں تھا یہ ایک حقیقت تھی جو خواب کا روپ دھار کر میری زندگی میں داخل ہوئی۔

ان ہی تلخ و ترش خیالات میں ڈوبا میں اپنے ہوٹل میں آ گیا سب سے پہلے میں نے جیب سے رقم نکال کر اس کا جائزہ لیا۔ میرے پاس صرف اتنے پیسے تھے کہ میں صرف دو دن مزید اس ہوٹل میں ٹھہر سکتا تھا میں دیر تک ہوٹل کے اس نیم شکستہ سے کمرے میں بیٹھا سوچتا رہا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے لیلیٰ کی محبت نے مجھے نئی زندگی، نیا ولولہ عطا کر دیا تھا اور میں موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے لگا تھا لیکن اس سے جدا ہو کر میں پھر وہی ایک کمزور انسان بن گیا تھا جسے ہر لمحہ موت کا دھڑکا لگا تھا اور موت جس کا پیچھا کر رہی تھی۔

میں نے ۔۔ لیلیٰ طرابلس گئی ہے تو تم بھی طرابلس چلو، طرابلس لیبیا کے شمال میں بندرگاہ تھی جہاں جنگ کا بڑا زور تھا۔ مجھے اس بات پر بھی حیرت تھی کہ لیلیٰ ان حالات میں طرابلس

کیسے چلی گئی ہے لبنیٰ نے اب مجھے بتایا تھا کہ اس کا چچا زاد عبید بھی اس کے ساتھ گیا ہے میرا حلق کڑوا ہو گیا رقابت کی ایک گرم لہر میرے رگ و پے میں دوڑ گئی۔

یہ عبید لیلیٰ کے ساتھ کیوں گیا ہے؟

میں ایک بار پھر دل کو تسلیاں دینے لگا کہ لیلیٰ اسی شہر میں ہے۔ وہ طرابلس نہیں گئی لبنیٰ نے غلط بیانی سے کام لیا ہے مگر اسے غلط بیانی سے کام لینے کی کیا ضرورت تھی' شاید اس میں کوئی مصلحت ہو سوچ کر ایک لہر مجھے اٹھا کر کبھی شمال کی طرف لے جاتی اور کبھی دوسری لہر بہا کر جنوب کی طرف لے جاتی میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا دوسری طرف مجھے اپنے پکڑے جانے کا ڈر بھی اب دامن گیر ہو گیا تھا میرے پیسے بھی ختم ہو رہے تھے میں نے آنکھیں بند کر لیں سر کرسی کی پشت سے لگا دیا اور پریشان خیالوں کے اس بھنور سے نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔

زندگی تلخ حقیقت بن کر میرے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی میں اپنی محبوبہ کے شہر میں آنے کے بعد پہلی بار حقائق کی روشنی میں غور کرنے لگا تھا کافی دیر سوچتے رہنے کے بعد آخر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ مجھے یہ شہر چھوڑ کر مصر کی طرف نکل جانا چاہئے اگر لیلیٰ اس شہر میں نہیں ہے تو یہ شہر میرے لئے ایک ویرانہ ہے اور اگر وہ اس شہر میں موجود ہے اور مجھ سے ملنا نہیں چاہتی تو یہ شہر میرے لئے ویرانے سے بھی بدتر ہے اگر مجھے لیلیٰ کے گھر کا علم ہوتا تو میں اپنی جان پر کھیل کر اس کے پاس پہنچ جاتا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر پوچھتا کہ وہ مجھ سے دور کیوں رہنا چاہتی ہے وہ مجھ سے بازار میں دامن بچا کر کیوں نکل گئی تھی لیلیٰ! اگر تم چاہتی ہو کہ میں تم سے نہ ملوں تو خدارا اپنی زبان سے مجھے ایک بار کہہ دو کہ میں تم سے نہ ملا کروں میں تمہاری زندگی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکل جاؤں گا۔

میں اپنے آپ سے نہ جانے کیا کیا باتیں کرتا رہا۔ پھر دونوں ہاتھوں میں اپنے سر کو تھام کر بیٹھ گیا اور اپنی زندگی پر غور کرنے لگا کہ میں کہاں سے چلا تھا اور کہاں آ گیا ہوں مجھے اپنی پہلی محبوبہ کا خیال بھی آیا جو مجھے چھوڑ کر اپنے خاوند کے ساتھ چلی گئی تھی جو میری نہ ہو سکی تھی میری آنکھیں اپنے آپ بھیگ گئیں میں نے اٹھ کر آنکھوں پر پانی کے چھینٹے مارے تولئے سے منہ صاف کیا آئینے میں اپنی شکل دیکھی حالات کی سنگینی نے میرے چہرے پر اپنے گہرے نقش چھوڑ دیئے تھے میری داڑھی خشخشی ہو گئی تھی میں نے جان بوجھ کر کئی روز

سے شیو نہیں بنائی تھی میرے پاس ایک ہی عرب پہناوا تھا اور وہ بھی اب بوسیدہ ہو رہا تھا نئے کپڑے خریدنے کے لئے میرے پاس پیسے نہیں تھے آمدنی کا کوئی ذریعہ بھی نہیں تھا پکڑے جانے کا خوف بھی تھا جس محبت کے سہارے میں بن غازی تک چلا آیا تھا وہ بھی میرا ساتھ چھوڑ گئی تھی۔

میں نے مصر جانے کا تہیہ کر لیا اور اپنے اس نئے سفر کے نشیب و فراز پر غور کرنے لگا مصر کا ملک لیبیا کے شمال مشرق میں واقع تھا اور اس کا بارڈر ساتھ لگتا تھا شمال میں ٹریپولی یا طرابلس کی بندرگاہ تھی شمال مشرق میں طبروق کی بندرگاہ تھی اور اس سے ذرا نیچے العالمین کا شہر تھا جو سمندر سے کافی ہٹ کر واقع تھا یہاں سے میں مصر میں داخل ہو سکتا تھا لیکن تازہ ترین صورت حال کے مطابق العالمین میں اتحادیوں اور جرمن فوجوں کے درمیان گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی یہ وہی علاقہ تھا جہاں ٹینکوں کی شدید اور تاریخی جنگ ہوئی تھی العالمین کے نیچے جنوبی سرحد تک صحرا ہی صحرا تھا جس کو پار کر کے مصر میں داخل ہونا میرے جیسے انجان آدمی کے لئے ناممکن تھا طرابلس تک کوئی کوئی سواری یا اونٹوں کے قافلے اب بھی ہفتے میں ایک بار چلتے تھے مگر طبروق کی طرف آمد و رفت کا سلسلہ بند تھا اس دوران میں نے عربی زبان میں اتنی شد بد حاصل کر لی تھی کہ میں دوسرے کو اپنی بات سمجھا سکتا تھا اور اس کی بات سمجھ لیتا تھا سب سے پہلے مجھے کچھ پیسوں کی ضرورت تھی جن کی مدد سے میں کپڑوں کا ایک نیا جوڑا خرید سکوں اور بس کا کرایہ ادا کر کے کم از کم طرابلس تک ہی پہنچ جاؤں۔

جنگ کا زمانہ تھا کاروبار کی حالت مخدوش بھی تھی اور نئے نئے کاروبار کھل بھی گئے تھے میں معلومات حاصل کرنے کے بعد جب حساب لگایا تو مجھے طرابلس تک پہنچنے اور وہاں سے طبروق کے راستے مصر کی سرحد تک پہنچنے کے لئے کم از کم تین سو پونڈ کی ضرورت تھی یہ رقم مجھے وہاں صرف کسی جگہ کام کر کے ہی حاصل ہو سکتی تھی رات اسی ادھیڑ بن میں گزر گئی دوسرے دن میں کام کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا اس شہر کے تقریباً سارے علاقے میری نظر میں تھے میں جنوب میں اس طرف نکل گیا جہاں دو تین چھوٹے چھوٹے کارخانے لگے تھے ان میں سے ایک کارخانے میں فوج کو سپلائی کرنے کے واسطے ترپالیں تیار ہوتی تھیں میں پڑھا لکھا تھا' جوان تھا' بازوؤں میں طاقت تھی' کوئی بھی کام کر سکتا تھا صرف ایک کمی تھی کہ اتنی عربی زبان نہیں جانتا تھا کہ لکھت پڑھت کا کام کر سکتا سپلائی کا کام زوروں پر تھا

کام کرنے والوں کی ہر جگہ ضرورت تھی مجھے بھی ترپالیں بنانے کے اس کارخانے میں کام مل گیا میری تنخواہ پچاس پونڈ ماہوار مقرر ہوئی جو میرے لئے بہت تھی میں نے کارخانے میں کام شروع کر دیا منیجر سے کہہ کر میں نے وہیں کارخانے کے احاطے میں ایک خیمے میں اپنا ڈیرہ جما لیا اور ہوٹل چھوڑ دیا میں اس کارخانے میں سارا دن پوری محنت اور جفاکشی سے کام کرتا کارخانے کی کنٹین پر ہی کھانا وغیرہ کھاتا اور رات کو اپنے خیمے میں پڑ کر سو رہتا۔

جمعہ کے روز چھٹی ہوتی تو میں شہر میں گھومنے پھرنے چلا آتا اب میرے دل میں ایک ہی لگن تھی کہ کسی طرح رقم جمع کر کے وہاں کسی بس میں بیٹھ کر یا کسی قافلے کے ساتھ طرابلس کی طرف نکل جاؤں' لیلیٰ کا خیال اس وقت میرے ساتھ نہیں ہوتا تھا جب میں ترپالوں کی بڑی بڑی گانٹھیں گھسیٹ کر پریسنگ روم میں لے جا رہا ہوتا تھا لیکن رات کو جب میں تھک کر اپنے خیمے میں لیٹتا اور آنکھیں بند کرتا تو میرے تصور میں لیلیٰ کا چاند ایسا چہرہ طلوع ہو جاتا کبھی وہ مسکراتی ہوئی مجھ سے باتیں کرتی کبھی میں اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیتا اور کبھی وہ اپنا ہاتھ چھڑا کر صحرائی چاندنی میں روپوش ہو جاتی اور پھر میں اسے بازار میں ہجوم میں اچانک اپنے سامنے آتا دیکھتا وہ ایک سیکنڈ کے لئے ٹھٹھک کر میری طرف دیکھتی اور پھر نظریں چرا کر ہجوم کے سمندر میں غائب ہو جاتی میں اپنی آنکھیں کھول دیتا اور لیلیٰ کا خیال ایک بار پھر میرے دل و دماغ پر گہرے بادل کی طرح چھا جاتا لیکن میں دن بھر کارخانے میں جان توڑ محنت کر کے تھک چلا ہوتا تھا چنانچہ مجھے نیند آ جاتی۔

مجھے کارخانے میں کام کرتے پندرہ بیس دن ہو گئے تھے اس دوران میں لبنیٰ کے اسٹور میں بھی نہیں گیا تھا وہاں جانے کا اب کوئی فائدہ نہیں تھا ویسے بھی لبنیٰ کے سرد رویے نے مجھے اشارہ دے دیا تھا کہ میں اس کے اسٹور میں نہ آیا کروں جمعہ کے دن میری چھٹی ہوتی اور میں شہر میں گھومنے پھرنے جاتا تو اس روز اکثر دکانیں بند ہوتی تھیں اور لبنیٰ کا اسٹور بھی بند ہوتا میں شیروں والے پارک میں کچھ دیر بیٹھنے کے بعد واپس اپنے خیمے میں آ جاتا ایک روز کارخانے کے منیجر نے مجھے ایک ضروری کام سے شہر بھیجا مجھے اندرون شہر ایک دکان سے تارپین کے تیل کے بارے میں معلومات حاصل کرنی تھیں شہر سے اب میں پوری طرح واقف ہو چکا تھا یہ دوپہر کے بعد کا وقت تھا میں نے عربی لباس پہن رکھا تھا میں اب وہاں کی مقامی عربی زبان میں بات چیت بھی کر لیتا تھا بلکہ فرانسیسی زبان کے بھی کچھ جملے سمجھ لیتا تھا

میری جیب میں منیجر کا دیا ہوا خط تھا جو مجھے اندرون شہر کے دکاندار کے پاس پہنچانا اور اس کا جواب لانا تھا۔

جب شہر کے جنوبی حصے سے پیدل چلتا اندرون شہر آ گیا یہ چھتے ہوئے مشرقی بازار میرے جانے پہچانے تھے جس دکان پر مجھے جانا تھا اسے تلاش کرنے میں مجھے کوئی دقت نہ ہوئی تارپین کے تیل کا سوداگر خود بھی تیل کے کپے ایسا موٹا تھا اسے منیجر کا خط دیا اس نے مجھے قہوہ پلایا اور خط کا جواب لکھ کر میرے حوالے کیا میں جواب لے کر واپس ایک بازار میں سے گزر رہا تھا کہ ایک جگہ میرے قدم اپنے آپ رک گئے ایک دراز قد لڑکی سیاہ لبادے میں لپٹی چہرے پر نقاب ڈالے ایک دکان پر کھڑی کپڑا دیکھ رہی تھی میں ایک لمحے کے لئے سب کچھ بھول گیا کہ میں کہاں آیا تھا اور کہاں جا رہا تھا میں نے اپنے آپ کو نخلستان میں پایا جہاں آسمان پر زرد چاند ایک طرف جھکا ہوا خاموش تھا اور اس کی زرد چاندنی میں ایک دراز قد آہو چشم لڑکی میرے پاس کھڑی گہرے سانس لے رہی تھی اور اس کے لباس سے عجیب و غریب خواب کی دنیاؤں میں لے جانے والی خوشبو اٹھ رہی تھی میں نے اس لڑکی کا ہاتھ تھام رکھا تھا اور چاند اداس نظروں سے ہمیں دیکھ رہا تھا اور چاندنی نے خوشبوؤں کی دھند بن کر ہمیں اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اور پھر لڑکی نے آہستہ سے اپنا ریشمی ہاتھ میرے ہاتھوں سے چھڑایا اور صحرا میں ایک طرف چل دی یہ لیلیٰ تھی لیلیٰ کے سوا اور کون ہو سکتا تھا میں بازار میں وہیں رکا' پتھر کا بت بنا' لیلیٰ کو تک رہا تھا اس کی پشت میری طرف تھی لیکن میں نے اسے پہچان لیا تھا لیلیٰ کو پہچاننے میں میری نظریں کبھی دھوکا نہیں کھا سکتی تھیں۔ معاً مجھے خیال آیا کہ اگر لیلیٰ نے مجھے دیکھ لیا تو یہ چاند ایک بار پھر اپنی جھلک دکھا کر غائب ہو جائے گا میں اس کی طرف بڑھنے کی بجائے پیچھے ہٹ کر بازار کی ایک جانب ہو گیا۔

لیلیٰ ایک ریشمی کپڑے کو اپنی نازک سفید انگلیوں میں تھامے اسے دیکھ رہی تھی یہ نازک انگلیاں لیلیٰ ہی کی تھیں ان کی پوریں حنا میں رنگی ہوئی تھیں اس نے ریشمی ٹکڑا دکان پر دوسرے کپڑوں کے اوپر رکھ دیا اور پیچھے کو مڑی یہ بازار تنگ تھا وہ مجھ سے بمشکل چھ قدم کے فاصلے پر تھی اور بازار میں سے لوگوں کی آمد و رفت لگی ہوئی تھی وہ گھوم کر چلنے لگی تو اس کی نگاہ مجھ پر پڑ گئی ایک عجیب کیفیت میں ہماری آنکھیں چار ہوئیں ایک بجلی سی چمکی اور لیلیٰ نے اپنا چہرہ سیدھا کر لیا اور بازار میں ایک طرف چلنے لگی میں نے تو اپنے سارے

جہازوں کو آگ لگادی ہوئی تھی میرے پاس پیچھے مڑنے کی کوئی جگہ نہیں تھی میں اس کے پیچھے چلنے لگا اب مجھے لیلیٰ کے لباس سے اٹھنے والی اس کی خاص خوشبو آنے لگی خوشبو اس کے سیاہ لبادے سے چھن چھن کر نظر نہ آنے والی چاندنی کی لہروں کی طرح میرے ہونٹوں کو چھوتی ہوئی گزر رہی تھی۔

اب مجھے یقین ہو گیا تھا کہ لیلیٰ اسی شہر میں تھی اور یہاں سے باہر بالکل نہیں گئی تھی لیکن وہ مجھ سے دور کیوں بھاگ رہی تھی؟ میں نے اس کا کیا بگاڑا تھا میں نے تو اس کے ساتھ کوئی برا سلوک نہیں کیا تھا پھر وہ مجھے کس جرم کی سزا دے رہی تھی کیا میں اس لائق بھی نہیں تھا کہ وہ مجھ سے ایک کے لئے بات ہی کر لے؟ یہی کچھ سوچتا میں لیلیٰ کے پیچھے پیچھے چلا جا رہا تھا اب میں اسے کسی حالت میں بھی اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دے رہا تھا میری آنکھیں دراز قد لیلیٰ پر جمی ہوئی تھیں وہ ایک بازار میں مڑ گئی دوسرے لمحے میں بھی گھوم کر اسی بازار میں آگیا آگے جا کر بازار ختم ہو جاتا تھا یہاں داہنی جانب ایک گلی تھی لیلیٰ اس گلی میں مڑ گئی مڑنے سے پہلے اس نے ایک لمحے کے لئے گردن گھما کر میری طرف دیکھا میرا دل زور سے دھڑک اٹھا میں بھی گلی میں آگیا یہ ایک نیم روشن پختہ اینٹوں کے فرش والی چھوٹی سی گلی تھی جس کے دونوں جانب اونچے مکانوں کے چھجے باہر کو نکلے ہوئے تھے دروازے حویلی نما تھے اور گلی خالی خالی تھی لیلیٰ مجھ سے دس پندرہ قدم کے فاصلے پر چلی جا رہی تھی وہ ایک مکان میں داخل ہو گئی گلی میں لیلیٰ کے لباس کی خوشبو ابھی تک پھیلی ہوئی تھی میں گلی میں چلتا ہوا لیلیٰ کے مکان کے آگے سے گزر گیا گلی آگے جا کر دائیں جانب مڑ گئی تھی میں بھی گلی کے ساتھ ہی مڑ گیا خوش قسمتی سے اس گلی میں کوئی دکان نہیں تھی سب مکان تھے اور ان کے حویلی نما دروازے بند تھے ایک مکان کے دیوان خانے سے مجھے موسیقی سنائی دی تھی گلی آگے ایک چھتے ہوئے بازار میں جا نکلتی تھی میں وہاں سے واپس پلٹا اور دوبارہ لیلیٰ کے مکان کی طرف چل پڑا میں ابھی اپنی محبوبہ کے مکان سے تھوڑی دور گلی میں ہی تھا کہ مجھے دوسری منزل کے چھجے کی چق ہلتی ہوئی نظر آئی قریب پہنچا تو میری نظریں بے اختیار کھڑکی کی طرف اٹھ گئیں چلمن کے پیچھے نخلستان کا چاند چمک رہا تھا مگر چاند اداس تھا مضطرب تھا یہ لیلیٰ تھی لیلیٰ نے مجھے دیکھا میرے قدم وہیں رک گئے لیلیٰ نے کچھ بے چینی عالم میں اپنا چاند ایسا خوبصورت سر نفی میں ہلایا اور کھڑکی سے پیچھے ہٹ گئی چلمن کھڑکی

ساتھ برابر ہو گئی میں عجیب تذبذب اور جذباتی ہیجان کے عالم میں وہیں کھڑا لیلیٰ کے مکان کی کھڑکی کو تک رہا تھا اچانک مجھے اپنے پیچھے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی میں جھک کر کھانسنے لگا پھر جیب سے ریشمی رومال نکال کر اپنا چہرہ پونچھا اور آگے چل پڑا ایک عورت نیلے لبادے میں ملبوس میرے قریب سے آگے گزر گئی میں عالم خواب میں چلتا گلی کے نکڑ پر آ گیا یہاں پہنچ کر میں رکا اور ایک نظر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ لیلیٰ اپنے مکان کی کھڑکی میں اپنا چاند ایسا چہرہ ذرا آگے کئے چلمن کے پیچھے سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ جونہی میری نظر اس پر پڑی اس نے جلدی سے چلمن چھوڑ دی اور پیچھے ہٹ گئی۔

چاند ایک جھلک دکھا کر غائب ہو گیا تھا میں نے گلی میں دوبارہ جانا مناسب خیال نہ کیا مجھے لیلیٰ کی عزت کا بے حد خیال تھا مجھے لبنیٰ کے الفاظ یاد آ گئے کہ لیلیٰ ایک روایت پرست مسلمان گھرانے کی لڑکی ہے میں بازار میں آگیا میں لوگوں کے ہجوم میں یوں چل رہا تھا جیسے دریا میں کوئی مرجھایا ہوا پھول ہو کہ لہریں اسے جدھر چاہے بہا کر لے جائیں میرا دل غم سے بوجھل تھا لیلیٰ کو پا لینے کی خوشی بھی تھی لیکن اس کی بے اعتنائی کا الم بھی تھا پھر خیال آیا کہ ہو سکتا ہے کہ لیلیٰ کسی وجہ سے مجبور ہو لیکن ایسی کیا وجہ ہو سکتی تھی اگر وہ کسی ریستوران میں مجھ سے ملنے نہیں آ سکتی تو اپنی سہیلی لبنیٰ کے اسٹور میں آ کر مجھ سے مل سکتی تھی وہ اس کے ساتھ میرے نام پیغام پہنچا سکتی تھی کہ میں مجبور ہوں مجھے بھول جاؤ لوگوں کا ہجوم مجھے اپنے ریلے میں بہاتا بازار سے باہر سڑک پر لے آیا۔

مجھے لبنیٰ کا خیال آگیا کیوں نہ اس کے پاس جاؤں اور اس سے صاف صاف پوچھوں کہ لیلیٰ مجھ سے یہ سرد مہری کا سلوک کیوں کر رہی ہے۔ لبنیٰ کا لیڈیز اسٹور وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا میں سیدھا اسٹور میں جا پہنچا ابھی اسٹور کھلا تھا لبنیٰ مجھے کاؤنٹر پر ہی مل گئی اس نے مجھے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو کہ میں نے تمہیں یہاں آنے سے منع کیا تھا پھر تم کیوں آ گئے۔ اتفاق سے وہاں کوئی گاہک عورت نہیں تھی میں جاتے ہی کہا۔

"میں لیلیٰ کی گلی سے آ رہا ہوں۔ میں نے اسے دیکھ لیا ہے اس نے بھی اپنی کھڑکی کی چلمن سے مجھے دیکھا ہے تم نے کہا تھا کہ وہ طرابلس گئی ہوئی ہے ٹھیک ہے اب وہ واپس بن غازی آ گئی ہے لیکن وہ مجھ سے ملنا نہیں چاہتی میں نے خودکشی کا فیصلہ کر لیا ہے لیکن مرنے سے پہلے اس سے صرف ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ مجھ سے ایسا سنگدلانہ سلوک کیوں

کر رہی ہے۔۔"

لبنیٰ پر میری باتوں کا گہرا اثر ہوا۔۔ اس کا تنا ہوا چہرہ پگھل گیا وہ بل بک پر کچھ لکھ رہی تھی۔ پنسل وہیں رکھی۔۔ میری طرف ترچھی نظروں سے دیکھا اور بولی "کل لنچ کے وقت میں شار لیان ریستوران میں تمہارا انتظار کروں گی۔۔ اب تم جاؤ۔"

وہ بل پر لکھنے لگی میں کاؤنٹر چھوڑ کر اسٹور سے نیچے بازار میں اتر آیا ساری رات میں سوچتا رہا۔ کہ لبنیٰ لیلیٰ کے بارے میں کیا راز فاش کرنے والی ہے۔ عجیب الجھن میں ساری رات کبھی سوتے کبھی جاگتے گزر گئی دوسرے دن بے تابی سے کھانے کی چھٹی کا انتظار کرنے لگا وہاں سب جگہ دوپہر کو ایک گھنٹے کی چھٹی ہوتی تھی جب لنچ کی چھٹی ہوئی تو میں جیسے اڑ کر شار لیان ریستوران پہنچ گیا لبنیٰ پہلے ہی سے وہاں بیٹھی سینڈوچ کھا رہی تھی اس نے میرے لئے بھی سینڈوچ اور کافی منگوالی اور جنگ کے بارے میں باتیں کرنے لگی جرمن فوجوں کا دباؤ طبروق پر بڑھتا جا رہا تھا مجھے جنگ سے اب کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی میں اس سے لیلیٰ کے بارے میں بہت سے سوال کرنا اور بہت سی باتیں پوچھنا چاہتا تھا۔ وہ بڑے سکون سے سینڈوچ کھانے کے بعد کافی بنا رہی تھی

مجھ سے نہ رہا گیا میں نے پوچھ ہی لیا "لبنیٰ! کیا تم مجھے نہیں بتاؤ گی کہ لیلیٰ مجھے پہچاننے سے کیوں انکار کر رہی ہے۔۔"

لبنیٰ نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے خاموش رہنے کو کہا۔ کافی کا ایک گھونٹ پیا اور ٹشو پیپر سے اپنے ہونٹوں کے کنارے صاف کرتے ہوئے بولی۔۔ "کیا تم نے واقعی خودکشی کا فیصلہ کر لیا ہے؟"

میں نے کہا۔۔ "لبنیٰ! تم شاید نہ سمجھ سکو۔۔ لیکن میرے ذہن کی حالت اس پیاسے انسان کی سی ہے جس کو صحرا میں بار بار پانی دکھائی دے لیکن ہر بار جب وہ اس کے قریب پہنچے تو وہ چشمہ ریگ زار میں تبدیل ہو جائے میں دن میں نہ جانے کتنی بار خودکشی کرتا ہوں۔"

لبنیٰ نے ایک نظر مجھ پر ڈالی اور پھر گہرا سانس بھرتے ہوئے بولی۔ "لیلیٰ میری پہلی اور آخری سہیلی ہے ہم بچپن سے ایک ساتھ کھیل کود کر بڑی ہوئی ہیں میرا اس سے کوئی راز اور اس کا مجھ سے کوئی راز نہیں چھپا۔ اس نے مجھے تمہارے بارے میں اپنے گاؤں سے

ے ہی سب کچھ بتا دیا تھا اس نے مجھے یہ بھی بتا دیا تھا کہ اگر اس روز صحرا میں تم برٹش فو
اپنی رائفل کی گولی سے ہلاک نہ کرتے تو وہ لیلیٰ کی زندگی کا آخری دن ہوتا اس کے بعد کے سامنے ایک ہی راستہ تھا اور وہ خودکشی کا راستہ تھا صحرائی بھیڑیئے کا ذکر میں نے ارے سامنے اصل بات چھپانے کے لئے کیا تھا تاکہ تم پر یہ بات نہ کھل جائے کہ میں ارے راز سے آگاہ ہو گئی ہوں لیلیٰ نے بھی مجھے اس بات کو کھولنے سے منع کیا تھا لیلیٰ ری بے حد احسان مند ہے اور میں یہ بات بھی اب کھول دینا چاہتی ہوں کہ وہ بھی تم سے ن کرتی ہے۔"

مجھے ایسے لگا جیسے کسی نے میرے کانوں میں محبت کا نغمہ چھیڑ دیا ہو۔ اس ایک جملے کو کے لئے جیسے میرے کان ازل سے ترس رہے تھے میں نے وہیں لبنیٰ کی بات کاٹ دی پوچھا "اگر لیلیٰ بھی مجھ سے محبت کرتی ہے تو پھر مجھ سے دور دور کیوں رہتی ہے پھر اس اپنی حویلی میں چلمن کے پیچھے سر ہلا کر مجھے کیوں کہا کہ میں اس کی گلی سے چلا جاؤں؟ پھر نے بازار میں مجھ سے نظریں کیوں چرائی تھیں؟"

لبنیٰ نے میری بات ختم ہو جانے کا پورا انتظار کیا جب میں چپ ہو گیا تو وہ کہنے لگی۔۔ جب سے گاؤں سے آئی ہے وہ کہیں نہیں گئی میں نے تم سے جھوٹ بولا تھا کہ وہ ن گئی ہوئی ہے وہ اسی شہر میں تھی اپنے گھر میں تھی اور تم نے اسے پہلی بار بازار میں ٹھیک دیکھا تھا اور جب میں نے اسی روز شام کو تمہارے بارے میں بتایا کہ تم کتنی ا کے عالم میں میرے پاس آئے تھے اور اس کے لئے کتنے غم زدہ اور بے چین تھے تو آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔"

میرے دل پر اک تیر سا لگا۔۔۔۔۔ میں نے بے اختیار ہو کر کہا۔ "لبنیٰ لبنیٰ! میری بہن اؤ کہ اگر وہ بھی مجھے چاہتی ہے اگر وہ بھی میرے لئے آنکھوں میں آنسو بھر لاتی ہے تو ے سامنے کیوں نہیں آتی؟"

لبنیٰ کافی کا دوسرا پیالہ بناتے ہوئے رک گئی اور پرسکون آواز میں بولی۔ "اس لئے کہ دوسرے کی امانت ہے۔"

مجھ پر گویا بجلی سی گر پڑی' ایک لمحے کے لئے میں پتھر کی طرح ساکت ہو گیا میرے ذہن ہی سوال گردش کر رہا تھا لیکن میں لبنیٰ سے وہ سوال پوچھتے ۔۔ گھبرا رہا تھا لبنیٰ کہہ

رہی تھی کہ "لیلیٰ کی منگنی ہو چکی ہے اس کا منگیتر اس کا چچازاد عبید ہے وہ ماہ بعد ان کی شا
ہو جائے گی۔"

میری حالت اس آدمی کی سی تھی جس کی آنکھوں کے سامنے قیامت کی بجلی کو۔ گ
بچ گیا ہو مگر جس کے ہوش و حواس معطل ہو گئے ہوں آج بھی جب میں اپنی اس وقت
حالت کو اپنے تصور میں لاتا ہوں تو مجھے کوئی حیرانی یا تعجب نہیں ہوتا یہ حقیقت ہے کہ لیلیٰ
اس خوبصورت دراز قد آہو چشم لڑکی سے میں نے اپنی روح کی گہرائیوں سے پیار کیا تھا
دیر کے لئے تو میں کوئی بات نہ کر سکا۔ لبنیٰ بھی مجھے اتنے شدید صدمے کی حالت میں دیکھ
کچھ پریشان ہو گئی تھی اس نے میری ڈھارس بندھانے کی کوشش میں کہا۔

"ان دونوں کی منگنی تو بچپن ہی میں ہو گئی تھی ایسا تو ہوتا ہی رہتا ہے اب تمہیں حو
سے کام لینا چاہئے یہ ایک اتفاق ہے کہ تم اور لیلیٰ ایک دوسرے سے مل گئے اور ا
دوسرے کو پیار کرنے لگے اگرچہ لیلیٰ اس معاملے میں زیادہ آگے نہیں بڑھی لیکن میں
رہی ہوں کہ تم زیادہ جذباتی ہو رہے ہو تم لیلیٰ کے خاندان کو نہیں جانتے یہ بڑا سخت روا
پرست گھرانہ ہے تمہیں لیلیٰ نے نہیں بتایا تھا کہ اس کی عبید سے منگنی ہو چکی ہے اسے ب
چاہئے تھا۔"

میں نے اپنے خشک ہونٹوں کو کافی کے نیم گرم گھونٹ سے تر کیا اور اداس آوا
لبنیٰ سے کہا "لیلیٰ نے تو کبھی عبید کا ذکر نہیں کیا تھا۔"

لبنیٰ بولی! "یہی بات میں نے بھی اسے کہی تھی مگر وہ کہنے لگی کہ اسے تمہاری دل
خیال تھا کیونکہ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ تم سے بے پناہ محبت کرنے لگے ہو۔"

میں نے کافی کی پیالی میز پر رکھتے ہوئے لبنیٰ کا ہاتھ تھام لیا اور کہا۔ "لبنیٰ! کیا تم ای
مجھے لیلیٰ سے ملا سکتی ہو؟ میں پھر میں لیلیٰ سے کبھی نہیں ملوں گا بلکہ میں اس شہر ہی کو چھو
جاؤں گا تم لیلیٰ کی رازدار بھی ہو اور اس کی اچھی سہیلی ہو تم چاہو تو میری ملاقات کر
ہو میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔"

لبنیٰ نے اپنی آنکھیں بند کر لیں دو تین سیکنڈ تک آنکھیں بند رکھیں پھر میری
پلکیں جھپکاتے ہوئے دیکھا اور بولی "لیلیٰ گھر سے بازار تک تو کبھی کبھار آتی جاتی ہے
کسی ریستوران میں نہیں جا سکتی اور تم دونوں ریستوران میں ہی مل سکتے ہو"

میں بڑا خوش ہوا کہ لبنیٰ مجھے لیلیٰ سے ملانے پر راضی ہو گئی ہے میں نے جلدی سے کہا
"لبنیٰ! کیا اتنے بڑے جہاں میں کوئی بھی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں میں لیلیٰ سے تھوڑی دیر کے
لئے مل کر اس سے اپنے دل کی آخری باتیں کر سکوں؟ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس کے بعد
لیلیٰ سے کبھی نہیں ملوں گا"

لبنیٰ کچھ سوچ رہی تھی کہنے لگی "یہ جگہ میرا گھر ہی ہو سکتی ہے مگر میں تمہیں اپنے گھر
نہیں بلا سکتی۔"

لبنیٰ اتنا کہہ کر ایک بار پھر سوچ میں ڈوب گئی پھر میز پر کہنی ٹکاتے ہوئے بولی "ہاں
------ ہمارے گھر کے پیچھے ہمارا ایک چھوٹا سا اناروں کا باغ ہے اس باغ کے کونے میں
ایک چھوٹا سا کمرہ بنا ہے وہاں کوئی نہیں جاتا میں وہاں تم دونوں کو ملوا سکتی ہوں۔"

مسرت کی ایک لہر نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا لیکن پھر خیال آیا کہ کیا لیلیٰ مجھ سے
ملنے آ جائے گی جب میں نے لبنیٰ کے آگے اس خدشے کا اظہار کیا تو وہ اپنے کندھوں کو ذرا سا
اچکاتے ہوئے کہنے لگی "کچھ کہہ نہیں سکتی مگر تمہاری خاطر میں اسے منا کر لے آؤں گی۔"

میں لبنیٰ کا شکریہ ادا کرنے لگا -- وہ میری بات کاٹتے ہوئے بولی "لیکن اس کے بعد تم
لیلیٰ سے نہیں ملو گے"

میں نے دل پر پتھر کی سل رکھتے ہوئے کہا۔ "نہیں ملوں گا میں وعدہ کرتا ہوں۔"

وہ بولی "اس میں تمہاری بھلائی ہے جلال - ایسی محبت کا کیا فائدہ کہ جس کا انجام
سوائے زندگی بھر کی جدائی کے اور کچھ نہ ہو تم یہاں پردیسی ہو لیلیٰ کی شادی ہونے والی ہے
پھر خواہ مخواہ اپنے دل کو جلانے سے کیا حاصل!"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا میں سمجھتا ہوں کہ یہ میری محبت کی طاقت اور جذبے کی
بے پناہ شدت تھی جس نے مجھے یقین دلا دیا تھا کہ لیلیٰ مجھ سے کبھی جدا نہیں ہو گی اور میں لیلیٰ
کو حاصل کر کے چھوڑوں گا لیکن حالات کیا رخ پلٹنے والے تھے اس کا مجھے علم نہیں تھا اس
کے بعد لبنیٰ نے مجھے اپنے گھر کے پیچھے جو اناروں کا باغ تھا اس کا پتہ اچھی طرح سے سمجھا دیا
ور کہا "تم کل پانچ بجے سہ پہر اناروں کے باغ والے کمرے میں آ کر چھپ جانا میں نے
روازہ کھلا رکھا ہو گا میں پانچ بجے کے بعد کسی بھی وقت لیلیٰ کو لے کر وہاں آ جاؤں گی۔"

لنچ کا وقت ختم ہو رہا تھا لبنیٰ اپنے سٹور کی طرف اور میں اپنے کارخانے کی طرف چل

دیا کل سہ پہر کے بعد میں لیلیٰ سے ملنے والا تھا مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے کل لیلیٰ سے میری شادی ہونے والی ہو لبنیٰ کے منہ سے یہ بات نکل گئی تھی کہ لیلیٰ بھی مجھ سے محبت کرتی ہے مجھے یقین تھا کہ وہ آخری ملاقات کا سن کر مجھ سے ملنے اناروں والے باغ میں ضرور آئے گی رات کتنی دیر تک خوشی کی وجہ سے مجھے نیند نہ آئی دوسرے دن بھی میں اسی خوشی میں سرشار کارخانے میں کام کرتا رہا چار بجے چھٹی ہوئی تو میں نے غسل کیا صاف کپڑے پہنے اور خاموشی سے کارخانے کے احاطے سے نکل کر لبنیٰ کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا پتہ اس نے مجھے بتا دیا تھا اس کا گھر شہر کے مضافات میں ایک ایسی جگہ پر تھا جہاں اردگرد دوسرے مکان کافی فاصلے پر تھے گھر کے پچھواڑے کچی چار دیواری تھی جس میں اناروں کے درخت شام کی صحرائی ہوا میں لہرا رہے تھے ایک جگہ سے دیوار ٹوٹی ہوئی تھی میں وہاں سے باغ میں داخل ہو گیا جیسا لبنیٰ نے مجھے بتایا تھا باغ کے کونے میں ایک چھوٹا سا کیبن نما کمرہ بنا ہوا تھا جس کی دیوار پر کوئی بیل چڑھی ہوئی تھی یہ موسم اناروں کا نہیں تھا جس کی وجہ سے باغ ویران تھا پھر بھی میں بڑی احتیاط سے چاروں طرف دیکھتا کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا کمرے کا دروازہ کھلا تھا میں جلدی سے اندر داخل ہو گیا اور دروازہ بند کر دیا۔

میں نے بند دروازے کے ساتھ لگ کر ایک لمبا سانس لیا اور دیکھا کہ اس چھوٹے سے کمرے میں فرش پر پرانا قالین بچھا تھا جو یقیناً لبنیٰ نے بچھایا تھا کونے میں باغ میں گوڈی کرنے اور درختوں کی تراش خراش کرنے والے اوزار پڑے تھے اس چھوٹے سے کمرے میں کوئی کھڑکی نہیں تھی صرف کچی دیوار میں ایک روشندان ہی تھا جس میں سے ڈھلتے سورج کی گلابی روشنی اندر آ رہی تھی میں نے دروازے کو ذرا سا کھول کر باغ میں دیکھا انار کے درختوں کے پتے جھڑ چکے تھے دور باغ کے دوسرے کنارے پر ایک چبوترے والا برآمدہ تھا پیچھے والان کے ستونوں پر چقیں گری ہوئی تھیں میری نظریں اسی برآمدے پر جم گئیں ضرور یہیں سے لبنیٰ لیلیٰ کو لے کر آئے گی ہو سکتا ہے لیلیٰ اکیلی ہی آ جائے میری کلائی کی گھڑی میں ابھی پانچ بجنے میں پانچ منٹ باقی تھے میں درختوں کے پیچھے چقوں والے والان کے برآمدے کو مسلسل تک رہا تھا پھر ایک طرف سے برآمدے کی چق کا کونا ذرا سا اٹھا اور دھاری دار چادر میں لپٹی ایک لڑکی چق کے پیچھے سے نکل کر برآمدے میں ٹہلنے لگی میرا دل شدت جذبات سے دھڑکنے لگا یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ میں لیلیٰ کو نہ پہچانتا یہ لیلیٰ ہی تھی ایک

آدھ منٹ وہ برآمدے میں ٹہلتی رہی پھر آہستہ آہستہ برآمدے کے چبوترے کی سیڑھیاں اتر کر اناروں کے باغ میں آ گئی۔ وہ یوں چل رہی تھی جیسے باغ میں ٹہلنے کے لئے نکل آئی ہو پہلے وہ مشرقی درختوں کی طرف چلی گئی پھر اس کا رخ کونے والے کمرے کی طرف ہو گیا وہ میری طرف آ رہی تھی اب اس کے قدموں کی رفتار تیز تھی میں جلدی سے دروازے سے ہٹ کر دیوار کے ساتھ لگ گیا پھر دروازہ کھلا اور لیلیٰ کا چاند ایسا چہرہ میرے سامنے تھا اس نے دروازہ بند کر کے ایک گہرا سانس لیا اور وہ چھوٹا سا کمرہ لیلیٰ کے ملبوس سے اٹھنے والی گہری خوشبو سے لبریز ہو گیا میں نے خشک آواز میں اس کا نام لیا لیلیٰ نے کوئی جواب دینے کی بجائے آنکھیں بند کر لیں۔

اناروں کے باغ میں غروب آفتاب کی سرخی گہری ہوتی جا رہی تھی۔

لیلیٰ اس باغ کو کونے والی کوٹھری میں بند دروازے سے لگ کر کھڑی تھی' روشندان میں سے آتی ڈوبتے سورج کی نارنجی روشنی میں لیلیٰ کا چہرخواب کی طرح لگ رہا تھا لیلیٰ میرا خواب بھی تھی اور میرے خواب کی تعبیر بھی---- لیبیا کی اس صحرائی دوشیزہ نے مجھے اپنی طلسمی محبت کے حصار میں جکڑ لیا تھا اپنی پہلی محبت کی ناکامی کے بعد میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میں زندگی میں کسی دوسری لڑکی سے اتنا شدید پیار کر سکوں گا فضاء میں لیلیٰ کے لباس سے اٹھنے والی مخصوص خوشبو رچی ہوئی تھی میں جیسے اس خوشبو میں تحلیل ہو کر فضاء میں بکھر گیا تھا لیلیٰ خاموش تھی اس کی سہیلی لبنیٰ اسے میرے کہنے پر اپنے مکان پر لائی تھی میں نے لبنیٰ سے کہا تھا کہ میں لیلیٰ سے آخری ملاقات کرنا چاہتا ہوں اس کے بعد میں مصر کی طرف چلا جاؤں گا اور پھر کبھی اس ملک میں نہیں آؤں گا لیکن میں جانتا تھا کہ میں لبنیٰ کے آگے جھوٹ بولا ہے میں لیلیٰ سے جدا ہو کر زندہ رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا جو کرن اپنے سورج سے جدا ہو جائے وہ کہاں زندہ رہ سکتی ہے حقیقت یہ تھی کہ میں لیلیٰ کو بتانا چاہتا تھا کہ میں اسے کتنی شدت سے چاہتا ہوں حالانکہ یہ بات میرے علم میں آ چکی تھی کہ لیلیٰ کی منگنی اس کے چچازاد عبید سے ہو چکی ہے اور دو ایک مہینے بعد ان کی شادی ہونے والی ہے میں یہ بھی جانتا تھا کہ لیلیٰ کا تعلق ایک روایت پرست اور قدامت پسند گھرانے سے ہے جہاں لڑکی اپنے ماں باپ کی مرضی کے خلاف ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتی اس کے باوجود میں لیلیٰ کو ہر حالت میں اپنا بنانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

فرش پر ایک پرانے قالین کا ٹکڑا بچھا ہوا تھا میں نے لیلیٰ کا ہاتھ تھام کر اسے قالین پر بٹھا لیا لیلیٰ نے اپنا ہاتھ آہستہ سے کھینچ لیا میں نے لیلیٰ کے آگے اپنا دل کھول کر رکھ دیا میں نے

ہاتھ سے اس کا سفید گلاب ایسا چہرہ اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔ "لیلیٰ! زندگی میں بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ ازل سے بچھڑے ہوئے دو ستارے خلاء کی وسعتوں میں گردش کرتے ایک دوسرے سے آ کر مل جائیں ہم دونوں اگر پیچھے کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھیں تو ہمیں قرن ہا قرن کے فاصلے پر وہ مقام نظر آئے گا جہاں سے ہم دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے تھے غروب ہوتا ہوا سورج گواہ ہے کہ اس نے طلوع ہوتے ہوئے ہزار بار ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ دیکھا ہے ہم ایک دوسرے کی محبت کو کوشش کے باوجود نہیں جھٹلا سکتے میں نے لبنیٰ نے کہا تھا میں لیلیٰ سے آخری بار ملنا چاہتا ہوں لیکن میں نے اس سے جھوٹ بولا تھا---- یقین کرو---- میں تم سے آخری ملاقات کرنے سے پہلے اس دنیا میں نہیں ہوں گا

لیلیٰ کی نظریں قالین پر لگی تھیں میں نے شدت جذبات میں اس کے ہاتھ کو چوم لیا لیلیٰ نے ایک ایک بار پھر اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا اور جذبات میں ڈوبی آواز میں بولی میں تم سے محبت نہیں کر سکتی جلال! میرے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں میں عبید کی امانت ہوں لبنیٰ نے کہا کہ تم مجھ سے آخری بار کچھ باتیں کرنا چاہتے ہو میں آ گئی۔"

لیلیٰ کا چہرہ اس کی باتوں کی تردید کر رہا تھا اس کی آنکھوں میں میرے لئے محبت کا خاموش سمندر موجزن تھا میں اس سمندر کو دیکھ رہا تھا اس کی خاموش آواز سن رہا تھا میرا دل کہہ رہا تھا کہ لیلیٰ تم سے پیار کرتی ہے لیکن وہ خاندانی روایات میں جکڑی ہوئی ہے ان روایات کے خلاف بغاوت نہیں کر سکتی شاید اس میں اتنی ہمت نہیں ہے شاید وہ ایک کمزور لڑکی ہے جب میں نے اپنی سچی محبت کے جوش میں کہا کہ میں اس سے پیار کرتا ہوں اور اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اور یہ کہ وہ بھی مجھ سے محبت کرتی ہے تو لیلیٰ نے ایک پل کے لئے مجھے اپنی سیاہ غلافی آنکھوں سے دیکھا اور پھر اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس نے اپنا چاند ایسا چہرہ حنائی ہتھیلیوں میں چھپا لیا اور سسکیاں بھرنے لگی۔ یہ میری محبت کی فتح کا اعلان تھا لیلیٰ بھی مجھ سے پیار کرتی تھی۔

کہتے ہیں کہ اگر دل میں سچا پیار ہو' سچی محبت ہو تو زبان میں بھی تاثیر آ جاتی ہے میں نے لیلیٰ کا ہاتھ اسی کے دل پر رکھتے ہوئے اس پر اسی کے دل کا راز فاش کر دیا اور اسے محبت کی ان سرسبز و شاداب وادیوں میں لے گیا جہاں ہم دونوں کے پیار کے سدا بہار پھول چاندنی رات میں مہک رہے تھے اگر دل میں پیار ہو تو وہ چھپتا نہیں لیلیٰ کے دل میں بھی میرے لئے

اتنا ہی پیار تھا وہ بھی مجھے دل سے چاہتی تھی جب میں نے اس کے در دل پر دستک دی تو محبت کا دروازہ اپنے آپ کھل گیا اور ہم خوشبوؤں اور چاندنی کے نور سے فضاؤں میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے تھے۔

باہر انار کے درختوں والے باغ میں رات کے سائے اترنے لگے تھے لبنیٰ نے لیلیٰ کو کسی تقریب کے بہانے اپنے گھر بلایا ہوا تھا لیلیٰ کو بھی اب وقت کا احساس نہیں رہا تھا جس چھوٹے سے کیبن یا کوٹھری میں ہم ہم بیٹھے تھے وہاں اب اندھیرا ہو گیا تھا روشندان سے آنے والی غروب آفتاب کی قرمزی روشنی اب معدوم ہو چکی تھی لیکن ہمیں ایک دوسرے کے چہرے صاف نظر آرہے تھے اس اندھیرے میں لیلیٰ کا سپید گول چہرہ سچ مچ زرد چاند کی طرح لگ رہا تھا ہمیں باغ میں کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی انار کے درختوں کے پتے جھڑ چکے تھے اور باغ میں ان کا فرش بچھا تھا کوئی ان سوکھے پتوں پر چلتا کوٹھری کی طرف آرہا تھا لیلیٰ جلدی سے دروازے کے پاس گئی اتنے میں باہر سے لبنیٰ کی آواز آئی۔ اس نے عربی میں لہا۔ "لیلیٰ اب آجاؤ"

عربی زبان میں نہ صرف سمجھنے لگا تھا بلکہ بول بھی لیتا تھا۔ لیلیٰ نے اسی زبان میں جواب دیا "آ رہی ہوں" پھر اس نے پلٹ کر میری طرف دیکھا میں اٹھ کر لیلیٰ کے قریب آگیا اب لیلیٰ کے ملبوس کی خوشبو میرے ہونٹوں کو چھو کر گزر رہی تھی میں نے لیلیٰ سے کہا کہ میں اسی دن اسی وقت پھر اناروں کے باغ میں آؤں گا وہ انکار کرتی رہی میرا اصرار جاری رہا اور لبنیٰ نے دروازے کے ساتھ منہ لگا کر کہا۔

لیلیٰ آجاؤ"

لیلیٰ نے دروازہ کھولا اور انار کے باغ میں نکل گئی میں نے ادھ کھلے دروازے سے باہر دیکھا اناروں کے باغ میں رات کا اولین اندھیرا اتر چکا تھا لیلیٰ کا سایہ مجھے انار کے درختوں میں مکان کے برآمدے کی طرف تیز تیز قدموں سے جاتا نظر آیا۔ لبنیٰ دروازے کے پاس ہی کھڑی تھی کہنے لگی۔

"اب تم بھی پیچھے سے باہر نکل جاؤ جلال۔" میں نے لبنیٰ کا شکریہ ادا کیا اور کوٹھری کے پیچھے سے کچی دیوار میں بنے ہوئے چھوٹے سے راستے سے باہر نکل گیا' شہر میں بلیک آؤٹ تھا لیکن مجھے راستے کا علم تھا میں اپنے کارخانے کے خیمے میں آکر لیٹ گیا ساری رات محبت کی

نیلگوں وادیوں میں لیلیٰ کے ساتھ پھرتا رہا دوسرے دن لنچ کے وقت میں نے لبنیٰ کے اسٹور میں گیا اور اسکا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس سے استدعا کی وہ ہمارے مزید ایک ملاقات کرا دے۔ لبنیٰ مسکرانے لگی۔ شاید لیلیٰ نے بھی اپنی سہیلی پر اپنے دل کا راز کھول دیا تھا اور اسے اپنے دل میں خوابیدہ میری محبت سے آگاہ کر دیا تھا پہلے تو لبنیٰ نے مجبوری کا اظہار کیا لیکن جب میں نے زیادہ اصرار کیا تو وہ راضی ہو گئی۔

ایک ہفتے بعد اسی اناروں والے باغ میں لیلیٰ ایک بار پھر مجھ سے ملنے آگئی ہم دیر تک نیم روشن کیبن میں پرانے قالین پر بیٹھے باتیں کرتے رہے اب ہماری باتوں میں محبت کی گرمجوشی زیادہ شدید تھی اس روز پہلی بار لیلیٰ نے اپنی محبت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ وہ اپنے چچازاد عبید سے شادی نہیں کرنا چاہتی' لیکن وہ اپنے ماں باپ اور خاندانی روایات کے خلاف بغاوت بھی نہیں کر سکتی۔ میں نے اس سے صاف صاف کہہ دیا کہ چلو ہم یہاں سے مصر بھاگ جاتے ہیں مصر جا کر ہم شادی کر لیں گے اس پر لیلیٰ کا چہرہ خوف کے مارے زرد سا پڑ گیا حنائی انگلیاں اپنے ہونٹوں پر رکھ لیں اور میری طرف دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔۔۔۔ "نہیں جلال! میں ایسا نہیں کر سکتی میں خودکشی کر لوں گی مگر اپنے ماں باپ اور خاندان کی عزت کو بٹہ نہیں لگاؤں گی۔"

میں نے جوشیلے لہجے میں کہا۔ "لیلیٰ! ہم شادی کرنے مصر جائیں گے۔ ہم اپنے دین کے مطابق ایک دوسرے کے جیون ساتھی بنیں گے۔ اس میں خاندان کو بٹہ نہیں لگے گا۔"

لیلیٰ نے نفی میں سر ہلایا "میں گھر سے بھاگوں گی کیا یہ بدنامی کی بات نہیں ہو گی میرے خاندان کے لئے۔۔۔۔ نہیں نہیں جلال! تم اس طرح مت سوچو۔"

پھر اس نے میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور مجھے سمجھانے کے انداز میں کہنے لگی۔ "ہم ایک ساتھ زندگی نہیں بسر کر سکتے جلال! اللہ کے لئے تم مجھے بھول جاؤ۔ اس ملاقات کو ہمیں آخری ملاقات سمجھنا چاہئے' دو ماہ بعد میری شادی عبید سے ہونے والی ہے میں زنجیروں میں جکڑ دی گئی ہوں میں ان زنجیروں کو نہیں توڑ سکتی میں ایک کمزور لڑکی ہوں۔۔"

لیلیٰ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اس وقت روشندان میں سے آنے والی غروب آفتاب کی پھیکی روشنی سرمئی اندھیرے میں تبدیل ہو چکی تھی اس سے ظاہر تھا کہ باہر

رات کا اندھیرا چھانا شروع ہو گیا ہے۔ اناروں کے باغ میں گہری خاموشی تھی۔ میں لیلیٰ کو کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اچانک لبنیٰ کے مکان کی جانب سے کسی مرد کی بلند آواز گونجی اس نے عربی زبان میں کسی سے پوچھا تھا "کہاں ہے لیلیٰ؟" اس آواز کو سنتے ہی لیلیٰ اس طرح ہڑبڑا کر اٹھی جیسے اس نے قریب ہی کسی سانپ کو دیکھ لیا ہو۔ "عبید آ گیا---- بھاگ جاؤ۔" لیلیٰ نے بدحواسی میں کوٹھری کا دروازہ کھولا اور باہر بھاگ گئی میں بھی عبید کا نام سن کر گھبرا گیا تھا میں بھی کوٹھری سے ایسے بھاگا جیسے میرے پیچھے شمشیر بکف ڈاکو لگے ہوں خدا کا شکر ہے کہ باغ میں اندھیرا ہو گیا تھا گھبراہٹ میں مجھے یہ بھی یاد نہ رہا کہ کچی دیوار کا راستہ وہاں سے چھ سات قدم بائیں جانب ہے میں دوڑتے ہوئے دیوار کے پاس جا کر اچھلا---- کچی دیوار سات آٹھ فٹ بلند تھی میں نے اپنے آپ کو دیوار کی دوسری طرف گرا دیا۔ یہاں میں ریت پر گرا۔ جلدی سے اٹھا اور سامنے والے کیکر کے درختوں کی طرف بھاگا بلیک آؤٹ نے میری مدد کی اور مجھے اپنی تاریکی کی چادر میں چھپا لیا۔ اپنے کارخانے کے پاس آکر میں ایک مٹی کے ڈھیر کے پاس بیٹھ گیا میرے قریب ہی ایک اونٹ رات کے اندھیرے میں اپنی گردن اٹھائے بیٹھا جگالی کر رہا تھا میرا سانس پھولا ہوا تھا میں اناروں والے باغ سے تقریباً دوڑتا ہوا آ رہا تھا جب میرا سانس درست ہوا تو اٹھا اور اپنے خیمے میں آکر لیٹ گیا یہ سب کچھ اچانک ہی ہو گیا تھا۔ دل میں دعائیں مانگنے لگا کہ عبید کو لیلیٰ پر شک نہ ہوا ہو اور وہ خیریت سے ہو مگر عبید وہاں اچانک کیسے آ گیا تھا اور اس نے بلند آواز میں لبنیٰ سے کیوں پوچھا تھا کہ لیلیٰ کہاں ہے؟ اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ کسی نے اسے بتا دیا تھا کہ لیلیٰ لبنیٰ کے گھر کسی سے خفیہ ملاقات کرنے گئی ہوئی ہے ورنہ اسے غصیلی آواز میں لیلیٰ کے بارے میں پوچھنے کی کیا ضرورت تھی ساری رات اسی پریشانی میں گزر گئی کہ جانے لیلیٰ پر کیا گزر رہی ہو گی اگر اس کے منگیتر عبید کو یہ علم ہو گیا کہ لیلیٰ خفیہ طور پر لبنیٰ کے گھر کسی مرد سے ملاقات کرنے آئی تھی تو یہ بڑی قیامت خیزیات ہو گی پھر خیال آتا کہ جب عبید کو اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا تو پھر وہ لیلیٰ پر کیسے اپنے الزام کو ثابت کر سکے گا۔ ہاں اگر میں موقع پر پکڑا جاتا تو دوسری بات تھی مگر ایسا نہیں ہوا تھا میں عین وقت پر وہاں سے نکل آیا تھا۔

دوسرا دن بھی اسی الجھن کے ساتھ طلوع ہوا کارخانے میں بے دلی سے کام کرتا رہا۔ لیکن دھیان لیلیٰ کی طرف ہی لگا ہوا تھا۔ ڈر کے مارے لبنیٰ کے پاس بھی نہ گیا کہ خدا جانے وہ

مجھے کیا بری خبر سنا دے اس نے مجھے اور لیلیٰ کو اپنے گھر میں ملوا کر بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا کچھ معلوم نہیں تھا کہ اس پر کیا گزری ہو گی وہ دن اسی ادھیڑبن میں گزر گیا کئی بار خیال آیا کہ لبنیٰ کے اسٹور میں جا کر اس سے ملوں مگر ہر بار قدم رک جاتے دوسرے دن مجھ سے نہ رہا گیا اور دوپہر کھانے کے وقفے پر میں لبنیٰ کے اسٹور کے باہر ایک جگہ رک گیا اندر جانے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کچھ خواتین اسٹور سے باہر نکل رہی تھیں دور سے مجھے لبنیٰ کی شکل نظر آئی وہ کاؤنٹر کے پاس کھڑی ایک گاہک عورت سے مسکرا کر باتیں کر رہی تھی۔ مجھے حوصلہ ہوا اگر لبنیٰ پر کوئی عتاب نازل ہوا ہوتا تو وہ یوں مسکرا مسکرا کر باتیں نہ کر رہی ہوتی۔ وہی بات کہ عشق ہو تو ہزار بدگمانیاں اور خوش فہمیاں اپنے آپ جنم لے لیتی ہیں میں خود ہی اپنے آپ سے ایک سوال کرتا اور خود ہی اس کا جواب دے دیتا۔

میں لیلیٰ کی خیریت دریافت کرنے کے بارے میں بے تاب تھا میرے قدم اپنے آپ اٹھے اور میں اسٹور میں داخل ہو گیا۔ لبنیٰ کیش دراز میں رکھ کر کاؤنٹر سے پلٹ رہی تھی کہ مجھے دیکھ کر وہیں رک گئی میں بھی وہیں رک گیا لبنیٰ کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا میں اس کے چہرے سے بالکل اندازہ نہ لگا سکا کہ اس کے دل میں کس قسم کے خیالات موجزن ہیں وہ اپنے چہرے کی طرح سپاٹ نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی اب میرے چہرے پر اپنے آپ ایک عجز سا آ گیا اور میں نے کاؤنٹر کے پاس جا کر دھیمی آواز میں اسے سلام کیا۔ لبنیٰ کے چہرے پر کسی قسم کے جذبات نہیں تھے۔ وہ یوں مجھے دیکھ رہی تھی جیسے پہلی بار دیکھ رہی ہو۔ پھر کاؤنٹر کی دراز کھولی۔ یونہی اس میں ہاتھ ڈالتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"شارلیمان ریسٹورنٹ میں چلو---- میں آ رہی ہوں۔"

میں مشین کی طرح واپس گھوما اور اسٹور سے نکل کر تیز تیز قدم اٹھاتا شارلیمان ریستوران کے کونے والے کیبن میں آ کر بیٹھ گیا خدا جانے لبنیٰ مجھے لیلیٰ کے بارے میں کیا خبر سنانے والی ہے۔ یا اللہ خیر ہو---- لیلیٰ خیریت سے ہو مجھے لبنیٰ کا بھی خیال آ رہا تھا کہ لیلیٰ کے گھر والوں تک اگر بات پہنچ گئی ہے تو انہوں نے لبنیٰ کو بھی برا بھلا کہا ہو گا۔ انتہائی پریشان کن خیالات اور وسوسوں نے مجھے گھیر رکھا تھا کہ مجھے لبنیٰ ریستوران میں داخل ہوتی نظر آئی۔ میں محتاط ہو کر بیٹھ گیا۔

لبنیٰ نے گہرے رنگ کا اسکرٹ پہن رکھا تھا۔ وہ چھوٹے مگر تیز قدم اٹھاتی

سیدھی میرے کیبن میں آ گئی۔ اس نے باریک ریشمی پردہ آگے کر دیا۔ اپنا پرس میز پر رکھا ایک گہرا سانس لیا اور دونوں ہاتھوں کو آپس میں جکڑے ہوئے میری طرف دیکھا اور بولی۔ "تمہاری اور میری وجہ سے لیلیٰ ایک بہت بڑی مصیبت میں پھنستے پھنستے بچی ہے اگر اس روز عبید تمہیں دیکھ لیتا تو وہ تمہیں اور لیلیٰ کو دونوں کو زندہ نہ چھوڑتا اب تمہارے لئے یہی مناسب ہے کہ تم اس شہر کو چھوڑ کر مصر چلے جاؤ اور واپس نہ آؤ۔"

میں نے پوچھا۔۔۔۔۔ "لیکن عبید کو کیسے معلوم ہوا کہ میں لیلیٰ کے ساتھ تمہارے گھر میں موجود ہوں؟"

لبنیٰ نے اپنے سر کو تھوڑا سا نفی میں جھٹکتے ہوئے کہا۔ "تم ان باتوں کو چھوڑو، جس کسی نے بھی اسے خبر دی وہ ہمارا دشمن ہی ہو گا اور وہ ضرور تمہاری ٹوہ میں لگا ہوا ہو گا ہو سکتا ہے اس نے تمہارے بارے میں عبید کو بتا دیا ہو۔"

میں نے کہا۔۔۔۔ "لیکن لبنیٰ میں نے آج تک لیلیٰ کے بارے میں کسی سے ایک لفظ نہیں کہا اور ہم کبھی بازار یا کسی ریستوران میں بھی ایک دوسرے سے نہیں ملے پھر مخبر کو کیسے پتہ چل گیا کہ ہم تمہاری گھر خفیہ ملاقات کر رہے ہیں۔"

لبنیٰ تیز لہجے میں بولی۔ "جو کچھ بھی ہونا تھا ہو گیا ہے۔ لیلیٰ ایک عذاب سے بچ گئی ہے۔ اسے اب معاف کر دو اس کی زندگی برباد نہ کرو اور اپنی زندگی سے بھی دشمنی مول نہ لو۔ اگر واقعی عبید کو تمہارے بارے میں علم ہو گیا ہے کہ تم خفیہ طور پر لیلیٰ سے ملتے رہے ہو تو وہ تمہیں قتل کروا دے گا۔ میں تو اب ان کے گھر میں قدم نہیں رکھ سکتی۔ اگر عبید کو ثبوت مل جاتا تو وہ مجھے بھی زندہ نہ چھوڑتا۔"

مجھے غصہ آ گیا۔ آخر میں بھی جوان تھا، غیرت مند تھا، فوج میں دشمن کے کئی سپاہیوں کو اپنی گولیوں کا نشانہ بنا چکا تھا۔ میں نے کہا۔ "لبنیٰ! اگر عبید مجھے قتل کرنے کی نیت سے آئے گا تو میں بھی اپنا دفاع کرنا جانتا ہوں۔"

لبنیٰ نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "کیا تم جنگ و جدل کرنا چاہتے ہو؟ کیا تمہیں لیلیٰ کی عزت اور اس کے ناموس کا بھی کچھ خیال نہیں؟ کیا تم بھول گئے ہو کہ تم برٹش انڈین فوج کے بھگوڑے ہو اور ایک انگریز افسر کو قتل کر کے فوج سے بھاگے ہوئے ہو اگر عبید نے بن غازی میں مقیم برٹش جنرل کمانڈنگ افسر کو تمہارے بارے میں بتا دیا تو سوچو! پھر تمہیں

کون بچا سکے گا؟"

میں نے کہا۔۔۔۔ "عبید کو کیسے پتہ چل سکتا ہے؟"

لبنیٰ بولی۔۔۔۔۔ "اگر کوئی مخبر اسے یہ بتا سکتا ہے کہ تم اس کی منگیتر سے چھپ کر ملتے ہو تو اسے یہ علم بھی ہو سکتا ہے کہ تم فوج کے قاتل بھگوڑے ہو۔ اس لئے تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ تم یہ شہر چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے کسی دوسرے شہر چلے جاؤ۔ لیلیٰ کی بھلائی بھی اس میں ہے اب بہت ممکن ہے کہ لیلیٰ کی شادی عبید سے بہت جلد ہو جائے۔"

میرے دل پر لبنیٰ کے آخری جملے سے ایک چوٹ سی لگی۔ ایک لمحے کے لئے میرا خون کھول اٹھا اور میرے کان سرخ ہو گئے یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ لیلیٰ کسی دوسرے کی ہو جائے۔ یہ حقیقت ہے کہ میں لیلیٰ کو بے پناہ چاہنے لگا تھا میں اس کی محبت میں اتنی دور نکل گیا تھا کہ جہاں اب مجھے سوائے اپنی محبوبہ کے دوسرا کوئی نظر نہیں آتا تھا اور وہاں کسی دوسرے کے وجود کی گنجائش بھی نہیں تھی میں اپنے اور اپنی محبت کے انجام سے بے نیاز محبت کی آخری منزل کی طرف بے خوف و خطر بڑھا چلا جا رہا تھا میں نے اپنے دل میں کہا کہ دنیا کی کوئی طاقت مجھے لیلیٰ سے جدا نہیں کر سکتی لیکن لبنیٰ کے آگے میں نے خاموشی ہی مناسب سمجھی میں نے اسے اپنے دل کے عزائم سے آگاہ نہ کیا اور یہ کہہ کر وہاں سے اٹھ آیا کہ میں لیلیٰ کو بھول جانے کی کوشش کروں گا۔

اب میں چکی کے دو پاٹوں میں پس رہا تھا ایک پاٹ یہ خدشہ تھا کہ عبید کی مخبری پر مجھے کسی بھی وقت گرفتار کیا جا سکتا ہے چکی کا دوسرا پاٹ لیلیٰ سے عبید کی شادی اور اس کا مجھ سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو جانا تھا دونوں طرح مجھے اپنی موت نظر آ رہی تھی لیکن میں لیلیٰ کے بغیر عالم بے بسی میں مرنا بھی گوارا نہیں کر سکتا تھا اسے حاصل کرنے اسے اپنا بنانے کی جنگ میں اگر مجھے موت آ جاتی تو مجھے یہ موت قبول تھی میں ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکا تھا کہ عبید کو آخر کس نے یہ خبر دی کہ میں لیلیٰ کے ساتھ لبنیٰ کے گھر میں موجو، ہوں پھر خیال آیا کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے اپنے طور پر ہی لیلیٰ پر شک پڑ گیا ہو کہ وہ لبنیٰ کے گھر کسی سے ملنے گئی ہے میں خیالات کی متضاد اور ایک دوسرے کی دشمن موجوں کے بھنور میں پھنس گیا تھا لیلیٰ میری روح اور میرے دل و دماغ پر چھا چکی تھی مجھے اس کے بغیر اب کچھ نظر نہیں آتا تھا اس کے بغیر میں اپنی زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا آج جب میں ان دنوں کا تصور کرتا ہوں تو مجھے

شدت سے محسوس ہوتا ہے کہ واقعی میں نے لیلیٰ کو جتنا پیار کیا تھا' اتنا پیار میں نے اپنی زندگی سے بھی نہیں کیا۔ ابتداء میں مجھے صرف اسی بات کی بے حد تسکین تھی کہ میں اس شہر میں سانس لے رہا ہوں جس شہر کی فضاء میں لیلیٰ بھی سانس لے رہی ہے کیا معلوم میں جو سانس لے رہا ہوں۔ یہ ہوا لیلیٰ کے ہونٹوں کو چھو کر آئی ہو۔ رات کو صحرا میں چاند نکلتا تو میں سوچتا کہ جس چاند کو میں دیکھ رہا ہوں ہو سکتا ہے لیلیٰ بھی اپنے مکان کی چھت پر کھڑی اس چاند کو دیکھ رہی ہو۔ یہ محبت کے انمول حسین اور خواب ایسے خیال تھے جو مجھے اپنی رنگین آغوش میں ہر لحظہ لئے رہتے تھے اب میں لیلیٰ کو دوسرے مرد کے ساتھ دیکھتا تو میرا حلق کڑوا ہو جاتا' اگر تھوڑی دیر پہلے نیند آرہی ہوتی تو نیند غائب ہو جاتی۔ لیلیٰ میرے جسم کا ایک حصہ تھی یہ کیسے ممکن تھا کہ کوئی میرے جسم کا ایک حصہ کاٹ کر لے جائے اور میں زندہ رہ سکوں! میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں اسی شہر میں رہوں گا اور لیلیٰ کو ہر حالت میں حاصل کروں گا۔ خواہ اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے مجھے اس حقیقت کا بھرپور احساس تھا کہ اگر ایک بار لیلیٰ کا بیاہ عبید سے ہو گیا تو پھر میں کچھ نہ کر سکوں گا۔ پھر لیلیٰ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میری آنکھوں سے اوجھل ہو جائے گی اور میں مایوسی و ناامیدی کے صحراؤں میں بھٹکتا رہ جاؤں گا۔

کسی وقت مجھے احساس ہوتا کہ میں اپنی لیلیٰ سے اس طرح محبت کرتا ہوں جس طرح صحرائے نجد میں کبھی قیس عامری نے اپنی لیلیٰ سے محبت کی تھی لیکن نہیں ----- میں قیس عامری کی طرح محبت نہیں کر سکتا تھا قیس نے محبت کے ہزیمت خوردہ پہلو کو قبول کیا تھا میں ایسا نہیں کر سکتا تھا ایسا کبھی مجھے گوارا نہیں تھا کہ لیلیٰ کی ڈولی جا رہی ہو اور میں کسی مکان کی دیوار کے ساتھ لگا حسرت و یاس کے آنسو بہاتا رہ جاؤں مجھے صرف ایک بار زندگی گزارنے کا موقع ملا تھا۔ اس مختصر سی زندگی میں لیلیٰ بھی مجھے ایک ہی بار ملی تھی اور میں اسے دنیا والوں سے چھین کر اپنا بنانا چاہتا تھا۔ باقی زندگی اس کی یاد میں روتے ہوئے کاٹنا مجھے کسی صورت بھی گوارا نہ تھا۔

میرے پاس وقت بہت کم تھا دوسری طرف میں خطرات میں بھی گھر گیا تھا ایک طرف لیلیٰ کی شادی جلدی ہونے کا خدشہ تھا دوسری طرف عبید کسی بھی وقت میری مخبری کر کے مجھے گرفتار کروا سکتا تھا اگرچہ مجھے اس بارے میں یقین نہیں تھا کیونکہ ابھی تک عبید کا میرا آمنا سامنا نہیں ہوا تھا اور یہ بھی ممکن تھا کہ اسے میرے بارے میں یہ علم نہ ہو کہ میں فوج

ں ایک انگریز فوجی کو قتل کر کے بھاگا ہوا ہوں۔ بہر حال لیلیٰ کے مجھ سے جدا ہو جانے کا مکان بہت زیادہ تھا میں نے لیلیٰ کو وہاں سے نکال لے جانے کا پروگرام بنانا شروع کر دیا یہ یک طرفہ پروگرام تھا لیلیٰ کی مرضی اس میں شامل نہیں تھی' لیکن یہ حقیقت میری حوصلہ فزائی کر رہی تھی کہ لیلیٰ مجھ سے محبت کرتی ہے اور وہ عبید سے شادی نہیں کرنا چاہتی اس ہر میں' میں اجنبی تھا میرے وسائل بھی محدود تھے مگر محبت کا جذبہ اتنا شدید تھا کہ لگتا تھا میں ر چاہوں تو اس سارے شہر کو اٹھا کر کسی دوسری جگہ لے جا سکتا ہوں لیلیٰ تو ایک نازک سی کی تھی میرا ایمان تھا کہ قدرت زندگی میں بار بار سنہری موقع نہیں دیا کرتی۔ لیلیٰ ایسی کیاں بھی بار بار زندگی میں نہیں آیا کرتیں۔ اگر ایک بار لیلیٰ کو میں نے کھو دیا تو پھر قیامت ک میں ہاتھ ملتا اور پچھتاتا رہ جاؤں گا۔ میں نے اپنی جان کی بازی لگا دینے کا فیصلہ کر لیا۔

میں ایک روز خیمے میں بیٹھ کر تمام حالات اور وسائل پر غور کرنے لگا۔ لبنیٰ سے مدد اصل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور اپنے اس خطرناک ایڈونچر میں' میں لبنیٰ کو ث بھی نہیں کرنا چاہتا تھا سب سے پہلے میں نے اپنے پاس موجود رقم کا جائزہ لیا۔ میں نے تنے دنوں میں دو سو کے قریب انگلش پاؤنڈ بچا لئے تھے ان پیسوں میں' میں نہ صرف ایک ق رفتار اونٹ خرید سکتا تھا بلکہ لیلیٰ کو مصر لے جا کر ہفتہ بھر اطمینان سے رہ بھی سکتا تھا۔ لیبیا ں جنگ کے ان ایام میں فرانسیسی کرنسی کے ساتھ ساتھ امریکی ڈالر اور انگریزی پاؤنڈ کی رنسی بھی چلتی تھی سب سے زیادہ قیمت ڈالر کی تھی جو کمیاب تھا دوسرا نمبر انگلش پاؤنڈ کا تا تھا کارخانے میں ہمیں تنخواہ بھی پاؤنڈز میں ہی ملتی تھی۔ اب میں نے اس پروگرام پر ور کرنا شروع کر دیا کہ لیلیٰ کو اس کے مکان سے کیسے نکال کر یہاں سے فرار ہوا جائے مجھے علوم تھا کہ لیلیٰ اپنی مرضی سے کبھی میرے ساتھ نہیں جائے گی میں اسے بے ہوش کر کے ٹھا لے جانا چاہتا تھا یہ کوئی معمولی کام نہیں تھا سب سے پہلے تو مجھے لیلیٰ کے مکان کے اندر کا ودو اربع معلوم نہیں تھا کہ وہ دن کو کہاں کس کمرے میں ہوتی اور رات کو کس کمرے میں وتی ہے پھر یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اس کا چچا زاد منگیتر عبید کس کمرے میں سوتا ہے اور اس ی چچی اور چچا کا کمرہ کہاں ہے اپنے طور پر ان حقائق معلوم کرنے کے لئے ایک لمبا عرصہ رکار تھا میں نے کسی ایسی عورت کی خدمات حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا جو لیلیٰ کے گھر میں کام رتی ہو لیلیٰ کا مکان میرا دیکھا ہوا تھا یہ ایک خوشحال خاندان کی حویلی لگتی تھی اور سوال ہی

پیدا نہیں ہوتا تھا کہ وہاں کوئی خادمہ نہ کام کرتی ہو۔ سب سے پہلے تو میں نے لیلیٰ کے چچا کے بارے میں کھوج لگایا اس کا چچا شہر میں کپڑے کا سوداگر تھا۔ شہر کے اندر اس کی کافی بڑی دکان تھی اس کا بیٹا اور لیلیٰ کا منگیتر بھی اس کے ساتھ ہی دکان پر بیٹھتا تھا پھر میں نے لیلیٰ کی گلی میں کام کرنے والی ایک عورت سے اس عورت کا سراغ لگایا جو لیلیٰ کے گھر کی خادمہ تھی اور صبح سے رات تک وہاں کام کرتی تھی۔

میں اس شہر کے لوگوں' ان کی چال ڈھال' بول چال اور معاشرت سے پوری طرح آگاہ ہو چکا تھا میں نے یہ بھی معلوم کر لیا کہ لیلیٰ کے گھر میں جو خادمہ کام کرتی ہے اس کا نام اب یاد نہیں رہا وہ بیوہ ہے اور دس بارہ سال کا اس کا ایک لڑکا بھی ہے جس کے ساتھ وہ شہر کے مضافات میں رہتی ہے میں بیوہ خادمہ اور اس کے لڑکے کے لئے کچھ کپڑے اور مٹھائیاں لے کر ان کے گھر پہنچ گیا عورت سمجھدار تھی جب میں نے لیلیٰ کا ذکر کیا تو فوراً بات کی تہہ تک پہنچ گئی روپے کے لالچ میں وہ میری مدد کرنے پر تیار ہو گئی اس نے لیلیٰ کی حویلی کے بارے میں مجھے جو معلومات فراہم کیں ان سے مجھے بہت جلد اندازہ ہو گیا کہ لیلیٰ کو وہاں سے بے ہوش کر کے اٹھا لے جانا تقریباً ناممکن ہے۔ تب میں نے ایسا طریق کار اپنایا کہ جس سے لیلیٰ از خود حویلی سے باہر نکل کر میرے پاس آجائے میں نے لیلیٰ کو محبت بھرے خطوط لکھنے شروع کر دیئے شروع شروع میں تو لیلیٰ نے کوئی جواب نہ دیا لیکن میرے خطوط میں محبت کا بے پناہ جذبہ موجزن ہوتا اور یہ سچا جذبہ تھا کچھ دنوں کے بعد لیلیٰ نے اپنی خادمہ کے ہاتھ مجھے زبانی پیام بھیجنے شروع کر دیئے وہ اپنے ہاتھ سے کوئی خط نہیں لکھتی تھی میں نے اسے حویلی سے باہر کہیں ملاقات کے لئے کہا تو لیلیٰ نے جواب میں پیغام بھجوایا کہ یہ بات اس کے اختیار میں نہیں ہے اسے گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے اس کی خادمہ نے بھی اس کی تائید کی اور کہا کہ لیلیٰ پر سخت پابندی ہے اور وہ حویلی سے باہر نہیں نکل سکتی اور کچھ دنوں بعد اس کی عبید سے شادی ہونے والی ہے۔

میں سخت الجھن میں تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں اور لیلیٰ کو کیسے حاصل کروں۔ لیلیٰ خود بھی عبید سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی خادمہ نے مجھے بتایا کہ لیلیٰ بہت اداس رہتی ہے وہ سارا سارا دن اپنے کمرے میں بند رہتی ہے کسی سے زیادہ بات نہیں کرتی عبید سے تو وہ بالکل کلام نہیں کرتی اس کے چچا زاد اور منگیتر عبید کو میں نے دو ایک بار

کپڑے کی دکان پر دیکھ لیا تھا اونچا لمبا سانولے رنگ کا تھوڑا بڑی عمر کا آدمی تھا وہ کسی طرح بھی لیلیٰ کا جوڑ نہیں تھا سب سے بڑی بات یہ تھی کہ لیلیٰ اسے ناپسند کرتی تھی اور مجھ سے محبت کرتی تھی۔ خادمہ کی زبانی مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ لیلیٰ میرا خط لے کر اسے سب سے پہلے چومتی ہے اور کئی بار خط پڑھتے ہوئے اس کے آنسو ہی نکل آتے ہیں اس بات نے میرے جذبہ عشق کو مہمیز کا کام دیا اور میں چوبیس گھنٹے اس ادھیڑبن میں رہنے لگا کہ لیلیٰ کو کیسے نکال کر اپنے ساتھ لے جایا جائے۔

عربی کے اخبار میں تقریباً روز ہی پڑھتا تھا ان اخبارات میں جنگ کی خبریں بڑے نمایاں طور پر چھپتی تھیں۔ شمالی افریقہ میں جنگ بڑے زوروں پر تھی۔ طبروق اور العالمین کی طرف گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی۔ جرمن جرنیل رومیل پے در پے کامیابیاں حاصل کرتا آگے بڑھتا چلا آ رہا تھا ایک روز خبر آئی کہ جرمن اور اطالوی ڈویژن بن غازی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ میں نے بھی اپنی سرگرمیاں تیز کرنے کا فیصلہ کر لیا ایک روز میں نے لیلیٰ کی خادمہ سے کہا کہ میں تمہیں پچاس پونڈ دوں گا تم کوئی ایسی ترکیب کرو کہ لیلیٰ تمہارے ساتھ حویلی سے باہر نکل آئے تم اسے ایک خاص جگہ لے آنا آگے میں سب کچھ سنبھال لوں گا۔ خادمہ لالچ میں آ گئی پچاس پونڈ بڑی رقم تھی میں نے اسے بیس پاؤنڈ پیشگی بھی دے دیئے خادمہ نے کہا کہ وہ لیلیٰ کو دو ایک دن میں حویلی سے ضرور باہر نکال لائے گی میں مطمئن ہو گیا اور لیلیٰ کو بن غازی سے مصر کی طرف نکال لے جانے کا پروگرام بنانے لگا شمال میں طبروق اور العالمین میں زبردست جنگ ہو رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ لیلیٰ کو ساتھ لے کر صحرا عبور کر کے جنوب میں ایتھوپیا کی طرف نکل جاؤں گا۔ میں نے ایک برق رفتار اونٹ بھی خرید لیا اور خشک خوراک کے ڈبوں اور پانی والی چھاگلوں کا بھی انتظام کر لیا دو خنجر بھی خرید کر اپنے پاس رکھ لئے ایک روز خادمہ نے مجھے آ کر بتایا کہ لیلیٰ کل دوپہر کے بعد اس کے ساتھ اسپتال آنے والی ہے۔ خادمہ کو میں نے یہی بتایا تھا کہ میں لیلیٰ سے صرف ملاقات کرنا چاہتا ہوں اس نے بھی لیلیٰ کو یہی کہا تھا سوائے میرے اور کسی کو علم نہیں تھا کہ میں لیلیٰ کو اپنے ساتھ بھگا کر لے جانے والا تھا میرا پروگرام یہ تھا کہ جب لیلیٰ مجھ سے ملنے آئے گی تو میں اسپتال کے عقبی کھجوروں کے باغ میں اس سے ملاقات کروں گا وہیں میں اپنا برق رفتار اونٹ ایک جگہ درختوں میں بٹھا دوں گا۔ پہلے تو لیلیٰ کو اپنے ساتھ بھاگ جانے اور مصر پہنچ

کر شادی کرلینے پر آمادہ کرنے کی کوشش کروں گا ظاہر ہے وہ راضی نہیں ہوگی پھر میں کلوروفارم والے رومال کی مدد سے اسے بے ہوش کرنے کے بعد اونٹ پر ڈال کر بن غازی سے نکل کر صحراؤں میں داخل ہو جاؤں گا بظاہر یہ خاصا دشوار کام نظر آتا تھا مگر میرا جذبہ عشق مجھے یقین دلا رہا تھا کہ تمہاری نیت نیک ہے تم ضرور اس امتحان میں کامیاب ہو گئے۔

اب میں نے اس دن کا بے تابی سے انتظار شروع کردیا جب خادمہ لیلیٰ کو اسپتال لانے والی تھی ابھی ملاقات میں ایک دن باقی تھا رات کو میں کارخانے کے اسپتال کے ڈاکٹر سے تھوڑا سا کلوروفارم ایک شیشی میں ڈال کر لے آیا۔ اس سے میں نے پہلی ہی ساز باز کرلی تھی اور اسے پندرہ پاؤنڈ بطور رشوت دیئے تھے۔ میرا برق رفتار اونٹ خیمے کے پاس ہی دوسرے اونٹوں کے ساتھ بیٹھا جگالی کرتا رہتا تھا۔ خوراک کے خشک ڈبے میں نے چمڑے کے ایک تھیلے میں بھرلئے تھے۔ پانی کی دو چھاگلیں بھر کر خیمے کے کونے میں رکھ لی تھیں میں ہر طرح سے تیار تھا دوسرے روز دوپہر کے بعد لیلیٰ اسپتال میں مجھ سے ملاقات کرنے آرہی تھی۔ رات میں نے کچھ جاگتے کچھ سوتے گزاری دوسرے دن میں صبح صبح اسپتال کی طرف نکل گیا اس سے پہلے بھی میں موقع کا معائنہ کر چکا تھا اور وہ جگہ منتخب کرلی تھی جہاں میں لیلیٰ سے ملاقات کروں گا اور جس مقام پر میرا اونٹ کھجوروں کے سائے میں بیٹھے گا۔ یہاں کھجوروں کے باغ کے آگے ریتلا میدان تھا جو ایک شاہراہ پار کرنے کے بعد آگے جاکر ایک لق ودق صحرا سے ملتا تھا۔ ہمیں اس صحرا میں سے گزر کر ایتھوپیا پہنچنا تھا جس کا نقشہ میں نے سنبھال کر رکھ لیا تھا ایک بار پھر میں نے موقعہ کا اچھی طرح سے جائزہ لیا اور واپس اپنے کارخانے میں آگیا آج اس وقت کا تصور کرتا ہوں تو حیران ہوتا ہوں کہ انسان کیا سوچتا ہے اور قدرت کیا سوچ رہی ہوتی ہے۔

میں نے اپنے دو چار جوڑے کپڑوں کے باندھ کر خیمے میں رکھے ہوئے تھے میں ایک طرح سے بالکل تیار تھا۔ کارخانے میں کام ہو رہا تھا۔ ترپالیں بنانے اور کاٹنے والی مشینیں معمول کے مطابق چل رہی تھیں کہ اچانک ایک دھماکہ ہوا۔ یہ دھماکہ اتنا زوردار تھا کہ زمین لرز اٹھی۔ اس کے ساتھ ہی دھماکوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کارخانے میں شور مچ گیا ہر کوئی جان بچانے کے لئے بھاگ کھڑا ہوا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ دھماکے کارخانے میں ہو رہے ہیں میں بھی باہر کو دوڑا۔ باہر آکر دیکھا کہ شہر میں دھوئیں اور گرد وغبار کے بادل اٹھ

رہے تھے دھماکے نصف دائرے کی شکل میں ہو رہے تھے میں دھماکوں کی آواز اور ان کی ترتیب سے فوراً سمجھ گیا کہ یہ توپ کے گولے ہیں۔ جرمن توپ خانے نے بن غازی پر پیش قدمی سے پہلے گولہ باری شروع کردی تھی۔ زمین ایسے لرز رہی تھی جیسے بھونچال کی زد میں ہو جگہ جگہ سے آگ کے شعلے بلند ہونے لگے تھے فضاء میں بارود اور انسانی خون کی بو بس گئی تھی ہر طرف سے چیخ وپکار کی آوازیں آرہی تھیں لوگ جدھر منہ اٹھا جان بچانے کو بھاگ رہے تھے۔ گولے اب شہر کے اندرونی علاقوں میں پھٹنا شروع ہو گئے تھے دیکھتے دیکھتے شہر کے مکانوں سے آگ اور دھوئیں کے بادل اٹھنے لگے کارخانے کے احاطے میں بیٹھے ہوئے اونٹ گھبرا کر رسے تڑا کر بھاگ اٹھے ان میں میرا خریدا ہوا اونٹ بھی تھا میں ایک کچی دیوار کی اوٹ میں زمین پر اوندھا لیٹا شہر میں پھٹتے گولوں، اڑتی ریت اور بلند ہوتے دھوئیں اور آگ کے شعلوں کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا لوگ مر رہے تھے جو بچ گئے تھے وہ دیوانہ وار صحرا کی طرف بھاگے جا رہے تھے چیخ وپکار سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی اس شور میں جرمن توپ خانے کے گولوں کے دھماکے الگ کان پھاڑ رہے تھے مجھے اپنا ہوش نہ رہا اس وقت صرف لیلیٰ کا خیال میری روح پر چھا گیا کہ اسے موت کے منہ سے بچانا ہے مجھ پر ایک عجیب سی والہانہ کیفیت طاری ہو گئی میں اٹھا اور دیوانہ وار شہر کی گنجان آبادی کی طرف دوڑنے لگا جہاں سوائے آگ کے شعلوں، دھوئیں کے مرغولوں اور انسانی چیخوں کی آواز کے نہ کچھ سنائی دیتا تھا اور نہ دکھائی دیتا تھا لوگ شہر سے باہر جان بچا کر بھاگ رہے تھے اور میں شہر کے اندر جا رہا تھا مجھے جگہ جگہ کئی پھٹی لاشیں اور توپ خانے کے گولوں سے پڑے ہوئے گہرے گڑھے نظر آنے لگے میں ایک چھوٹے سے نالے کے پل پر دوڑ رہا تھا کہ ایک گولہ نالے میں آکر پھٹا میں دھماکے کے ساتھ ہی اچھل کر نالے میں گر گیا۔

جرمن توپ خانے کا گولہ نالے کے پل پر آکر پھٹا تھا اور اس کے دھماکے سے میں اچھل کر نیچے خشک نالے کی ریت پر جا گرا تھا۔ چاروں طرف ایک کہرام مچا تھا۔ پہلے تو میں سمجھا کہ میری ٹانگیں اڑ چکی ہیں، میں وہیں ریت پر پڑا رہا۔ میں نے ڈرتے ڈرتے اپنی ٹانگوں کو جنبش دی۔ میری ٹانگیں سلامت تھیں اور میں زخمی بھی نہیں ہوا تھا۔ بن غازی کی زمین گولوں کے دھماکوں سے لرز رہی تھی شہر آگ اور بارود کے دھویں کی لپیٹ میں تھا لوگ دیوانہ وار شہر سے نکل کر صحرا کی طرح بھاگ رہے تھے۔ ہر ایک کو اپنی جان بچانے کی فکر تھی۔ کوئی کسی کو نہیں پوچھ رہا تھا۔ لیکن مجھے اپنی محبت لیلیٰ کی فکر تھی۔ میں ریت کی ڈھیری پر سے اٹھا اور نالے سے نکل کر، جھک کر دوڑتا، ایک گلی کے محرابی دروازے میں گھس گیا۔ اس گلی میں ابھی تک گولہ نہیں گرا تا مگر لوگ مکان خالی کر کے بھاگ گئے تھے۔ میں شہر کی تمام گلیوں اور بازاروں سے واقف تھا۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ لیلیٰ کا گھر وہاں سے دو گلیاں اور ایک بازار چھوڑ کر ہے۔ میں اندھا دھند بھاگتا جا رہا تھا۔ گلی پار کر کے ایک بازار میں آگیا۔ یہ چھتا ہوا تنگ بازار تھا۔ بازار قیامت کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ جگہ جگہ آگ لگی تھی۔ بازار میں دھواں بھرا تھا۔ میں دوڑتا گیا آگے لیلیٰ کے چچازاد منگیتر عبید کی دکان تھی۔ دکان پر مجھے لیلیٰ کے چچا کی لاش اس حالت میں نظر آئی کہ اس کا نچلا دھڑ کٹ کر الگ ہو چکا تھا۔ آپ اسے میری کمینگی یا خود غرضی سمجھیں لیکن میں آپ سے کچھ نہیں چھپاؤں گا۔ اس وقت میں لیلیٰ کے منگیتر کی لاش ہی دیکھنا چاہتا تھا مگر افسوس عبید کی لاش وہاں کہیں نہیں تھی۔ میں دیوانہ وار دوڑتا دھوئیں کی وجہ سے کھانستا ہوا بازار سے نکلا اور ایک گلی میں سے گزر کر لیلیٰ کی گلی میں آگیا۔

شہر پر ابھی تک توپ خانے کے گولے گر رہے تھے۔ جنرل رومیل کے بارے میں

نے سن رکھا تھا کہ وہ شہروں پر گولہ باری کے خلاف ہے، لیکن اس کے ساتھ پانچ ڈویژن اطالوی فوج بھی تھی۔ ہو سکتا تھا کہ یہ گولہ باری اطالوی توپ خانہ کر رہا ہو۔ دھماکوں سے شہر ابھی تک لرز رہا تھا۔ لیلیٰ کی گلی مجھ سے پہچانی نہ گئی۔ اس گلی میں کئی گولے گرے تھے۔ کئی مکان جل رہے تھے ان کا ملبہ گلی میں بکھرا پڑا تھا۔ یہاں مجھے تین آدمیوں کی لاشیں بھی نظر آئیں جو جل کر سیاہ ہو چکی تھیں۔ اب مجھے کچھ ہوش نہیں تھا۔ مجھے اپنی جان کی پرواہ نہیں تھی۔ اگر خیال تھا تو صرف لیلیٰ کا تھا۔ میں جلتے مکانوں کے ملبے میں سے ہو کر لیلیٰ کی حویلی تک پہنچ گیا۔ یہ دیکھ کر میرا دل دھک سے رہ گیا کہ لیلیٰ کے مکان کی دوسری اور تیسری منزل گر چکی تھی اور دو جگہوں سے دھوئیں کے مرغولے اٹھ رہے تھے۔ ایک لمحے کے لئے میری آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ محبت ایک عجیب و غریب جذبہ ہے میں اگر چاہوں بھی تو اس کا تجزیہ نہیں کر سکتا۔ لیلیٰ کی محبت میری روح اور میری ساری شخصیت پر ایک سنہرا بادل بن کر چھا گئی تھی۔ اس محبت کی پاکیزہ لطیف روشنی نے میری روح اور میرے دل کو روشن کر دیا تھا۔ مجھے ایسا لگتا تھا کہ میں دنیا کے سب سے بلند پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہوں اور ایڑیاں اٹھاؤں تو ستاروں کو چوم سکتا ہوں۔ اس بے لوث، بے غرض محبت کی کرنیں میری جسم کے ذرے ذرے سے پھوٹتی محسوس ہوتیں۔ اس وقت مجھے محسوس ہوا کہ اگر جرمن توپخانے کے سارے گولے مجھ پر ایک ساتھ آکر گر پڑیں تب بھی میں نہیں مروں گا اور لیلیٰ کو تلاش کر کے رہوں گا۔

لیلیٰ کی حویلی کے دروازے کا ایک کواڑ ٹوٹ کر گلی میں گرا پڑا تھا۔ دوسری اور تیسری منزل کا ملبہ حویلی کے درمیان میں جو چھوٹا سا پائیں باغ یا آنگن تھا وہاں گرا ہوا تھا۔ میں پاگلوں کی طرح لیلیٰ کو آوازیں دینے لگا۔ اوپر کی منزلوں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ نچلی منزل اور ایک بیٹھک صحیح سلامت تھی۔ میں اندھیری سیڑھیاں چڑھ کر اوپر کمرے میں آگیا۔

چھت ایک طرف سے ٹوٹ گئی تھی اور قالین اور الماریاں ملبے میں دب گئی تھیں۔ میں لیلیٰ کو آوازیں دیتا اور تلاش کرنے لگا۔ میں شہ نسین میں آگیا۔ یہاں بھی کچھ نہیں تھا۔ میں سیڑھیاں پھلانگتا دالان میں آگیا۔ سامنے والے برآمدے میں دو کمرے تھے۔ برآمدے کے ستون پر انگور کی بیل چڑھی ہوئی تھی جو ٹھیک حالت میں تھی۔ میں اینٹوں اور پتھروں کے ڈھیر میں سے گزر کر برآمدے کی طرف لپکا۔ برآمدے کے باہر مجھے ایک مرد اور ایک

عورت کی لاشیں نظر آئیں۔ میرا دل جیسے ڈوبنے لگا۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ لاشوں کے پاس آیا۔ یہ لیلیٰ کی لاش نہیں تھی۔ شاید اس کی چچی اور گھر کے کسی دوسرے فرد کی لاش تھی وہ عبید کی لاش بھی نہیں تھی۔ عبید کی لاش نہ ملنے پر مجھے ایک بار پھر افسوس ہوا۔ میں نے برآمدے والی بیٹھک کا دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ یہاں الماریوں کے شیشے گولوں کے دھماکوں سے ٹوٹ کر قالین پر بکھرے ہوئے تھے۔ میں نے لیلیٰ کو پکارا۔ کوئی جواب نہ آیا۔ لیلیٰ یہاں بھی نہیں تھی۔

ایک گولہ ساتھ والے مکان میں گرا۔ گڑگڑاہٹ کے ساتھ ساتھ والے مکان کی دیوار دھڑام سے گلی میں آن گری۔ میں باہر کو دوڑا۔ میرے دل نے کہا کہ لیلیٰ ضرور جان بچا کر کسی طرف نکل گئی ہے۔ اس خیال سے اور لیلیٰ کی لاش کے نہ ملنے سے میرے دل کو حوصلہ ہو گیا۔ میں گلی میں آیا تو ساتھ والے مکان میں آگ لگ چکی تھی اور گری ہوئی دیوار کے ملبے نے گلی کا دوسری طرف والا راستہ بند کر دیا تھا۔ میں دوڑتا ہوا گلی میں سے نکل کر چھتے ہوئے بازار میں آگیا۔ ایک گولا بازار کے نکڑ پر میرے عقب میں گرا۔ دھماکہ ہوا۔ اور بازار میں آگ لگ گئی۔ میں دوسری گلی میں سے دوڑتا ہوا ایک بار پھر وہاں نکل آیا جہاں ریتیلا نالہ تھا اور جس کے پل پر گولا گرا تھا۔

عین اس وقت چار بمبار جہاز گڑگڑاتے ہوئے میرے سر کے اوپر سے نکل گئے۔ ان کے پیچھے دو فائٹر طیارے بھی تھے۔ میں وہیں بیٹھ گیا۔ میں نے اوپر دیکھا۔ ان کی روشنی میں مجھے ان چھ جہازوں پر بنے ہوئے کراس کے نشانوں کی جھلک صاف نظر آگئی تھی۔ جرمن طیارے تھے۔ خدا جانے اتحادی ایئر فورس کے لڑاکا طیارے کہاں تھے۔ ان کے ساتھ ہی جرمن طیارے ایک طرف گھوم گئے اور پھر بموں کے دھماکوں سے زمین لرزنے لگی۔ توپ خانے کے گولہ باری بند ہو چکی تھی لیکن طیاروں کی بمباری نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔ اگرچہ یہ بم آگے اتحادیوں کے مورچوں پر گرائے جا رہے تھے لیکن ان کے دھماکوں سے شہر کی بچی کھچی عمارتیں زمیں بوس ہونے لگی تھیں۔ شہر تقریباً خالی ہو چکا تھا۔ وہاں سوائے ملبے اور انسانی لاشوں کے اور کچھ نہیں تھا۔ میں اٹھا اور نالے میں سے گزر کے بے تحاشا اس طرف دوڑنے لگا جدھر شہر کے لوگ جانیں بچا کر بھاگ گئے تھے۔ فوجی ہونے کی وجہ سے مجھے معلوم تھا کہ شہر کے جنوب مشرق میں انڈین آرمی کا ایک ڈویژن موجود ہے۔

جرمن بمبار اس طرف بم برسا رہے تھے۔ میں اس طرف جانے کے بجائے شمال کی طرف ہو گیا۔ اس وقت بن غازی شہر میں جرمن اور اطالوی فوجیں داخل ہو گئی تھیں۔ مجھے شہر کی جانب سے مشین گنوں کی فائرنگ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ جرمن اور اطالوی فوجی مشین گنوں کی بوچھاڑ کرتے شہر میں داخل ہو رہے تھے۔

مجھے یہ دھڑکا بھی لگا تھا کہ اگر پکڑا گیا تو جرمنوں کی قید میں چلا جاؤں گا اور پھر شاید لیلیٰ سے کبھی ملاقات نہ ہو سکے گی۔ ابھی تک میرے دل میں امید کی شمع روشن تھی۔ میرا دل کہہ رہا تھا کہ لیلیٰ زندہ ہے۔ اگر وہ مرگئی تو میرا دل' میری محبت ضرور مجھے بتا دیتی۔ میں جرمن فوجوں سے بھی بچنا چاہتا تھا۔ اور اپنی جان کی فکر بھی تھی۔ میں شمالی صحرا کی جانب منہ اٹھائے پہلے بھاگتا رہا پھر جب ریت کے اونچے نیچے ٹیلے شروع ہو گئے تو میں قدم قدم چلنے لگا۔ ایک جگہ مجھے ایک شخص کی لاش دکھائی دی۔ اس کا جسم گولیوں سے چھلنی تھا۔ دور فاصلے پر کچھ لوگ ٹکڑیوں کی شکل میں گدھوں اور اونٹوں پر سوار تیز رفتاری سے بھاگے جا رہے تھے۔ جنوب مشرقی محاذ پر طیاروں کی بمباری بھی رک گئی تھی۔ شہر پیچھے رہ گیا تھا۔ ادھر سے کسی وقت مشین گن کے برسٹ کی دھیمی سی آواز سنائی دے جاتی تھی۔ لوگ صحرا میں محفوظ علاقوں کی طرف بھاگ رہے تھے۔ بن غازی شہر میرا دیکھا بھالا تھا۔ قرب و جوار کے کچھ علاقوں سے واقف تھا لیکن صحرا کی بھول بھلیوں سے شناسا نہ تھا۔ اتنا ضرور معلوم تھا کہ بن غازی کے آگے دنیا کا خطرناک ترین صحرائے اعظم شروع ہوتا ہے جس کو آج تک کوئی اکیلا پار نہیں کر سکا۔ آدمی ایک بار اس صحرا میں پھنس جائے تو پھر اس کی لاش گدھوں کی خوراک ہی بنتی ہے۔ اس لئے میں بھی اس طرف چلا جا رہا تھا جدھر دوسرے لوگ چلے جا رہے تھے۔ لیکن وہ گدھوں خچروں اور اونٹوں پر سوار تھے۔ اور میں پیدل تھا۔ بہت جلد وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ سورج اب آسمان پر کافی اوپر آگیا تھا اور صحرا کی تپش میں جلنے لگا تھا۔ میں ایک ٹیلے کے پاس رک گیا۔

میرا جسم پسینے میں شرابور تھا۔ میرا بن غازی کے لوگوں ایسا پہناوا تھا۔ لمبا کھلا کرتا سر پر بندھا ہوا نسواری خانے دار رومال اور پاؤں میں چمڑے کے بوٹ۔ ریت کے ٹیلے کی اوٹ میں تھوڑی سی چھاؤں ملی۔ میں ذرا دم لینے کو وہاں بیٹھ گیا۔ شہر کی طرف نگاہ ڈالی۔ شہر کے اونچے مکانوں کی دیواریں دھوئیں میں گم ہوتی جا رہی تھیں۔ پہلے تو میں نے سوچا کہ صحرا

میں جانے کا خطرہ مول لینے سے بہتر ہے کہ شہر واپس چلا جاؤں۔ میں عربی لباس میں ہوں اور عربی زبان بھی بول اور سمجھ لیتا ہوں۔ جرمن مجھے بھی بن غازی ہی کا باشندہ سمجھیں گے اور پھر وہ سارے شہریوں کو قید نہیں کریں گے۔ یوں میں شہر میں کم از کم زندہ تو رہوں گا لیکن جب لیلیٰ کا خیال آتا تو دل بیٹھنے لگا۔ کیا وہ بھی شہر میں کسی جگہ چھپی ہو گی؟ ایسا ہو سکتا تھا۔ آخر وہ اس شہر کی رہنے والی تھی۔ لیکن شہر کا تقریباً سارے کا سارا حصہ خالی ہو گیا تھا اور جب دشمن کی فوج بڑھی رہی ہو تو پھر کوئی جوان لڑکی اپنی عزت کو خطرے میں ڈالنا پسند نہیں کرے گی۔ بن غازی اس زمانے میں کوئی اتنا بڑا شہر نہیں تھا۔ میرے اندازے کے مطابق شہر میں شاید ہی کوئی خاندان رہ گیا تھا۔ مجھے لبنیٰ کا خیال آیا۔ کہیں لیلیٰ اپنی سہیلی لبنیٰ کے مکان میں نہ چلی گئی ہو۔ لیلیٰ کی چچی اور اس کے کسی رشتے دار کو اگر اس کے سامنے گولے کے ٹکڑے لگے تھے تو ظاہر ہے لیلیٰ گھبرا کر جان بچا کر بھاگی ہو گی۔ اس وقت اسے لبنیٰ کے مکان کا خیال کہاں سے آیا ہو گا۔ جب کہ لبنیٰ کا مکان شہر کے جس علاقے میں تھا ادھر میں نے اپنی آنکھوں سے آگ کے شعلے بلند ہوتے دیکھے تھے۔ یقینی طور پر لیلیٰ دوسری عورتوں اور آدمیوں کے ساتھ اس طرف گئی ہو گی۔ جدھر وہ لوگ جان بچا کر بھاگ رہے تھے۔ عین ممکن ہے کہ لیلیٰ اپنے رشتے داروں کے گاؤں چلی گئی ہو جو وہاں سے دور صحرا میں کسی مقام پر واقع ہے اور جس کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں تھا۔

یہ خیالات بڑے پریشان کن تھے جن کے بھنور میں میں الجھا وہاں ٹیلے کی چھاؤں میں بیٹھا تھا۔ میں اس نتیجے پر پہنچا کہ واپس شہر میں جانا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ کیونکہ لیلیٰ وہاں نہیں ہے۔ میں اگر جرمنوں کے ہتھے چڑھ گیا تو پھر قید سے رہائی ناممکن ہو گی۔ وہ خدا جانے جنگی قیدیوں کے ساتھ مجھے سمندری جہاز میں لاد کر کہاں سے کہاں پہنچا دیں۔ فوجی ہونے کے ناتے اتنا میں جانتا تھا کہ قیدیوں کو فرنٹ پر نہیں رکھا جاتا بلکہ انہیں محاذ سے دور بہت پیچھے کسی جنگی قیدیوں کے کیمپ میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ جرمن اپنے قیدیوں کے ساتھ جو بہیمانہ سلوک کرتے تھے ان کی لرزہ خیز داستانیں ہمیں محاذ تک پہنچتی رہتی تھیں۔ میں ٹیلے کی اوٹ سے اٹھا اور جدھر دوسرے لوگ گئے تھے صحرا میں اسی طرح چل پڑا۔ ریت پر خچروں اور اونٹوں کے پاؤں کے نشان بنے ہوئے تھے۔ میں ان نشانوں کی راہ نمائی میں چلنے لگا۔ یہ لوگ یہاں کے رہنے والے تھے۔ ظاہر ہے وہ آگے کسی گاؤں یا دوسری انسانی آبادی

والے علاقے کی طرف ہی گئے ہوں گے۔

بن غازی شہر، صحرائی ٹیلوں میں چھپ گیا تھا۔ دھوپ چمک رہی تھی۔ دھوپ میں صحرائی ریت پر پیدل چلنا کوئی آسانی کام نہیں ہے۔ سورج کی کرنیں نہ صرف جسم کو جھلساتی ہیں بلکہ ان کی وجہ سے ریت کے ذروں کی چمک سے آنکھیں چندھیانے لگتی ہیں۔ پھر ریت میں پاؤں بھی ٹھیک طرح سے نہیں اٹھتے اور انسان بہت جلد تھک جاتا ہے۔ خدا کا شکر تھا کہ ابھی ریت سخت تھی اور زمین پر اس کی ہلکی تہہ جمی ہوئی تھی۔ میں چلتا گیا، سورج اب آسمان کے وسط میں آگیا تھا۔ گرمی ناقابل برداشت ہو رہی تھی۔

میں حیران تھا کہ لوگوں کے قافلے اور ٹکڑیاں کہاں غائب ہو گئی ہیں۔ صحرا میں جو راستہ بنا ہوا تھا اس پر اونٹوں کے پاؤں کے نشان ریت سخت ہونے کی وجہ سے معدوم ہونے لگے تھے۔ یہ بڑی خطرناک بات تھی۔ دل میں خیال آیا کہ ابھی وقت ہے مجھے واپس شہر چلے جانا چاہئے پھر سوچا کہ ذرا مزید آگے چل کر دیکھتا ہوں۔ شاید کوئی گاؤں نظر آجائے۔ آخر یہاں کے شہری احمق نہیں ہیں جو اس طرف گئے ہیں، میں رکنے یا واپس پلٹنے کے بجائے آگے ہی چلتا گیا۔

اب صحرا کی زمین ناہموار ہو گئی تھی۔ میں کبھی نشیب میں اتر جاتا اور کبھی کسی ٹیلے کے پہلو سے ہو کر دوسرے ٹیلے کی طرف آجاتا۔ یہاں زمین پتھر کی طرح سخت ہو گئی تھی اور اونٹوں کے پیروں کے نشان کہیں نظر نہیں آرہے تھے۔ میں کچھ گھبرا گیا۔ صحرا میں بھٹک جانے والے بد قسمت انسانوں کے لرزہ خیز کہانیاں یاد آگئیں۔ لیکن میں نے حوصلہ نہیں ہارا اور لیلیٰ کو تلاش کرنے اور اسے زندہ اپنے سامنے دیکھنے کا خیال اور اس کا مسکراتا ہوا چاند، ایسا گورا چہرہ اور سیاہ آنکھیں مجھے آگے چلنے پر مجبور کر رہی تھیں۔ دو چار ٹیلوں کے درمیان سے گزر کر میں ایک ٹیلے کے پاس آیا تو اچانک مجھے محسوس ہوا کہ میں نے اپنی سمت کھو دی ہے۔ سورج کو سامنے رکھ کر میں نے اپنی سمت کو درست کرنے کی کوشش شروع کر دی مگر بہت جلد مجھ پر اس بھیانک حقیقت کا انکشاف ہوا کہ میں راستہ بھول چکا ہوں اور ریت کے ٹیلوں میں بھٹک کر ایک ہی جگہ چکر لگا رہا ہوں۔ یہ حالت صحرا میں آنے والی المناک موت کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔

میں ایک ٹیلے سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے ٹیلے کی طرف جاتا اور پھر واپس

اسی جگہ پر آجاتا۔ گرمی اور تکان سے میرا حلق سوکھنے لگا۔ سورج تانبے کے آسمان پر سفید شعلے کی طرح چمک کر آگ برسا رہا تھا۔ ٹیلے بھورے اور سخت چٹانی تھے۔ وہ بھی گرم ہو کر تپ رہے تھے اور ان کے قریب سے گزرتے ہوئے لگتا جیسے میں دہکتی آگ کی کسی بھٹی کے قریب سے گزر رہا ہوں۔ نہ آگے جانے کا راستہ مل رہا تھا اور نہ واپس جانے کا۔۔۔۔۔ اس خوف سے کہ کہیں میں ایک جگہ ٹیلوں کے گرد چکر لگاتے لگاتے بے ہوش نہ ہو جاؤں۔ میں ستانے کے لئے کوئی جگہ تلاش کرنے لگا۔ سورج میرے سر پر تھا۔ چٹانی ٹیلوں نے اپنے سائے سمیٹ لئے تھے۔ آخر ایک ٹیلے کی کھردری دیوار میں مجھے ایک چھوٹا سا شگاف نظر آگیا۔ وہاں سایہ تھا میں اس شگاف میں سمٹ سمٹا کر بیٹھ گیا۔ یہاں کم از کم میں صحرائی دھوپ کی تپش سے محفوظ ہو گیا تھا۔ مگر پیاس سے زبان پر کانٹے پڑنے لگے تھے۔ ہونٹوں پر پپڑیاں جم گئی تھیں۔ ذہن سے فیصلہ کرنے کی طاقت ختم ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے لئے لیلیٰ کا تصور ہی میری آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

سوچنے لگا یہاں کب تک بیٹھا رہوں گا۔ دن ڈھلنے کے بعد رات کا اندھیرا چھا گیا تو پھر راستہ بالکل ہی نظر نہیں آئے گا۔ بہتر یہی ہے کہ جیسے بھی ہو شمال کی طرف سورج کو سامنے رکھ کر بڑھنا شروع کر دوں۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا کم از کم ٹیلوں میں اپنی لاش گدھوں کے حوالے کرنے سے تو بچ جاؤں گا۔ میں نے گردن شگاف سے باہر نکال کر سورج کی طرف دیکھا۔ سورج اس وقت میری تھوڑی دائیں جانب دو ٹیلوں کے اوپر چمک رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ اس طرف شمال ہے اور اگر میں ان دونوں ٹیلوں کے اوپر سے ہو کر دوسری طرف جانے کی کوشش کروں تو ہو سکتا ہے ان ہلاکت خیز قاتل ٹیلوں کے حصار سے نکلنے میں کامیاب ہو جاؤں۔ یہ میری بھرپور جوانی کے ایام تھے۔ دل میں زندہ رہنے اور لیلیٰ سے دوبارہ ملنے کی تڑپ اور لگن بھی تھی۔ میں اللہ کا نام لے کر ٹیلے کے شگاف میں سے نکلا اور شمالی سمت والے ٹیلوں کے پاس آگیا۔ یہ ٹیلے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے تھے اور ان کے درمیان کوئی راستہ نہیں تھا۔ میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ٹیلوں پر چڑھنے لگا۔

چڑھائی غیر ہموار تھی اور ٹیلے کی پتھریلی ڈھلان سخت گرم ہو رہی تھی۔ میں نے اپنے ہوش و حواس قائم رکھے اور چڑھائی چڑھتا گیا۔ آخر میں ٹیلے کی چوٹی پر پہنچ گیا۔ ہانپتے ہوئے میں نے چوٹی پر سے دوسری طرف دیکھا تو میرا خون رگوں میں منجمد ہو گیا۔ میرے

سامنے لامتناہی صحرا پھیلا ہوا تھا جہاں کہیں کہیں ریت کے اونچے ڈھیر دھوپ کی حدت میں لرزتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ پیچھے گردن گھما کر دیکھا تو سوائے پتھریلے چٹانی ٹیلوں کے سلسلے کے اور کچھ نظر نہ آیا۔ موت میرے بہت قریب آگئی تھی۔ مجھے اس کا خشک گرم اور زہریلا سانس اپنے چہرے پر محسوس ہونے لگا۔ پھر بھی میں نے ہمت نہ ہاری۔ شاید یہ لیلیٰ کی محبت ہی تھی جس نے میرے اندر زندہ رہنے اور موت سے مقابلہ کرنے کی قوت بھر دی تھی۔ میں آگے کی جانب ٹیلے سے اترنے لگا۔ موت یا لیلیٰ۔۔۔۔ میں اگر واپس جاتا ہوں تب بھی قسمت میں مرنا ہی لکھا تھا۔ آگے بڑھتا ہوں تو زندہ رہنے اور لیلیٰ سے ملنے کی ہلکی سی امید ضرور تھی۔ میں ٹیلے سے اتر کر شمال کی طرف صحرا میں چلنے لگا۔ سورج کی حدت اور ریت کی تپش میرے خون کو خشک کر رہی تھی۔ میں بہت جلد تھک گیا۔ آنکھوں میں سرخ دائرے رقص کرنے لگے تھے۔ اچانک میری نظر دھوپ میں ریت پر ایک جگہ پڑھی۔ وہاں مجھے ریت ابھری ہوئی اور کوئی شے چمکتی دکھائی دے رہی تھی۔ میں ہمت کر کے اس کے قریب گیا تو دیکھا کہ یہ ایک فوجی کی لاش تھی۔ لاش کا پیٹ کھلا تھا۔ سر پر ہیلمٹ جما ہوا تھا۔ یہ ہیلمٹ مجھے دھوپ میں چمکتا نظر آیا تھا۔

فوجی کی لاش کے پاس ہی اس کی پانی کی چھاگل پڑی تھی۔ میں نے جلدی سے چھاگل اٹھالی۔ اس میں پانی تھا۔ میں نے ڈاٹ کھول کر چھاگل کو منہ کے ساتھ لگایا اور غٹاغٹ پانی پینے لگا۔ چھاگل آدھی سے زیادہ خالی ہو گئی۔ پانی پینے سے میری کھوئی ہوئی توانائی بحال ہو گئی۔ میں نے فوجی کی تلاشی لی اس کی جیب میں سے بسکٹوں کا ایک پیکٹ مل گیا۔ میں بسکٹ کھانے لگا۔ بسکٹ کھا کر دوبارہ پانی پیا اور اب غور سے فوجی کی لاش کا معائنہ کیا۔ اس کا پیٹ جیسے پھٹا ہوا تھا اس سے میں نے یہی اندازہ لگایا کہ اسے ٹینک کی مشین گن کا برسٹ لگا ہے۔ حیرانی کی بات یہ تھی کہ فوجی کی رائفل اور ریوالور اور پاس بک غائب تھی۔ میں نے اس کے کندھے پر لگے فیتے کو دیکھا۔ وہ گیارہ پنجاب رجمنٹ کا لانس نائیک تھا اور ہندو تھا۔ اس کے پیٹ میں بے شمار چیونٹیاں رینگ رہی تھیں۔ میں نے اسکی چھاگل کاندھے پر رکھی۔ باقی بچے ہوئے بسکٹ جیب میں ڈالے اور ذرا آگے جا کر ریت پر دیکھنے لگا کہ شاید کسی جگہ کسی ٹینک یا بکتر بند گاڑیوں کے پہیوں کے نشان ہوں۔ مگر مجھے کوئی نشان نظر نہ آیا۔ شاید یہ فوجی پسپا ہوتی انڈین رجمنٹ سے بچھڑ کر ادھر نکل آیا تھا اور دشمن کی گولیوں کا نشانہ بن گیا تھا۔

اب ایک اور خطرہ میرے سامنے تھا۔ کہیں جرمن بکتر بند ڈویژن اس علاقے میں تو نہیں پہنچ چکا۔

میرے سامنے کوئی راستہ نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ میں اپنے اندازے کے مطابق شمال کی سمت بڑھتا چلا جاؤں۔ پانی پینے اور بسکٹ کھانے سے میرے اندر پھر سے توانائی آ گئی تھی۔ میں نے اللہ کا نام لے کر صحرا کی دھوپ میں ایک بار پھر چلنا شروع کر دیا۔ سورج نے بھی اپنا رخ بدل لیا تھا اور مغرب کی طرف ریت کے ٹیلوں کے اوپر آ کر نیچے جھکنے لگا تھا۔ میں نے اپنے حساب سے اپنی سمت کو شمال کی طرف برقرار رکھا۔ حقیقت یہ تھی کہ میں صحرا میں راستہ بھول گیا تھا۔ میں صحرا میں بھٹک رہا تھا اور موت میرے ساتھ ساتھ چل رہی تھی اس بھیانک حقیقت کا احساس مجھے اس وقت ہوا جب مجھے دور ایک فوجی ٹرک نظر پڑا۔ ٹرک کو دیکھ کر ایسے لگا جیسے میں موت کے منہ سے باہر نکل آیا ہوں۔

میں نے بازو ہلا ہلا کر مدد کے لئے پکارنا شروع کر دیا۔ ٹرک مجھ سے زیادہ دور نہیں تھا وہ ریت کے ٹیلے کے پہلو سے نکلا تھا اور بائیں جانب ذرا گھوم سا گیا تھا۔ میں بے تحاشا چیختا چلاتا مدد کے لئے پکارتا اس کی طرف بڑھنے لگا۔ اس وقت میں یہ بھی بھول گیا کہ جرمن ٹرک بھی ہو سکتا ہے۔ ٹرک میں مشین گن نصب تھی اور ایک سکھ فوجی کی خاکی پگڑی اور آنکھوں پر لگا سیاہ صحرائی چشمہ مجھے جلد نظر آ گیا۔ اس فوجی نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا۔ اس نے ٹرک روک لیا۔ میں ریت میں پاؤں چلاتا اس کے پاس جا پہنچا اور کانپتے ہوئے پنجابی میں بولا۔

"سردار جی! مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔"

پنجابی سن کر سکھ فوجی نے آنکھوں سے چشمہ ہٹا کر اوپر کر لیا اس کا چہرہ ریگ آلود تھا۔ پنجابی میں ہی بولا۔

"اوئے توں کپڑے تاں عرباں والے پائے ہوئے نیں بولدا پنجابی ایں۔ کون ایں اوئے تو۔"

میں نے اپنا سانس ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔

"سردار جی! میرا نام برکت خان ہے۔ میں بن غازی میں ایک کارخانے میں کام کرتا تھا۔ میں سیالکوٹ کا رہنے والا ہوں۔ جرمنوں نے سارا شہر تباہ کر دیا ہے۔ میں جان بچا کر بھاگا اور یہاں پھنس گیا۔ سکھ فوجی نے میرے کاندھے سے لٹکی ہوئی پانی کی فوجی چھاگل کی طرف

اشارہ کیا اور پوچھا۔ "تم نے یہ چھاگل کہاں سے لی ہے؟ یہ تو ہماری فوج کی ہے؟------

تب میں نے اسے بتایا کہ پیچھے ریت پر کسی فوجی کی لاش پڑی تھی۔ اس کی چھاگل میں نے اٹھالی ہے۔ سکھ فوجی نے آنکھوں پر چشمہ لگاتے ہوئے بولا۔ "آ جاؤ ٹرک میں۔"

میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور ٹرک میں بیٹھ گیا۔ یہ انفنٹری کا ٹرک تھا لیکن یہ ہماری رجمنٹ کا نہیں تھا۔ اس ٹرک کو دیکھ کر مجھے معلوم ہو گیا کہ محاذ پر میرے فرار ہونے کے بعد دوسری رجمنٹ بھی آ گئی تھی۔ اگر یہ ہماری رجمنٹ کا آدمی ہوتا تو ممکن تھا کہ مجھے پہچان لیتا۔ میں نے اس سکھ فوجی سے فوج کی پوزیشن کے بارے میں جان بوجھ کر کوئی سوال نہ کیا۔ میں ایک سیدھا سادا سویلین بنا ٹرک میں بیٹھا رہا اور ٹرک صحرا میں چل پڑا۔ کچھ دور چلنے کے بعد سکھ فوجی نے ٹرک روک لیا اور جیب سے نقشہ نکال کر دیکھنے لگا۔ میں نے پوچھا۔

"سردار جی! انڈین فوج تو جرمنوں سے لڑ رہی ہے ناں؟"

سکھ فوجی نے گالی دے کر کہا۔ "کسی کا کچھ پتہ نہیں کون کہاں ہے۔ جرمنوں نے بن غازی شہر اور طرابلس پر قبضہ کر لیا ہے۔ ہمارا انگریز جرنیل وان صاحب بھی پکڑا گیا ہے۔ میں نے پوچھا۔ "جس طرح ہم جا رہے ہیں کیا وہاں جرمن فوج نہیں ہے؟" سکھ فوجی نے نقشہ لپیٹ کر پتلون کی جیب میں ڈالا اور ٹرک کا گیئر لگاتے ہوئے بولا۔۔ "میں تو جان بچا کر بھاگا ہوں۔ مجھے کیا پتہ جرمن ہوں گے تو دیکھا جائے گا۔"

ٹرک میں پانی کی چھ سات چھاگلیں کچھ اسلحہ اور بسکٹوں کے ڈبے بھرے ہوئے تھے۔ سکھ فوجی نے بتایا کہ نقشے کے مطابق آگے سلون نام کا ایک گاؤں ہے۔ میں وہاں پہنچنا چاہتا ہوں۔ اگر وہاں بھی جرمن آ گئے ہوئے تو سویلین کپڑے پہن کر وہاں سے فرار ہونے کی کوشش کروں گا۔ تم کہاں جاؤ گے؟ اس نے مجھ سے سوال کیا۔ میں نے کہا۔

"میں بھی کسی طرف جان بچا کر نکل جاؤں گا۔"

میں اب سلون گاؤں پہنچنے کے لئے بے تاب تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس گاؤں میں بن غازی شہر سے بھاگے ہوئے لوگ ضرور موجود ہوں گے اور وہاں لیلیٰ کے بارے میں کوئی نہ کوئی سراغ ضرور مل جائے گا۔ صحرا میں سورج غروب ہونے لگا تو گرمی کی شدت بھی کم ہوتی گئی۔ سکھ فوجی نے ایک جگہ ٹیلوں کے پاس ٹرک روک کر ایک بار پھر نقشہ دیکھا۔ اس

کے بعد دوبارہ روانہ ہو گیا۔ آدھے گھنٹے بعد ہمیں دور کیکر کے کچھ درخت دکھائی دیے۔ سکھ فوجی نے خوش ہو کر کہا۔ "یہ سلون والا گاؤں ہی ہے۔ نقشہ میں اس کا نام لکھا ہوا ہے۔"

ابھی دن کی روشنی باقی تھی کہ ہم سلون نامی گاؤں کے اس پہنچ گئے۔ سکھ فوجی نے گاؤں کے باہر ہی ٹرک روک دیا۔ وہ ٹرک سے نیچے اتر آیا اور مجھ سے کہا۔

"وہ سامنے ایک آدمی کیکر کے درخت تلے بیٹھا ہے۔ تم اس سے جا کر پوچھو کہ گاؤں میں جرمن فوجی تو نہیں ہیں۔ تم ان کی زبان جانتے ہو۔"

ایک بوڑھا آدمی کیکر کے درخت کی چھاؤں میں سر نیہوڑائے بیٹھا تھا۔ میں نے قریب جا کر سلام کیا اور عربی میں پوچھا کہ اس گاؤں میں جرمن تو نہیں آئے۔ بوڑھے نے میری طرف دیکھے بغیر گاؤں کی طرف اشارہ کیا اور بولا۔

"ادھر سب بن غازی کے تباہ حال لوگ پڑے ہیں۔ جرمن نہیں آئے۔ آجائیں گے۔ اللہ ہمیں اپنی ذات میں رکھے۔ انگریز بھاگ گیا ہے۔"

میں نے واپس آکر سکھ ڈرائیور کو یہی بات بتا دی۔ وہ بولا۔ "کہیں یہ جرمنی کا جاسوس تو نہیں ہے۔ خیر۔ ہم چل کر دیکھ لیتے ہیں۔"

سلون ایک چھوٹا سا کچے مکانوں والا گاؤں تھا جہاں بن غازی سے بھاگے ہوئے لوگوں کی ایک خاص تعداد پناہ گزین تھی۔ گاؤں کے اندر جگہ جگہ لوگ پھٹے ہوئے تمبو تان کر بال بچوں کو لئے بیٹھے تھے۔ گاؤں والوں نے ان کے لئے اپنے مکان کھول دئے تھے میں لیلیٰ کو تلاش کرنا چاہتا تھا۔ سکھ فوجی نے ٹرک گاؤں کے باہر ہی رکھا۔ وہ گاؤں میں میرے ساتھ آیا تو اس کی وردی دیکھ کر لوگ سمجھ گئے کہ یہ انڈین فوجی ہے۔ ایک دو آدمیوں نے اسے برا بھلا ہی کہا میں نے سکھ فوجی کو ان کے الفاظ کا پنجابی میں ترجمہ کر کے سنا دیا۔ سکھ فوجی سمجھدار تھا۔ کہنے لگا۔ "آگے مچیلی قصبہ ہے۔ میں وہاں جاؤں گا۔ شاید ہمارے کچھ فوجی بھی وہاں ہوں۔ تم کہاں جاؤ گے؟"

میں نے کہا میں یہیں رہوں گا۔ یہ لوگ میرے شہر کے ہیں۔ آگے جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ سکھ فوجی ٹرک میں سوار ہو کر وہاں سے نکل گیا اسے شاید وہاں خطرہ محسوس ہوا تھا۔ سکھ فوجی کے جانے کے بعد میں گاؤں میں ادھر ادھر پھرنے لگا۔ میں مکانوں کے اندر جا کر لیلیٰ کو تلاش نہیں کر سکتا تھا۔ جو لوگ عارضی طور پر ڈیرے ڈالے ہوئے تھے ان میں لیلیٰ کی

شکل ڈھونڈنے لگا۔ میں نے گاؤں کے مکانوں کے باہر پڑے سبھی مہاجروں کو دیکھ ڈالا۔ ان میں لیلیٰ نہیں تھی۔ میں مکانوں کے اندر جا کر اپنی محبت کا کھوج لگانا چاہتا تھا مگر میں ایسا نہیں کر سکتا تھا۔

اتنے میں شام ہو گئی۔ سورج کے صحرائی ٹیلوں کے پیچھے غروب ہونے کے بعد گاؤں میں جگہ جگہ آگ کے الاؤ روشن ہو گئے۔ کیونکہ رات کے وقت یہاں سردی ہو جاتی تھی۔ گاؤں میں ایک دکان کے باہر تخت پر بیٹھ کر میں نے چاول کھائے رات گزارنے کا وہاں کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ گاؤں والوں نے بن غازی سے آئے ہوئے لوگوں کے لئے جگہ جگہ خیمے نصب کر دئے تھے۔ یہ اونٹ کے بالوں کے بنے ہوئے نسواری خیمے تھے۔ اسی رنگ کے دھاری دار کمبل وہاں جگہ جگہ رکھ دئے گئے تھے کہ جس کا جی چاہے کمبل اوڑھ کر سو جائے۔ گاؤں والوں نے رات کو کھانا بھی تقسیم کیا۔ ایک جگہ قہوے کی بڑی دیگ چڑھادی گئی۔ میں بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ دیگ کے پاس بیٹھ گیا۔ یہ لوگ بن غازی کی تباہی اور اتحادی فوجوں کی شکست پر تبصرے کر رہے تھے۔ وہ سب واپس اپنے شہر جانے کے خواہشمند تھے۔ مجھے انکی باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میری نظریں کسی ایسے چہرے کی تلاش میں تھیں جو مجھے لیلیٰ کے بارے میں کچھ بتا سکے۔ وہاں کوئی ایسا چہرہ مجھے نظر نہیں آ رہا تھا۔ گھروں کے دروازے بند ہو گئے تھے۔ جرمن طیاروں کی بمباری کی خوف سے مکانوں میں روشنی نہیں کی گئی تھی۔ رات کے وقت الاؤ بھی اس طرح سے بجھا دئے گئے تھے کہ اب الاؤ میں راکھ آلود کوئلے ہی دہک رہے تھے۔

میرا بدن، دن بھر کے سفر سے چور ہو رہا تھا۔ میں ایک جگہ کھلے تمبو کے نیچے کمبل اوڑھ کر لیٹ گیا۔ دماغ میں صرف ایک ہی خیال گردش کر رہا تھا کہ لیلیٰ کو مکانوں کے اندر کہاں اور کیسے دیکھوں یہ بھی سوچتا کہ ہو سکتا ہے لیلیٰ گاؤں میں نہ ہو۔ وہ آگے نکل گئی ہو۔ کیونکہ بن غازی کے کچھ لوگ اس گاؤں میں رکے تھے باقی آگے چل دئے تھے۔ ان لوگوں سے مجھے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ مچیلی نام کا قصبہ وہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ مگر وہاں تک پیدل کوئی نہیں جا سکتا۔ صرف اونٹ کی سواری ہی کام آسکتی تھی۔ رات کو ٹھنڈ زیادہ ہو گئی۔ میں نے قریب ہی پڑا ایک اور کمبل اٹھا کر اپنے اوپر لے لیا اور پھر سو گیا۔ صبح آنکھ کھلی۔ سارا گاؤں جاگ اٹھا تھا۔ کل کی طرح الاؤ [illegible] ے کی دیگ چڑھی تھی۔ ایک کھلی

جگہ بڑی بڑی روٹیاں پک رہی تھیں۔

میں نے بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ ایک تمبو کے نیچے بیٹھ کر ناشتہ کیا اور گاؤں کی گلیوں میں گھومنے لگا کہ شاید کسی کھڑکی، کسی دروازے سے لیلیٰ کی شکل نظر آ جائے۔ یہ سفید کچی دیواروں والے دیہاتی مکان تھے کہیں کہیں کوئی چھوٹی سی کھڑکی نظر آ جاتی جو اکثر بند ہوتی تھی۔ مکانوں کے دروازے بھی بند تھے۔ نوجوان عورتیں بہت کم باہر دکھائی دیتیں۔ میں ایک گلی سے نکل کر کھلے تمبوؤں والی جگہ پر واپس آ رہا تھا کہ اچانک میرے پاؤں زمین نے پکڑ لئے۔ میں نے ایک ادھیڑ عمر عورت کو ایک مکان سے نکلتے دیکھا۔ میں ابھی تک اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر میں بے اختیار ہو کر اس کی طرف بڑھا۔ یہ لیلیٰ کی وہ خادمہ تھی جو میرے محبت بھرے پیغام لیکر لیلیٰ کے پاس جایا کرتی تھی۔ خادمہ بھی مجھے دیکھ کر جیسے سکتے میں آ گئی۔ وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ میں نے شدت جذبات سے رندھی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "لیلیٰ ---- لیلیٰ کہاں ہے۔ میں اس سے عربی میں بات کر رہا تھا۔ خادمہ وہیں ایک طرف ہو کر بیٹھ گئی۔ اسے بیٹھتے دیکھ کر میرا دل بھی جیسے ڈوب سا گیا۔ میں بھی وہیں بیٹھ گیا میں نے ایک بار لیلیٰ کے بارے میں سوال کیا تو خادمہ نے گلوگیر آواز میں کہا۔ "سب کچھ برباد ہو گیا۔"

ایک لمحے کے لئے میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ خادمہ رو رہی تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر گڑگڑا کر پوچھا۔

"خدا کے لئے مجھے لیلیٰ کے بارے میں بتاؤ۔ وہ۔ کیا وہ ------"

اس کے آگے میرے ہونٹوں سے وہ الفاظ نہ نکل سکے جو اس سے پوچھنا چاہتا تھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے خادمہ کی زبانی یہ سن کر میری جان میں جان آ گئی کی لیلیٰ زندہ تھی۔ کم از کم خادمہ اسے زندہ حالت میں لبنیٰ کے گھر چھوڑ کر آئی تھی۔ خادمہ نے مجھے بتایا کہ جس وقت شہر پر اچانک گولے پھٹنے لگے۔ اس وقت وہ لبنیٰ کے گھر پر ہی تھی۔ گولے بارش کے طرح گر رہے تھے جس وجہ سے وہاں کہرام مچ گیا۔ لیلیٰ کے مکان پر ان کا ایک عزیز بھی آیا ہوا تھا۔ لیلیٰ کی چچی شہ نشین میں اس سے باتیں کر رہی تھی کہ لوگوں کے آواز اور دھماکوں سے زمین لرزنے لگی۔ وہ سب کمروں سے نکل کر باہر کو دوڑے۔ لیلیٰ پہلی منزل پر ڈیوڑھی کے ساتھ والے کمرے میں تھی۔ اچانک ایک گولا ان کی دوسری منزل کی چھت پر

گرا اور وہ حصہ دھڑام سے نیچے آنگن میں آن گرا۔ اس وقت لیلیٰ کی چچی اور ان کا عزیز آنگن میں آ چکے تھے اور وہ وہیں ہلاک ہو گئے۔ دوسرا گولا دوسری ہی منزل کی سامنے کی جانب آ کر پھٹا اور وہ حصہ بھی منہدم ہو گیا۔ لیلیٰ کا چہرہ دہشت سے سفید ہو گیا تھا۔ وہ سکتے میں تھی۔ خادمہ نے بتایا کہ وہ اسے کھینچ کر باہر لے جانا چاہتی تھی۔ مگر وہ اپنی چچی کی لاش کی طرف جا رہی تھی بڑی مشکل سے خادمہ نے لیلیٰ کو وہاں سے نکالا اور دھماکوں اور لوگوں کی چیخ و پکار میں وہ اسے لے کر گلی سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گئی۔ سڑکوں پر قیامت کا سماں تھا۔ لیلیٰ بے اختیار لبنیٰ کے مکان کی طرف دوڑ پڑی۔ خادمہ اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ لبنیٰ کا مکان چونکہ شہر سے باہر کونے پر تھا اس لئے لیلیٰ وہاں اپنے آپ کو محفوظ سمجھتی تھی۔ ویسے بھی وہ شہر چھوڑ کر کدھر جاتی۔ افراتفری اور بدحواسی کے عالم میں اسے اپنی عزیز سہیلی ہی کا خیال آیا تھا۔ لبنیٰ کے ماں باپ جان بچا کر نا جانے کس رات نکل گئے تھے۔ گھر کھلا پڑا تھا۔ خادمہ اسے وہاں لے جانا چاہتی تھی مگر لیلیٰ نے روتے ہوئے کہا کہ وہ بن غازی چھوڑ کر نہیں جائے گی۔ جئے گی تو یہیں مرے گی تو یہیں اس نے خادمہ سے التجا کی کہ کسی طرح وہ اس کے چچازاد عبید کی خبر لا کر دے۔ مگر شہر پر گولے برس رہے تھے۔ ہر طرف آگ لگی تھی۔ خادمہ لیلیٰ کو اپنے ساتھ سلون گاؤں کی طرف کھینچ رہی تھی مگر لیلیٰ مکان سے باہر قدم نہیں رکھ رہی تھی۔ پھر خادمہ نے بتایا کہ لیلیٰ لبنیٰ کے مکان کے ایک تہہ خانے میں جا کر چھپ گئی اور مجھے کہا کہ میں چلی جاؤں خادمہ نے کہا۔۔۔۔۔۔

"میں کیا کر سکتی تھی۔ ہر طرف موت رقص کر رہی تھی۔ میں مرنا نہیں چاہتی تھی۔ میں نے لیلیٰ کو خدا کے حوالے کیا اور دوسرے لوگوں کے ساتھ شامل ہو کر اس گاؤں میں آ گئی۔

میں نے پوچھا کہ لبنیٰ مکان پر نہیں تھی؟ اس نے چادر کے پلو سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ سارا مکان کھلا پڑا تھا۔ خدا جانتا ہے کہ اس کی سہیلی لبنیٰ زندہ بھی ہے کہ نہیں۔ مجھے تو اپنی مالکن کی بھی بڑی فکر ہے۔"

پھر اس نے میرے دونوں ہاتھ اپنے کپکپاتے ہاتھوں میں لے لئے گلوگیر آواز میں کہا۔ اللہ کے واسطے میری بچی کی جان بچا لو۔ وہ زندہ نہیں بچے گی۔ شہر پر جرمنوں کا قبضہ ہو گیا ہو گا میری بچی لیلیٰ زندہ نہیں بچے گی۔ وہ لوگ اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

اور خادمہ سر جھکا کر آنسو بہانے لگی۔ میری حالت ایک ایسے آدمی کی تھی جو اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی زندگی کی متاع عزیز کو سمندر کی لہروں میں زندہ مگر غرق ہوتے دیکھ رہا ہو۔ لیلیٰ زندہ تھی مگر دشمن کی نرغے میں تھی۔ یہ ہو سکتا تھا کہ جرمن فوجی ایسے گھر کی تلاشی نہ لیں جو ایک کھلی جگہ پر ہو اور جہاں ایک باغیچہ بھی ہو۔ بہت ممکن تھا کہ انہوں نے اسی مکان میں اپنا کمپنی آفس بنالیا ہو۔۔ میں نے لیلیٰ کو وہاں سے نکالنے کا فیصلہ کر لیا اور خادمہ سے کہا کہ کیا وہ مجھے کوئی ایسا اونٹ لے کر دے سکتی ہے جو سیوون سے بن غازی تک کے راستے کا عادی ہو۔ خادمہ نے کہا کہ وہ اپنی ایک رشتہ دار کے ہاں اتری ہوئی ہے۔ وہ کوشش کرے گی۔ میرے پاس کافی رقم تھی۔ میں نے اسے کچھ پونڈ دئے اور کہا۔ میری بہن! جس طرح بھی ہو سکے میری مدد کرو۔ وہ مجھے ساتھ لے کر گاؤں کے ایک آدمی کے پاس آئی۔ یہ آدمی اسے جانتا تھا۔ میں نے جب اسے بتایا کہ میں بن غازی جانا چاہتا ہوں تو وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے میری طرف تکنے لگا۔ "تم پاگل ہو گئے ہو۔ ہم خود یہاں سے کہیں بھاگنے کی فکر میں ہیں۔ صبح ہی ہمیں پتہ چلا ہے کہ بن غازی پر جرمن فوجوں نے قبضہ کر لیا ہے اور وہاں بچے کھچے مسلمانوں کو انگریزوں کے جاسوس سمجھ کر شوٹ کر رہے ہیں اور تم بن غازی جانا چاہتے ہو۔"

میں نے اسے کچھ مزید رقم دی اور کہا۔

میری ایک بہت ہی قیمتی چیز مکان میں رہ گئی ہے۔ میں اسے ہر حال میں واپس لانا چاہتا ہوں۔ تم برائے خدا مجھے کسی طرح وہاں تک پہنچا دو۔"

رقم جیب میں ڈال کر اس نے آدمی سے کہا۔

"تمہاری مرضی۔ میں کوئی آدمی تمہارے ساتھ نہیں بھیج سکتا۔ ایک اونٹنی ہے۔ وہ سلون سے بن غازی تک سفر کرتی رہتی ہے۔ تم اسے لے جاؤ۔ آگے تمہاری قسمت۔ لیکن اگر جرمنوں نے تمہیں پکڑ لیا تو میرا نام نہ لینا۔"

ایک گھنٹے کے بعد میں صحرا کی تپتی دھوپ میں اونٹنی پر سوار سلون سے بن غازی کی طرف چلا جا رہا تھا۔

سورج غروب ہو چکا تھا جب میں بن غازی پہنچا

صحرا میں سورج غروب ہونے کے بعد بھی کافی دیر تک شفق کی روشنی رہتی ہے مغرب کی جانب آسمان نے قرمزی رنگت اختیار کر لی۔۔ میں جس اونٹ پر سوار تھا وہ مجھے بالکل صحیح راستے سے صحرا میں سے لے آیا تھا۔ میرا لباس لیبیا کے عام باشندوں ایسا تھا داڑھی میں نے پہلے ہی رکھی ہوئی تھی میں اسے فرنچ کٹ کے انداز میں ترشوالیتا تھا۔ عربی زبان بھی اب میں روانی سے بول لیتا تھا مجھ پر کوئی بھی شک نہیں کر سکتا تھا کہ میں لیبیا کا رہنے والا نہیں ہوں بلکہ انڈین فوج کا بھگوڑا ہوں جو ایک انگریز فوجی افسر کو قتل کر کے فرار ہو گیا تھا۔

چونکہ میں خود سابق فوجی تھا اس لئے مجھے معلوم تھا کہ بن غازی پر قبضے کے بعد جرمن اور اطالوی فوجوں نے شہر کے باہر فوجی چوکیاں قائم کر رکھی ہوں گی لیکن مجھے شہر میں داخل ہونے کی ضرورت نہیں تھی میں لیلیٰ کے مکان کی طرف جا رہا تھا جو شہر سے باہر ریت کے ایک چھوٹے ٹیلے کے عقب میں تھا اور جہاں میری محبوبہ لیلیٰ جرمن فوجوں کے خلاف سے تہ خانے میں چھپی ہوئی تھی بن غازی شہر میرے دائیں ہاتھ پر تھا اس کے مکانوں اور عمارتوں پر جیسے موت کا سناٹا چھایا ہوا تھا کسی طرف سے بھی فائرنگ یا گولوں کے پھٹنے کی آواز نہیں آرہی تھی دو جرمن ٹینک ایک ٹیلے سے اتر کر شہر میں داخل ہو رہے تھے دور مجھے کچھ فوجی وردی والے آدمی بھی نظر آئے ظاہر ہے یہ جرمن یا اطالوی فوجی ہی ہو سکتے تھے کیونکہ شمالی افریقہ کے محاذ پر جرمن اور اطالوی ڈویژن ایک ساتھ جنرل رومیل کی قیادت میں حملہ آور ہوئے تھے۔

میں اونٹ سے اتر کر اس کی باگ ہاتھ میں لئے چل رہا تھا مجھے خیال آیا کہ کہیں یہ

اونٹ مجھے کسی مصیبت میں مبتلا نہ کر دے ویسے بھی اب مجھے اس کی ضرورت نہیں تھی میں نے اس کا منہ سلون گاؤں کی طرف پھیر کر اس کی باگ چھوڑ دی اونٹ واپس روانہ ہو گیا میں وہیں تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ گیا اور ماحول کا جائزہ لینے لگا لیلیٰ کے مکان والا ٹیلہ مجھے غروب ہو چکے سورج کی شفق کی قرمزی روشنی میں دور دکھائی دے رہا تھا اس کے پیچھے لیلیٰ کا مکان تھا وہ مکان جس کے عقبی آنگن میں اناروں کا باغ تھا مجھے پنجابی ماہئے کا یہ شعر یاد آ رہا تھا

دو پتر اناراں دے
ساڈا دکھ سن سن کے روندے پتھر پہاڑاں دے

یہ وہی اناروں کا باغ تھا جس کی کوٹھری میں میں نے پہلی بار لیلیٰ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس سے پیمان وفا باندھا تھا اور یہی وہ اناروں کا باغ تھا جس کی خاموشی میں لیلیٰ نے پہلی بار میرے سامنے اپنی محبت کا اعتراف کیا تھا اور یہی اناروں کے باغ والا وہ مکان تھا جس کے ایک تہ خانے میں لیلیٰ جرمن فوجوں کے خوف سے چھپی بیٹھی تھی اس نے تہ خانے میں چھپ کر سخت غلطی کی تھی وہاں تو دشمن کے فوجی آ سکتے تھے۔ اسے دوسرے لوگوں کے ساتھ یا اپنی خادمہ کے ساتھ سلون گاؤں کی طرف نکل جانا چاہئے تھا مگر میں لیلیٰ کے مزاج سے واقف تھا وہ ایک شدید قسم کے روایت پرست مسلمان کی لڑکی تھی اور اپنی عزت آبرو کو سینے سے لگا کر وہیں تہ خانے میں چھپ جانا ہی اس نے مناسب سمجھا ہو گا اسے یہ ڈر ہو گا کہ صحرائی راستے میں کہیں کوئی جرمن فوجی اسے اٹھا کر نہ لے جائے میرے خیال میں اس نے بڑی زبردست غلطی کی تھی۔ اسے اسی وقت دوسرے مرد عورتوں کے ساتھ وہاں سے نکل جانا چاہئے تھا۔

میں ریت پر پنجوں کے بل بیٹھا تھا اور میری نظریں ایک تجربہ کار فوجی کی طرح ارد گرد کی فضا کا جائزہ لے رہی تھیں شہر میں بلیک آؤٹ کی وجہ سے کہیں کوئی روشنی نہیں تھی کچھ فوجیوں کی آوازیں دور سے آ رہی تھیں جب شفق کی سرخی نے بھی اندھیرے کی باریک چادر اوڑھ لی تو میں اٹھا اور لیلیٰ کے مکان کی طرف چل پڑا ٹیلے کے قریب پہنچا تھا کہ اچانک ٹیلے کی اوٹ سے دو فوجی نکل آئے رائفلیں سیدھی کر کے انہوں نے مجھے رکنے کا حکم دیا۔

یہ جرمن فوجی تھے۔ انہوں نے جرمن ہیلمٹ پہن رکھے تھے اور چہرے لال تھے میں نے ناسمجھ بدو کی اداکاری کرتے ہوئے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لئے اور عربی میں کہا کہ میں بدو ہوں شہر سے واپس اپنے گاؤں جا رہا ہوں میری عربی ان جرمن فوجیوں کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی ان میں سے ایک رائفل مجھ پر تانے کھڑا رہا دوسرے نے میری تلاشی لی میرے پاس وائے چند ڈالروں کے اور کچھ بھی نہیں تھا میں نے عقلمندی کی تھی کہ زیادہ رقم سلون گاؤں میں لیلیٰ کی نوکرانی کے پاس ہی چھوڑ آیا تھا جرمن سپاہیوں نے میری جیب سے نکلے ہوئے ڈالروں پر قبضہ کر لیا اور مجھے بھاگ جانے کا اشارہ کیا میں جھک کر انہیں سلام کرتا وہاں سے آگے نکل گیا۔

خدا کا شکر ادا کیا کہ جان بچ گئی اس سے مجھے یہ اندازہ بھی ہو گیا کہ جرمن سپاہی اب لوگوں کو شوٹ نہیں کرتے بلکہ ان سے جو کچھ ہاتھ آئے سمیٹ لیتے ہیں ایک شک مجھے ضرور ہوا کہ یہ دونوں جرمن سپاہی لیلیٰ کے مکان سے چند قدموں کے فاصلے پر مجھے ملے تھے کہیں ایسا تو نہیں تھا کہ جرمنوں نے لیلیٰ کے مکان پر ڈیرا لگا لیا ہو یا وہاں کوئی مورچہ بنا رکھا ہو لیلیٰ کا مکان دائیں جانب تھا اس ایک منزلہ مکان کا محرابی دروازہ آدھا کھلا تھا اور دروازے کے آگے ایک ٹین کا ٹرنک اوندھا پڑا تھا میں مکان میں داخل ہونے کی بجائے آگے گزر گیا شام کا جھٹپٹا ہو گیا تھا فضا میں خنکی آنے لگی تھی دھوپ کی تپش میں دن بھر کی جلتی ریت ٹھنڈی ہو رہی تھی لیلیٰ کے مکان پر اندھیرا اور سناٹا چھایا تھا میں اس کی کچی دیوار پر ایک نگاہ ڈالتا ہوا وہاں سے گزر گیا کافی آگے ریت کا نشیب تھا میں نشیب میں اتر کر ایک طرف ہو کر ریت پر بیٹھ گیا آسمان پر اندھیرے کی راکھ میں سے تارے آہستہ آہستہ نمودار ہو رہے تھے یہ سوچ کر میرا دل زور سے دھڑک اٹھا کہ مجھ سے تھوڑے فاصلے پر ایک مکان کے تہ خانے میں لیلیٰ چھپی ہوئی ہے ان جرمن سپاہیوں کو دیکھ کر مجھے یہ خیال بھی آیا کہ کہیں یہ لیلیٰ کو تشدد کا نشانہ بنا کر تو نہیں آ رہے تھے؟ عجیب عجیب وحشت انگیز خیالات آ رہے تھے۔۔

جب مجھے یقین ہو گیا کہ جرمن سپاہی وہاں سے کافی دور چلے گئے ہوں گے تو میں اٹھا اور نشیب کی چڑھائی چڑھتا ہوا شروع رات کے سرمئی دھندلکوں میں لیلیٰ کے مکان کی طرف بڑھا مکان کی چار دیواری دکھائی دینے لگی تو میں دروازے کی طرف جانے کی بجائے

عقبی کچی دیوار کی طرف آ گیا یہاں دیوار ایک جگہ سے تھوڑی ڈھے گئی تھی اسی راستے سے گزر کر میں لیلیٰ سے ملنے اناروں والے باغ میں گیا تھا یہاں گہری خاموشی تھی میں دیوار کے راستے سے گزر کر مکان کے احاطے میں داخل ہو گیا اناروں والا باغ سنسنان تھا میں ایک طرف ہو کر ہمہ تن گوش ہو گیا وہاں کسی قسم کی کوئی آواز نہیں تھی سب سے پہلے میں اس چھوٹی کوٹھری میں گیا جہاں لیلیٰ مجھ سے ملنے آئی تھی کوٹھری خالی پڑی تھی میں انار کے درختوں میں آ کر ایک درخت کے پاس رک گیا درختوں کے بیچ میں سے سامنے لیلیٰ کے مکان کا برآمدہ تھا برآمدے کی چقیں نیچے گری ہوئی تھیں آگے مجھے کچھ نظر نہیں آتا تھا لیلیٰ کی خادمہ نے مجھے گھر کا سارا نقشہ اور تہہ خانے کا راستہ بھی بتا دیا تھا میں سوچ سمجھ کر آگے قدم بڑھانا چاہتا تھا اس بات کا خطرہ تھا کہ وہاں کوئی جرمن سپاہی موجود ہو اس بات کی مجھے تسلی ہو گئی تھی کہ جرمنوں نے اس کھلے اور شہر کے باہر کونے والے مکان میں اپنا مورچہ وغیرہ نہیں بنایا تھا

میں دبے پاؤں چل کر برآمدے کے کونے میں آ کر بیٹھ گیا اور اندھیرے میں آنکھیں پھاڑے تکنے لگا سامنے دونوں کمروں کے دروازے کھلے تھے اور گھر کی چیزیں ادھر ادھر بکھری ہوئی تھیں صاف لگ رہا تھا کہ اس گھر کی تلاشی لی گئی ہے خادمہ کے بتائے ہوئے نقشے کے مطابق مجھے بائیں جانب والے کمرے میں داخل ہونا تھا میں دھڑکتے دل کے ساتھ کمرے میں داخل ہو گیا نیم اندھیرے میں مجھے چمڑے کے سوٹ کیس اور لکڑی کی الماری میں سے نکلے ہوئے کپڑے فرش پر بکھرے دکھائی دیئے میں کونے میں آ کر رک گیا یہاں ایک چھوٹا دروازہ تھا یہ دروازہ بھی چوپٹ کھلا پڑا تھا یہ مکان کے اسٹور کا دروازہ تھا وہاں بھی فرش پر چیزیں بکھری ہوئی تھیں ٹین کا ایک بڑا صندوق کھلا تھا جس میں سے ریشمی زنانہ کپڑے لٹک رہے تھے خادمہ نے مجھے بتایا تھا کہ اس صندوق کی کی بغل میں لکڑی کے فرش کا ایک چوکھٹا ہے جس کے کونے میں ایک کیل لگی ہوئی ہے اس چوکھٹے کے نیچے مکان کا تہہ خانہ ہے جہاں اس کے کہنے کے مطابق لیلیٰ چھپی ہوئی تھی اسٹور میں اندھیرا تھا میں بیٹھ گیا اور صندوق کے پہلو میں لکڑے کے فرش پر ہاتھ پھیرنے لگا ایک جگہ انگلیاں لوہے کی کیل سے ٹکرائیں تھوڑا سا زور لگانے سے چوکھٹا اپنی جگہ سے اوپر اٹھ آیا نیچے سے نیم گرم ہوا کا جھونکا آیا جس میں لیلیٰ کے ملبوس کی مخصوص خوشبو تھی لیلیٰ ہمیشہ یہی عطر لگاتی تھی عطر کی

خوشبو نے میرے مردہ جسم میں نئی طاقت بھر دی میں نے فرش کے شگاف میں منہ ڈال کر کہا۔ ”لیلیٰ میں جلال ہوں۔“

میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا اگر لیلیٰ کی آواز نہ آئی تو کیا ہو گا؟ میں لیلیٰ کی آواز سننا چاہتا تھا اندھیرا اب میری آنکھوں کے آگے رکاوٹ بن رہا تھا میں نے جھانک کر نیچے دیکھا نیچے سوائے اندھیرے کے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا میں نے دوسری بار آواز دی تو مجھے ایک سسکی کی آواز سنائی دی کیا یہ لیلیٰ کی سسکی تھی؟ میں بے تاب ہو گیا میں نیچے تہہ خانے میں چھلانگ لگانے ہی لگا تھا کہ مجھے لیلیٰ کی کمزور آواز سنائی دی ”جلال! ٹھہرو“

میں وہیں رک گیا پھر لکڑی کی ایک سیڑھی لگ گئی میں تہہ خانے میں اتر گیا تہہ خانے میں بہت زیادہ اندھیرا تھا فضا گرم تھی اور لیلیٰ کے عطر کی خوشبو سے لبریز تھی

”لیلیٰ! لیلیٰ!“ میں بے اختیار اسے پکار رہا تھا اور اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں آ رہا تھا۔ ایک بار پھر مجھے سسکی کی آواز سنائی دی میں اس آواز کے اندازے سے لیلیٰ کی طرف بڑھا اور میرا جسم اس کے جسم سے ٹکرا گیا میں گرتے گرتے بچا لیلیٰ تہہ خانے کی دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھی آہستہ آہستہ سسکیاں بھر رہی تھی میرے خشک ہونٹ بار بار ایک ہی جملہ دہرا رہے تھے خدا ہمارے ساتھ ہے لیلیٰ اللہ پر بھروسہ رکھو سب ٹھیک ہو جائے گا لیلیٰ میرے ساتھ لگ گئی سسکیاں بھر کر روئے جا رہی تھی اس کے آنسو نہیں تھمتے تھے شاید وہ ان آنسوؤں کو کل سے اپنے سینے میں دبائے بیٹھی تھی۔ مصیبت میں آدمی اکیلا بھی آنسو بہاتا ہے لیکن محبت کرنے والے کو سامنے پا کر جو آنسو گرتے ہیں انہی کو شاعروں نے انمول موتیوں سے تشبیہہ دی ہے جب لیلیٰ کے دل کا بوجھ ذرا ہلکا ہوا تو اس نے گھبرا کر کہا ”لکڑی کا چوکھٹا اوپر گرا دو۔ کوئی فوجی نہ آ جائے۔“

میں سیڑھی پر چڑھا اور لکڑے کا تختہ اوپر گرا کر نیچے آ گیا نیچے آتے ہی مجھے تازہ ہوا کا پہلی بار ایک جھونکا محسوس ہوا میں نے لیلیٰ سے پوچھا ”یہاں تازہ ہوا کہاں سے آتی ہے؟“

لیلیٰ نے رندھی ہوئی آواز میں مختصر بتایا کہ کسی جگہ کوئی سوراخ تازہ ہوا کے لئے رکھا گیا ہے میں لیلیٰ کے قریب بیٹھ گیا اور اسے بتایا کہ میں اس کی تلاشی میں گولہ باری میں اس کے مکان میں گیا تھا اور میں نے اس کی چچی اور کسی مرد کی لاش دیکھی تھی پھر میں اس کی چچی کی موت پر افسوس کرنے لگا لیلیٰ اپنا چاند ایسا چہرہ میرے کاندھے سے لگائے آنسو بہا رہی تھی

اس نے آنسوؤں بھری آواز میں مجھے بتایا کہ اس کا چچا بھی گولہ باری میں شہید ہو گیا ہے اور عبید کا کچھ پتہ نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ کیا معلوم وہ بھی زندہ نہ ہو یہ کہہ کر لیلیٰ سسکیاں بھرنے لگی لیلیٰ کو اپنے چچا زاد منگیتر عبید کے نام پر سسکیاں بھرتے دیکھ کر میرے سینے پر سانپ لوٹ گیا مجھے اس کی زبان سے عبید کا نام تک سننا گوارا نہیں تھا اور وہ اس کی زندگی کی تمنا بن رہی تھی میں نے فوراً موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ "لیلیٰ! تم نے یہاں آکر سخت غلطی کی تمہیں اپنی خادمہ کے ساتھ سلون گاؤں کی طرف چلے جانا چاہئے تھا سب لوگ ادھر کو بھاگ رہے تھے تو تم یہاں کیوں آگئیں لبنیٰ بھی یہاں نہیں ہے وہ لوگ کہاں چلے گئے؟"

لیلیٰ نے اپنی چادر سے آنسو پونچھے اور بولی۔ "کسی کا کچھ پتہ نہیں قیامت آگئی تھی میں ڈرتی رہی کہیں راستے میں کوئی سپاہی نہ پکڑ لے بھاگ کر یہیں آگئی سوچا تھا لبنیٰ کی ماں تو ضرور ہو گی مگر یہاں کوئی بھی نہیں تھا بم پھٹ رہے تھے زمین لرز رہی تھی میں جان بچا کر تہہ خانے میں چھپ گئی کل سے یہیں چھپی ہوئی ہوں صبح منہ اندھیرے نکل کر باورچی خانے میں گئی تھی تھوڑے ستو پئے اور پھر یہاں آکر چھپ گئی تمہارے آنے سے پہلے اوپر دو آدمیوں کے جوتوں کی آوازیں سنائی دی تھیں وہ چیزوں کو الٹ پلٹ رہے تھے تلاشی لے رہے تھے میں سہمی ہوئی بیٹھی خدا کو یاد کرتی رہی میں نے تمہاری پاؤں کی آواز بھی سن لی تھی پھر تم نے فرش کا چوکھٹا اٹھایا تو میں کانپ گئی تھی میں نے اپنا سانس روک لیا تھا جب تم نے آواز دی اور اپنا نام پکارا تو بے اختیار میں سسکیاں بھرنے لگی۔

پھر لیلیٰ نے اپنا چاند ایسا چہرہ میرے سینے میں چھپا لیا اور روتے ہوئے بولی۔ "میں کیوں نہ مر گئی میری چچی اور چچا مر گئے اور میں زندہ ہوں میرے منگیتر کا کچھ پتہ نہیں سارا گھر تباہ ہو گیا یہ کیا ہو گیا سب کچھ ختم ہو گیا میں زندہ رہنا نہیں چاہتی میں مرجانا چاہتی ہوں۔۔"

میں دیر تک لیلیٰ کو حوصلہ دیتا رہا کافی دیر بعد اس کے دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہوا تو میں نے اسے کہا کہ اس کا یہاں رہنا کسی طرح بھی مناسب نہیں وہ دشمن کے درمیان بیٹھی ہے اسے میرے ساتھ اسی وقت چلنا ہو گا ہم سلون گاؤں جائیں گے وہاں بن غازی کے مہاجر ہیں وہاں اس کی خادمہ بھی ہے ہم وہاں سے آگے مجیلی قصبے میں چلے جائیں گے اندھیرے میں مجھے لیلیٰ کا چاند ایسا سوگوار چہرہ نظر آیا وہ میری طرف منہ اٹھا کر دیکھ رہی تھی میں نے ہاتھ سے اس کی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو پونچھے تو وہ کپکپاتے ہونٹوں سے بولی "میری چچی

کی لاش مکان میں پڑی ہے میں اسے بے گوروکفن چھوڑ کر یہاں سے کیسے چلی جاؤں تم میری خاطر اپنی جان خطرے میں نہ ڈالو میں نے لیلیٰ کے چہرے کا چاند اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا "لیلیٰ! میں تمہارے لئے اپنی جان بھی قربان کر سکتا ہوں تم ابھی تک نہیں سمجھ سکیں کہ میں تم سے کتنی شدید محبت کرتا ہوں شہر کا کوئی مکان ایسا نہیں جہاں کسی کی ماں، بہن یا بھائی کی لاش بے گوروکفن نہ پڑے ہو ہم کس کس کی موت پر آنسو بہائیں کس کس کی لاش کو اٹھائیں لیلیٰ یہ جنگ ہے اور شہر پر جرمنی فوجوں کا قبضہ ہو گیا ہے اگر ہم ان کے ہاتھ آگئے تو وہ تم سے درندوں ایسا سلوک کریں گے میری مانو اور میرے ساتھ ابھی اسی وقت یہاں سے نکل چلو ابھی رات ہے۔ ہم تاریکی کا فائدہ اٹھا کر بہت جلد شہر سے دور نکل جائیں گے"

لیلیٰ کے آنسو رک گئے میری بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی کہنے لگی "سلون بڑی دور ہے ہم پیدل وہاں کیسے پہنچیں گے"

اس وقت مجھے افسوس ہونے لگا کہ میں نے اونٹ واپس کیوں روانہ کر دیا تھا میں نے کہا "کم از کم ہم موت کے منہ سے تو نکل جائیں گے راتوں رات ہم کافی فاصلہ طے کر لیں گے دن نکلے گا تو دیکھا جائے گا۔"

لیلیٰ نے سر نیچے کر لیا اور بولی "جیسے تمہاری مرضی"

مجھے بے حد خوشی ہوئی کہ لیلیٰ میرے ساتھ وہاں سے نکل جانے پر تیار ہو گئی تھی میں یہی مقصد دل میں لے کر وہاں آیا تھا لیلیٰ زندہ تھی اور میرے ساتھ وہاں سے نکل جانے پر راضی تھی زندگی میں پہلی بار مجھے محسوس ہوا کہ میں لیلیٰ کو حاصل کر سکوں گا اور میری زندگی اس کی خوشبوؤں سے معطر ہو جائے گی یہ میری زندگی کی سب سے بڑی خوش قسمتی تھی۔۔

میں نے اس سے کہا "تم یہیں بیٹھو میں باہر جا کر حالات کا جائزہ لیتا ہوں گھبرانا بالکل نہیں میں ابھی واپس آجاؤں گا یہ دیکھنا بہت ضروری ہے کہ باہر کوئی جرمن فوجی دستہ رات کی گشت پر تو نہیں پھر رہا۔۔"

میں نے سیڑھی لگائی فرش کا تختہ اوپر اٹھایا لیلیٰ نیچے سیڑھی کے پاس کھڑی اوپر دیکھ رہی تھی اس کا چہرہ اندھیرے میں دھندلے زرد اداس چاند کی طرح نظر آرہا تھا میں نے کہا

"میرے جانے کے بعد سیڑھی کھینچ لینا"

تہ خانے سے نکل کر میں نے فرش کا تختہ لگا دیا فرش برابر ہو گیا پھر اسٹور سے نکا اور دوسرے کمرے میں سے گزرتا ہوا برآمدے میں اور وہاں سے انار کے باغ میں قدم رکھا میں پوری طرح چوکس اور ہمہ تن گوش تھا مکان کی عقبی دیوار کے رستے میں سے ہوتا ہوا دیوار کے ساتھ دبے پاؤں چلتا مکان کے صدر دروازے کی طرف بڑھا میں صرف یہ تسلی کرنا چاہتا تھا کہ رات کے وقت جرمنوں کی کوئی پٹرول پارٹی تو ادھر گشت نہیں لگا رہی کیونکہ مجھے اگلی محاذ کی کوئی خبر نہیں تھی کہ انڈین فوجوں کی پوزیشن کیا ہے اور جرمن فوجوں نے آگے کہاں تک پیش قدمی کی ہے

میں لیلیٰ کے مکان کے صدر دروازے کے قریب ہی پہنچا تھا کہ مجھے فوجی ٹرکوں کی آواز سنائی دی یہ تین چار ٹرکوں کی اکٹھی آواز تھی میرے قدم وہیں رک گئے میں گھبرا کر پیچھے دوڑا پھر دوسری طرف سے دیوار کے پیچھے سے دیکھا آسمان پر تارے چمک رہے تھے صحرا میں رات کو جب تارے پوری آب و تاب سے چمکتے ہیں تو صحرا میں زیادہ اندھیرا نہیں رہتا اور ہر شئے دھندلی دھندلی دکھائی ضرور دیتی ہے میں نے دیکھا کہ شہر کی طرف سے چار ٹرک دو دو کی فارمیشن میں آگے بڑھ رہے ہیں میرا خیال تھا کہ شاید وہ آگے محاذ کی طرف جا رہے ہیں لیکن وہ مکان کے دروازے سے چند قدموں کے فاصلے پر آ کر رک گئے جرمن فوجی چھلانگیں لگا کر ٹرکوں میں سے نکل آئے وہ اونچی آواز میں ایک دوسرے کو کچھ کہہ رہے تھے۔

میرا دل دھک سے رہ گیا یہ کم بخت یہاں کہیں مورچہ بنانے تو نہیں آ گئے میں پیچھے کو دوڑا اور دیوار کے رستے سے گزر کر بھاگتا ہوا اناروں کے باغ سے ہوتا ہوا برآمدے اور پھر کمرے میں آ گیا میں نے جلدی سے فرش کا تختہ اٹھایا اور منہ نیچے کر کے لیلیٰ کو آواز دی اس نے سیڑھی لگا دی میں نے سیڑھی پر پیر رکھا اور اوپر تختہ گرا کر برابر کر دیا جلدی سے نیچے اتر سیڑھی ایک طرف ہٹائی میرا سانس پھول گیا تھا فوجی ٹرکوں کی آواز لیلیٰ نے بھی سن لی تھی باہر سے جرمن سپاہیوں کی گھٹی گھٹی سی آوازیں تہ خانے میں بھی سنائی دے رہی تھیں لیلیٰ گھبرائی ہوئی تھی کہنے لگی "کیا جرمن آ گئے ہیں؟" میں نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور سانس پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "گھبرانے کی بات نہیں دو تین ٹرک ہیں۔ شاید رات کو پہرہ

ئے آئے ہیں صبح واپس چلے جائیں گے۔"

لیلیٰ کو تو میں نے یہ کہہ دیا تھا لیکن میرا دل کہہ رہا تھا کہ جرمن اکٹھے چار ٹرک لے کر ں یونہی نہیں آئے وہ ضرور یہاں مستقل مورچہ بنا رہے ہیں یہ مکان فوجی اعتبار سے شہر ے باہر جنوب مشرق کی طرف بڑا اہم تھا اور دشمن اگر پیش قدمی کرتا ہے تو اس کا پہلا حملہ ں طرف سے ہو سکتا تھا اس بات کا مجھے پہلے ہی خدشہ تھا آخر یہ بات ہو کر رہی تھی مگر میں ے لیلیٰ کو یہی کہہ کر حوصلہ دیا کہ جرمن ٹرک صبح تک واپس چلے جائیں گے ٹرکوں کے انجن بند گئے تھے صرف کبھی کبھی کسی جرمن فوجی کی آواز سنائی دے جاتی تھی پھر ایک فوجی کا قہقہہ ائی دیا تہ خانے میں یہ آوازیں مدھم سنائی دیتی تھیں لیلیٰ پریشان تھی میں نے اس کا ہاتھ ام کر کہا۔ "لیلیٰ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں جب تک میں زندہ ہوں تمہاری رف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا کیا تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں۔"

لیلیٰ نے جواب دینے کے بجائے اپنا سر میرے سینے سے لگا دیا وہ رات ہم نے سوتے گتے گزار دی یہ بڑی خوش آئند بات تھی کہ ابھی تک کوئی بھی جرمن سپاہی اس مکان ں داخل نہیں ہوا تھا اگر ہوا تھا تو وہ ہمارے تہ خانے کے اوپر والے کمرے میں نہیں آیا کیونکہ ہمیں اوپر فرش پر کسی کے بھاری جوتوں کی آواز نہیں سنائی دی تھی اسی طرح سے رے وہاں سے نکل بھاگنے کا موقع موجود تھا اندازے کے مطابق منہ اندھیرے کے قریب انے لیلیٰ سے کہا کہ میں باہر جا کر دیکھتا ہوں کہ صورت حال کیا ہے اس نے میرا ہاتھ تھام وہ مجھے باہر نہیں بھیجنا چاہتی تھی وہ جس طرح سے باہر نہ جانے کے لئے اصرار کر رہی تھی ں سے مجھے بڑی تسکین ہوئی خدا کا شکر تھا کہ لیلیٰ نے اس کے بعد چچا اور منگیتر عبید کا بھی ر نہیں کیا تھا میں نے کہا:

"لیلیٰ! اگر میں نے باہر جا کر حالات کا جائزہ نہ لیا تو ہم کب تک یہاں پڑے رہیں گے ر پھر یہ بھی ممکن ہے کہ آج یا کل جرمن فوجی اس مکان میں بسیرا کر لیں تب تو ہم بالکل ہی ر نہیں نکل سکیں گے پھر کیا کریں گے ویسے بھی ہمیں تہ خانے سے نکل کر غسل خانے تو نا ہو گا کچن سے کچھ کھانے کو بھی لانا ہو گا۔"

لیلیٰ خاموش ہو گئی میں نے سیڑھی لگائی اور تہ خانے سے باہر نکل آیا لیلیٰ نے نیچے سے ڑھی ہٹا دی میں نے تختہ فرش پر برابر کیا اور دبے پاؤں چلتا اسٹور سے نکل کر دوسرے

کمرے میں آ کر رک گیا ابھی صبح نہیں ہوئی تھی مگر لگتا تھا کہ پو پھٹنے والی ہے باہر سے کسی جرمن فوجی کی آواز نہیں آ رہی تھی پہلے میں سمجھا کہ شاید وہ ٹرک لے کر واپس چلے گئے ہیں میں برآمدے کے کونے میں آ گیا یہاں سے مکان کے احاطے کی دیوار آگے مکان کے صدر دروازے کو جاتی تھی میں نیچے اترا اور دیوار کے نیچے جھک کر چلتا تھوڑا آگے گیا سر اٹھا کر باہر دیکھا تو میں وہیں پتھر کی طرح جم کر رہ گیا ایک توپ بالکل دیوار کے قریب نصب تھی اور اس کا جرمن توپچی دیوار کی جانب یعنی میری جانب پشت کئے اسٹول پر سر جھکائے بیٹھا تھا شاید وہ اونگھ رہا تھا توپ کے آگے ریت کی بوریاں ڈال کر مورچہ بنا دیا گیا تھا ٹرک اسی طرح ایک طرف کھڑے تھے

میں نے آہستہ آہستہ اپنا سر نیچے کر لیا اور دبے پاؤں چلتا جدھر سے آیا تھا ادھر ہی چلا آیا تہہ خانے کا تختہ اٹھا کر میں نے دھیمی آواز میں لیلیٰ کو آواز دی اور اسے کہا کہ وہ اوپر آ جائے لیلیٰ سیڑھی لگا کر اوپر اسٹور میں آ گئی میں نے جب اسے بتایا کہ جرمن فوج نے مکان کے آگے مورچہ بنا کر توپ لگا دی ہے تو اس کا رنگ اڑ گیا میں نے اس کی یہ کہہ کر ہمت بندھائی کہ مکان کے پیچھے والا علاقہ خالی ہے ہم ادھر سے نکل جائیں گے ہم دونوں اسٹور سے باہر آ گئے اناروں والا باغ اندھیرے میں سنسان تھا ہم اس کے نیچے دبے پاؤں چلتے جب دیوار کے شگاف کے قریب پہنچے تو یہ دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے کہ ادھر جرمن فوج نے دو چوکیاں قائم کر رکھی تھیں اور دو فوجی رائفل اٹھائے پہرہ دے رہے تھے یہ جرمن توپ خانے کی رجمنٹ تھی اور اس مکان کے شمال مغرب اور جنوب مشرق کی طرف انہوں نے باقاعدہ توپوں کا مورچہ بنایا ہوا تھا اب دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا میں نے لیلیٰ کا ٹھنڈا ہاتھ پکڑا اور اسے واپس مکان کے برآمدے کی طرف لے آیا۔

اسٹور میں آ کر لیلیٰ نے کہا "اب کیا کریں؟" میں نے جواب دیا کہ یہی غنیمت ہے یہ لوگ مکان کے اندر نہیں آئے تم گھبراؤ نہیں میں یہاں سے بھاگنے کا کوئی نہ کوئی راستہ نکال لوں گا تم جلدی سے غسل خانے جا کر منہ ہاتھ دھو آؤ غسل خانہ ساتھ والے کمرے میں ہی تھا میں نے لیلیٰ کو خاص طور پر تاکید کی تھی کہ پانی کے فرش پر گرنے کی آواز بالکل نہ آئے میں اسٹور میں ہی فرش پر بیٹھا سوچتا رہا کہ اب کیا حکمت عملی اختیار کی جانی چاہئے ایک بات واضح تھی کہ ہم رات کے اندھیرے میں ہی وہاں سے نکل سکتے تھے اس لئے مجھے جرمن

مورچے کے سپاہیوں کی نقل و حرکت کا خاص طور پر جائزہ لینا تھا کہ کون کس وقت کہاں ڈیوٹی پر تعینات ہوتا ہے دن کے وقت وہاں سے نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا شہر پر قبضہ کئے جرمنوں کو دو دن ہی گزرے تھے اور شہر میں جو مسلمان رہ گئے تھے ان کو باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی ویسے بھی اگر یہ کسی شہری کو اپنے توپ خانہ کے آس پاس دیکھ لیتے ہیں تو ظاہر ہے اسے اتحادیوں کا جاسوس سمجھ کر فوراً شوٹ کر دیں گے۔

لیلیٰ منہ ہاتھ دھو کر آ گئی اور میرے کان کے قریب منہ لا کر بولی "آؤ میں تمہیں غسل خانہ دکھاتی ہوں۔"

غسل خانہ ساتھ والے کمرے میں ہی تھا لیلیٰ نے آہستہ سے کہا کہ وہ کچن سے تھوڑی ڈبل روٹی اور اچار لے کر نیچے جا رہی ہے میں نے کہا خدا کے لئے کسی چیز کی آواز پیدا نہ کرنا اگر جرمنوں کو ذرا سا بھی شک پڑ گیا تو وہ ہمیں ڈھونڈ نکالیں گے اور پھر ہمارا جو انجام ہو گا وہ ظاہر ہے

میں تہہ خانے میں اتر گیا چند لمحوں کے بعد لیلیٰ بھی آ گئی میں نے سیڑھی لگا دی وہ نیچے آئی تو میں نے سیڑھی ہٹا دی اب ہم تہہ خانے کے اندھیرے میں بیٹھے تھے۔

باہر جرمنوں کی آوازیں تھوڑی دیر بعد سنائی دینے لگیں پھر ایک جیپ دور سے آ کر رک گئی معلوم ہوا کہ باہر دن نکل آیا ہے ابھی تک ان جرمن سپاہیوں کی آوازیں تہہ خانے تک آتے آتے دھیمی ہو جاتی تھیں لیکن کچھ ہی دیر بعد یہ آوازیں بہت قریب سنائی دینے لیں پھر ایسا شور بلند ہوا جیسے درخت کاٹے جا رہے ہوں لیلیٰ سہم گئی میرے کان ان آوازوں پر لگے تھے میں ان آوازوں کی نوعیت سمجھ گیا تھا لیکن اس کی تصدیق کرنا چاہتا تھا لیلیٰ کی شدید مخالفت کے باوجود میں نے اسے تہہ خانہ میں چھوڑا اور فرش کا تختہ آہستہ سے اٹھا کر گردن باہر نکال کر دیکھا اسٹور کا دروازہ چونکہ آدھا کھلا تھا اس لئے باہر سے دن کی روشنی اندر آ رہی تھی اسٹور اور اس کے ساتھ والا کمرہ خالی تھا میں تہہ خانے سے باہر آ گیا تختہ کو فرش کے ساتھ لگایا اور دیوار کے ساتھ لگا دوسرے کمرے میں آ کر ادھر کھلے دروازے میں سے باہر جھانک کر دیکھا

اناروں کے باغ میں دس بارہ سپاہی درختوں کو کاٹ کاٹ کر پھینکتے جا رہے تھے انہوں نے مکان کے احاطے کی کچی دیوار بھی ایک طرف سے گرا دی تھی جہاں سے ایک توپ کی

نالی آسمان کی طرف اٹھی ہوئی تھی میں وہیں سے دبے پاؤں پیچھے مڑ گیا تہہ خانے میں جا کر لیلیٰ کو بتایا کہ جرمن فوجیوں نے مکان کے باغ میں بھی مورچہ بنا لیا ہے اور ایک چھوٹی توپ نصب کر دی ہے لیلیٰ دل پکڑ کر بیٹھ گئی میں نے اسے سب کچھ سچ سچ اس لئے بتایا تھا کہ میں اسے اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہتا تھا تاکہ وہ پوری طرح سے ہر خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہے اب ہم واقعی دشمن کے توپ کے دہانے پر بیٹھے تھے ہمارا تہہ خانے سے نکل کر باہر جانا تقریباً ناممکن لگتا تھا کیونکہ جرمن سپاہی نہ صرف مکان کے چاروں طرف بیٹھے تھے بلکہ اب وہ مکان کے اندر بھی آ گئے تھے میں یہ سچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ اگر انہوں نے باغ میں چھاؤنی ڈال لی تو کہیں ہمارا تہہ خانے سے باہر نکلنا محال نہ ہو جائے ایسی صورت میں مشین گنوں کی گولیوں کا نشانہ بن جاتے۔

ایک فوجی ہونے کی حیثیت سے بھی میں نے حوصلہ نہیں ہارا تھا اگرچہ لیلیٰ کا ساتھ ہونا میرے منصوبے پر شدید اثر انداز ہو سکتا تھا اس کے باوجود میرا ذہن وہاں سے جان بچا کر فرار ہونے کی ترکیبیں سوچ رہا تھا میں نے جان کر تہہ خانے کے اوپر کے اسٹور کا دروازہ کھلا رہنے دیا تھا تاکہ جرمنوں کو یہ شک نہ ہو کہ اندر کوئی چھپا ہوا ہے دوپہر کے بعد اوپر کسی جرمن فوجی کے بھاری جوتوں کی چاپ سنائی دی کوئی فوجی اسٹور میں کچھ دیکھنے آیا تھا اسے پیچھے سے کسی نے جرمن زبان میں آواز دے کر کچھ کہا اسٹور میں موجود فوجی نے جواب میں کچھ کہا پھر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اسٹور سے باہر نکل گیا جتنی دیر تک اسٹور میں رہا لیلیٰ سہمی ہوئی رہی جب فوجی جوتوں کی آواز دوسرے کمرے سے بھی نکل کر باہر برآمدے میں جا کر ختم ہو گئی تو لیلیٰ نے خشک آواز میں کہا۔ ”کیا ہم یہاں سے کبھی باہر نہ نکل سکیں گے؟“

میں نے اس وقت بھی لیلیٰ کو حوصلہ ہی دیا اور کہا کہ خدا ہمارے ساتھ ہے کوئی نہ کوئی سبیل ضرور نکل آئے گی لیکن یہ حقیقت ہے کہ مجھے اس وقت تک کوئی ایسی سبیل نظر نہیں آ رہی تھی کہ ہم میں سے کوئی اب تہہ خانے سے باہر ہی نکل سکے شاید جرمن فوجیوں کو اسٹور سے ملحقہ کمرے کے باتھ روم کا پتہ چل گیا تھا تھوڑی دیر بعد کوئی نہ کوئی سپاہی لمبے لمبے ڈگ بھرتا آ جاتا ہمیں تہہ خانے میں بیٹھے اوپر فرش پر اس کے جوتوں کی بھاری آواز سنائی دیتی تو لیلیٰ سہم جاتی جب تک یہ سپاہی باتھ روم سے نکل کر واپس نہ چلا جاتا لیلیٰ پر ایک ہول سا طاری رہتا اب ہمارے لئے بھی اوپر باتھ روم میں جانا مشکل ہو گیا تھا

دوپہر کے بعد میں نے اور لیلیٰ نے اچار کے ساتھ تھوڑی تھوڑی ڈبل روٹی کھائی اور سرگوشیوں میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے ہم نے یہی طے کیا کہ جب رات گہری ہو جائے گی تب باتھ روم میں جائیں گے وقت ایسے گزر رہا تھا جیسے کوئی زخمی سانپ آہستہ آہستہ ریت پر رینگ رہا ہو ہمارے پاس کوئی گھڑی بھی نہیں تھی ہم صرف اندازے سے کام چلا رہے تھے تہہ خانے میں تو ہر وقت گھپ اندھیرا چھایا رہتا تھا جب ادھر فوجیوں کا آنا جانا رک گیا اور کافی دیر تک ان کے قدموں کے آواز سنائی نہ دی تو ہم نے یہی اندازہ لگایا کہ رات گہری ہو گئی ہے مجھے بھوک بھی لگ رہی تھی لیلیٰ سے کہا کہ میں اوپر جا کر دیکھتا ہوں اور میں سیڑھی کی مدد سے تہہ خانے کی چھت کے پاس آ گیا اوپر وہ تختہ تھا جسے اوپر اٹھا کر مجھے باہر نکلنا تھا میں نے کان لگا دیئے باہر سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی مجھے حوصلہ ہوا اور میں نے دونوں ہاتھوں کی مدد سے نہایت احتیاط اور آہستگی کے سات تختے کو اوپر اٹھا دیا باہر سے تازہ ہوا کا جھونکا میرے چہرے کو چھوتا ہوا گزر گیا اسٹور میں اندھیرا تھا مگر دوسرے کمرے میں باتھ روم کے باہر بیٹری کا چھوٹا لیمپ روشن تھا جس کی روشنی دوسرے کمرے تک ہی محدود تھی میں نے تختے کو الگ کر کے فرش پر آہستہ سے رکھ دیا اور گردن آگے بڑھا کر دوسرے کمرے میں دیکھا باتھ روم کا دروازہ بند تھا اس کے باہر ایک لکڑی کے چھوٹے کھوکھے پر بیٹری سے جلنے والا چھوٹا لیمپ رکھا تھا اس کی تھوڑی سی روشنی سامنے برآمدے میں پڑ رہی تھی برآمدہ خالی تھا آگے اناروں والا باغ تھا جس کے آدھے سے زیادہ درخت غائب تھے اس کا اندازہ مجھے یوں ہوا کہ باغ کے درمیان میں درختوں کے سیاہ دھبے نظر نہیں آ رہے تھے صرف دور جہاں کوٹھری بنی ہوئی تھی وہاں کچھ درختوں کے سیاہ دھبے دکھائی دے رہے تھے

میں جلدی سے تہہ خانے کے پاس آ گیا فرش کے شگاف میں منہ ڈال کر نیچی مرگوشی میں لیلیٰ جب تک غسل خانے میں رہی میرا اوپر کا سانس اوپر ہی رہا دوسرے کمرے کے دروازے کی اوٹ میں کھڑا میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے برآمدے میں دیکھتا رہا ہر لمحے یہی دھڑکا لگا رہا کہ کوئی جرمن فوجی اچانک وہاں نمودار نہ ہو جائے اگر اس وقت کوئی جرمن سپاہی آ جاتا تو نہ جانے کیا ہو جاتا میں تو مرنے مارنے پر تلا کھڑا تھا لیلیٰ کی جان اور عزت بچانے کی خاطر میں اپنی ایک جان تو کیا ایسی ہزار دس جانیں قربان کر سکتا تھا لیکن خدا کا کرم رہا

که وہاں کوئی جرمن نہ آیا لیلیٰ آہستہ سے دروازہ کھول کر باتھ روم سے باہر نکل آئی میں نے خدا کا شکر ادا کیا وہ کچن سے مزید ڈبل روٹی اور پانی لانا چاہتی تھی مگر میں نے زبردستی اسے تہہ خانے میں اتار دیا اوپر سے تختہ لگایا اور خود باتھ روم کی طرف بڑھا باتھ روم میں جب تک رہا کان باہر ہی لگے رہے باتھ روم سے نکل کر پنجوں کے بل دوڑ کر کمرے کو عبور کیا اور کچن کی طرف چلا گیا کچن میں سوائے ڈبل روٹی اور اچار کے مرتبان کے کھانے کی اور کوئی شے نہیں تھی پانی کا بڑا مٹکا ابھی تک بھرا ہوا تھا اندھیرے میں تلاش کر کے ڈبل روٹی نکالی مرتبان میں سے اچار نکال کر جیب میں رکھا اور مٹکے میں سے پانی کا بڑا جگ بھرا اور کچن سے اسٹور روم کی طرف بھاگا یہ سب کچھ ایک عجیب اتفاق اور خیریت کے ساتھ انجام پا گیا لیکن میں جانتا تھا کہ یہ اتفاق زیادہ نہ چل سکے گا ہم آج نہیں تو کل ضرور پکڑے جائیں گے ساری رات تہہ خانے میں پریشانی کے عالم میں گزر گئی باہر کی آوازوں اور سپاہیوں کے قدموں کی بار بار باتھ روم کی طرف آتی جاتی آوازوں سے ہم نے اندازہ لگایا کہ دن نکل آیا ہے آہستہ آہستہ یہ آوازیں بند ہو گئیں لیلیٰ سہمی بیٹھی تھی میں نے اسے کہا کہ وہ رات بھر کی جاگی ہے تھوڑی دیر آرام کرے۔ لیلیٰ نے سرد آہ بھری اور سرگوشی میں کہا۔

"جلال! ہم پکڑے جائیں گے۔ وعدہ کرو تم میرے ساتھ رہو گے"

میری روح کو گہری تسکین ملی کیونکہ اس لمحے لیلیٰ نے اپنے چچازاد عبید کو یاد نہیں کیا تھا میں نے لیلیٰ سے کہا۔ "لیلیٰ! جب تک میں زندہ ہوں تم پر آنچ تک نہیں آنے دوں گا۔"

لیلیٰ میرے پاس ہی زمین پر لیٹ گئی میں گھٹنوں پر کہنیاں ٹکائے دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھا سوچ رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے کہ دوسرے کمرے میں بھاری بوٹوں کی چاپ بلند ہوئی میں نے خاص توجہ نہ دی میرا خیال تھا کہ سپاہی غسل خانے میں جانے کے لئے آئے ہوں گے لیکن بوٹوں کی آواز دوسرے کمرے سے ہو کر ہمارے تہہ خانے کے اوپر چھت پر آ گئی میں ایک دم سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا دو فوجی فرمن زبان میں باتیں کرنے لگے میں کچھ نہ سمجھ سکا پھر ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے کوئی لکڑے کے فرش کو چھڑی مار کر دیکھ رہا ہے۔ میرا دل حلق کے قریب آ کر دھڑکنے لگا کیا انہیں تہہ خانے کا پتہ چل گیا ہے؟ لیلیٰ گہری نیند سو رہی تھی۔



چھت پر بھاری بوٹوں کی آوازیں ابھی تک آ رہی تھیں۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے جرمن توپخانے کے فوجی اس کمرے کی مزید تلاشی لے رہے ہیں۔ کہیں وہ تہہ خانے میں اترنے والے راستے کی کھوج میں تو نہیں تھے؟ یہ سوال مجھے پریشان کر رہا تھا۔ اگر انہیں فرش پر وہ چوکھٹا نظر آ گیا جہاں سے نیچے تہہ خانے میں اترا جاتا ہی تو پھر مجھے اور لیلیٰ کو جرمن سپاہیوں سے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔ لیلیٰ میرے قریب ہی فرش پر کمبل اوڑھے گہری نیند سو رہی تھی۔ میری کان اوپر آوازوں پر لگے تھے۔ جرمن فوجی اپنی زبان میں کچھ باتیں بھی کر رہے تھے۔ پھر ان کے قدموں کی آواز کمرے سے باہر نکل گئی میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ لیکن یہ حقیقت واضح ہو گئی تھی کہ اب ہمارا اس تہہ خانے میں چھپے رہنا کسی بھی خطرناک حادثے کا باعث ہو سکتا ہے۔ چنانچہ میں نے اسی رات وہاں سے نکل بھاگنے کا فیصلہ کر لیا۔

اگرچہ یہ کام اتنا آسان نہیں تھا۔ جرمن فوجی ہمارے سر پر بیٹھے تھے لیکن ہم بھی موت کے منہ میں تھے اور موت کا بے رحم جبڑا کسی بھی لمحے ہم دونوں کو نگل سکتا تھا۔ اوپر سے آوازیں آنا بند ہو گئی تھیں۔ لیلیٰ نے پہلو بدلا اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔ تہہ خانے کے اندھیرے کی ہماری آنکھیں اب عادی ہو چکی تھیں اور ہم ایک دوسرے کے دھندلے دھندلے چہرے دیکھ سکتے تھے۔ جب میں اسے بتایا کہ تھوڑی دیر پہلے اوپر والے کمرے میں جرمن فوجی تلاشی لے رہے تھے اور شاید وہ تہہ خانے کا راستہ ڈھونڈنے کی کوشش کر رہے تھی تو لیلیٰ نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ اس کا ہاتھ خوف کے مارے ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ کہنے لگی۔

"ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے ہم پکڑے جائیں گے۔" میں اسے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ "ہم آج رات یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کریں گے۔ آگے اللہ مالک ہے۔"

دن ایک عجیب پریشانی کی عالم میں گزر گیا اور باتھ روم میں جرمن فوجیوں کے آنے جانے اور ان کے بھاری بوٹوں کی آواز سے ہم نے اندازہ لگایا کہ شام ہو گئی ہو گی۔ ہمیں بھوک بھی لگ رہی تھی۔ میں نے لیلیٰ کو اپنا منصوبہ بتایا تو وہ سرگوشی میں بولی۔ "مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ ہم پکڑے جائیں گے۔"

میں اس کا چاند ایسا چہرا اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور اسے بڑے محبت اور اعتماد کے ساتھ سمجھایا کہ اسے حوصلے اور جرات سے کام لینا ہو گا۔ ہمارے سامنے دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں ایک ایک ساعت شمار کر رہا تھا۔ ہم نے تھوڑی سی ڈبل روٹی اچار کے ساتھ کھائی۔ پانی پیا اور رات کا اندھیرا چھا جانے کا انتظار کرنے لگے کچھ وقت تک تو اوپر والے باتھ روم میں فوجیوں کے آنے جانے کا سلسلہ شروع رہا۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ گہری خاموشی چھا گئی۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ رات گہری ہونے لگی ہے۔ میں نے مزید انتظار کرنے کا فیصلہ کیا۔ میرے حساب سے جب مزید ایک گھنٹہ گزر گیا اور اوپر سے آنے والی آوازیں بھی مکمل طور پر بند ہو گئیں تو میں نے لیلیٰ کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر اس کے کان کے قریب منہ کر کے کہا۔ "اب ہمیں انتہائی اعتماد اور بہادری سے کام لینا ہو گا۔ مجھے اپنے اللہ پر بھروسہ ہے۔ میرا دل کہتا ہے کہ ہم اس جہنم سے نکل جانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ میں اوپر کا جائزہ لے کر آتا ہوں۔"

میں نے سیڑھی لگائی چھت کے چوکھٹے کے پاس آ کر ایک بار پھر ہمہ تن گوش ہو کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ کہیں اوپر کوئی جرمن فوجی تو نہیں ہے۔ اوپر والے کمرے گہری خاموشی تھی۔ میں نے اللہ کا نام لے کر آہستہ سے چھت کی لکڑی کے چوکھٹے کو دونوں ہاتھوں کے دباؤ سے ذرا سا اوپر اٹھایا سب سے پہلے تازہ ہوا کے جھونکا میرے ماتھے سے ٹکرایا۔ پھر دوسرے کمرے والے باتھ روم کے باہر لیمپ کی دھیمی دھیمی روشنی نظر آئی۔ میں نے چوکھٹا اوپر اٹھا کر اسٹور روم کا بھرپور جائزہ لیا اسٹور روم خالی تھا۔ ایک کرسی کونے میں الٹی پڑی تھی اسٹور روم کا دروازہ کھلا تھا دوسرے کمرے میں بھی کوئی نہیں تھا۔

میں باہر نکل آیا۔ چوکھٹے کو فوراً فرش پر جما کر برابر کر دیا اور اسٹور روم کے دروازے کی اوٹ میں سے دوسرے کمرے میں نگاہ ڈالی۔ دوسرا کمرہ بھی خالی تھا۔ باتھ روم کے باہر کھونٹے پر لیمپ روشن تھا۔ اس کی روشنی بمشکل باہر والے برآمدے تک پہنچ رہی تھی میں پاؤں سمیٹ کر چلتا دوسرے کمرے میں سے گزر کر کچن کی طرف بڑھا کچن میں اندھیرا تھا۔ ہمارا پروگرام کچن کی پچھلی کھڑکی سے فرار ہونے کا تھا۔ باغیچے میں جرمن فوجیوں کا مورچہ تھا۔ دو توپیں بھی لگی تھیں مگر ادھر کوئی آواز نہیں تھی۔ خطرہ یہ تھا کہ کہیں باورچی خانے میں کوئی جرمن فوجی نہ سو رہا ہو۔ میں دبے پاؤں جھک کر چل رہا تھا۔

کچن کے دروازے کو آہستہ سے کھول دیا۔ میں نے دروازے کو اتنی آہستگی سے کھولا تھا کہ جیسے مجھے خطرہ ہو کہ کوئی بارودی سرنگ نہ پھٹ جائے۔ ڈر یہی تھا کہ اگر دروازہ ذرا سا بھی چرچرایا تو کوئی نہ کوئی جرمن فوجی رائفل تھامے ضرور آ جائے گا۔ لیکن اللہ کا شکر رہا کہ نہایت آہستگی سے دروازہ کھلنے کی وجہ سے بالکل نہ چرچرایا۔ میں نے دروازے کو صرف اتنا ہی کھولا تھا کہ ایک آدمی اندر داخل ہو سکے۔ کچن میں اندھیرا تھا مگر مجھے معلوم تھا کہ اس کی عقبی کھڑکی کدھر ہے۔ اب یہ پریشانی لاحق ہوئی کہ کہیں کھڑکی کے باہر بھی کوئی جرمن سپاہی موجود نہ ہو۔

کھڑکی کی کنڈی میں نے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر کھولی۔ پھر اس کا ایک پٹ باہر کی طرف دھکیلا باہر اندھیرا ضرور تھا مگر آسمان پر جو ستارے چمک رہے تھے ان کی وجہ سے صحرائی رات میں دھندلی دھندلی روشنی ہو رہی تھی۔ دوسری طرف کوئی سپاہی نہیں تھا۔ میں نے کھڑکی کے پٹ کو کھلا رہنے دیا۔ اور کچن میں جتنی احتیاط سے داخل ہوا تھا اس سے زیادہ محتاط ہو کر باہر نکلا پھر برآمدے کی طرف گھوم کر دیکھا۔ ان اناروں والے باغ میں ستاروں کی پھیکی روشنی میں مجھے کچھ نظر نہ آیا۔ توپ دوسری طرف مکان کی دیوار کے ساتھ نصب تھی۔ باتھ روم والا کمرہ بھی اسی طرح خالی تھا۔ میں دبے پاؤں چلتا اسٹور روم میں آ گیا اور فرش کا چوکھٹا اٹھایا اور منہ شگاف میں ڈال کر سرگوشی میں لیلیٰ کو اوپر آنے کے لئے کہا۔

لیلیٰ نے اندھیرے میں سیڑھی لگا دی۔ پھر وہ بھی تہہ خانے سے باہر نکل آئی۔ میں نے اشاروں میں اسے بتایا کہ وہ میرے پیچھے پیچھے کچن کی طرف آئے۔ لیلیٰ کا دل بڑی زور سے دھڑک رہا تھا اور اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ میں نے اس کے بازو کو دباتے ہوئے حوصلے سے کام لینے کا اشارہ دیا اور جھک کر کچن کی طرف بڑھا۔ میں کسی خوف زدہ چوہے کی طرح تیزی سے کچن میں داخل ہو گیا۔ کچن میں آتے ہی میں بیٹھ گیا اور پلٹ کر دیکھا لیلیٰ بھی جھکی جھکی میرے نقش قدم پر چلی آ رہی تھی۔ جونہی وہ کچن میں آئی میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر برآمدے کی طرف دیکھا مکان کے باہر کسی جرمن سپاہی نے بلند آواز میں اپنے ساتھی سے کچھ کہا۔ پھر اس کے ساتھی کے قہقہے کی آواز سنائی دی۔ میں اور لیلیٰ وہیں سہم کر بیٹھے رہے۔ تھوڑی دیر بعد جب دوبارہ فضا خاموش ہو گئی تو میں نے لیلیٰ کو بازو سے پکڑا اور

قدم قدم چلتا کچن کی کھڑکی کے پاس آگیا۔ ایک بار پھر میں نے کھڑکی سے باہر دیکھا چمکتے ستاروں والی دھندلی رات میں ریت کے ٹیلے ساکت تھے۔ مکان کا پچھواڑا تھا۔ مکان کے احاطے میں کھجور کے درخت تک خالی تھی وہاں کوئی نہیں تھا۔

پہلے میں کھڑکی میں سے باہر شبنمی ریت پر کود گیا۔ اس کے بعد لیلیٰ کو سہارا دے کر میں نے نیچے اتار لیا۔ باہر آتے ہی ہم ریت پر سامنے کی طرف جدھر ایک چھوٹا سا ٹیلہ تھا ادھر دوڑ پڑے ریت کے ٹیلے پر آتے ہی ہم بیٹھ گئے ہمارے سانس پھول گئے تھے۔ اس میں جرمن فوجیوں کا خوف بھی شامل تھا میں نے پلٹ کر پیچھے لیلیٰ کے مکان کی طرف دیکھا وہاں کوئی نقل و حرکت دکھائی نہ دی۔ جرمن توپخانے کا مورچہ مکان کی دوسری طرف تھا۔ یہاں سے ہمیں مکان کا صدر دروازہ بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ وہاں ٹھہرنا خطرناک ہو سکتا تھا۔ میں نے لیلیٰ کا بازو ذرا سا دبایا اور ٹیلے کی دوسری طرف لڑھک گیا۔ لیلیٰ نے بھی ایسا ہی کیا۔ ٹیلے کی دوسری طرف آتے ہی ہم نے بھاگنا شروع کر دیا۔ ہمارا رخ شہر کی طرف نہیں بلکہ کھلے صحرا کی طرف تھا۔ جتنی دیر تک ہمت نے ساتھ دیا ہم بھاگتے ہی چلے گئے ریت پر زیادہ تیزی سے بھاگا بھی نہیں جا رہا تھا۔ پھر بھی ہم کہیں نہ رکے۔ اور دوڑتے چلے گئے۔ بہت جلد صحرائی رات کے نیم اندھیرے نے ہمیں اپنی آغوش میں چھپا لیا۔ لیلیٰ دوڑتے دوڑتے تھک گئی تھی۔ اب اس میں دوڑنے کی ہمت نہیں رہی تھی۔ وہ ہانپتے ہوئے ریت پر بیٹھ گئی۔ میں بھی وہیں بیٹھ گیا میری نظریں پیچھے اندھیرے میں لگی ہوئی تھیں میں نے ہانپتے ہوئے لیلیٰ سے کہا کہ میں زیادہ دیر یہاں نہیں رکنا چاہئے یہاں سے جتنی جلدی اور جتنی دور نکل سکتے ہیں ہمیں نکل جانا چاہئے۔ صورت حال کی سنگینی کا لیلیٰ کو بھی احساس تھا۔ اس نے لمبے لمبے سانس لے کر اپنے آپ کو سنبھالا دیا اور ہم ایک بار پھر دوڑنے لگے۔

آگے چھوٹے چھوٹے ریت کے ٹیلوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ ان ٹیلوں کے پیچھے وہ صحرائی راستہ ہے جو یہاں سے سلون گاؤں کی طرف جاتا ہے۔ ہماری منزل سلون گاؤں ہی تھی۔ خطرہ ابھی تک ہمارے سروں پر منڈلا رہا تھا کیونکہ کوئی بھی جرمن پٹرول پارٹی کسی جگہ ہمیں مل سکتی تھی۔ مگر خدا کا فضل شامل حال رہا اور ہم ریت کے ٹیلوں سے نکل گئے۔ یہ صحرا میرا دیکھا بھالا تھا ہم بہت جلد اس صحرائی راستے پر آگئے جو ستاروں کی دھندلی روشنی میں ریت کے ٹیلوں میں بل کھاتا وہاں سے سلون گاؤں کی طرف

چلا گیا تھا۔ اب ہم قدم قدم چلنے لگے۔ میں نے لیلیٰ سے کہا۔ "ہم بہت حد تک خطرے کی حدود سے نکل آئے ہیں۔ وہاں جرمن مورچے کے قریب پکڑے جاتے تو ہم پر برطانوی جاسوس ہونے کا شک کیا جا سکتا تھا۔ لیکن اب ہم صحرائی راستے پر ہیں۔ یاد رکھنا اگر بدقسمتی سے کوئی جرمن پٹرول پارٹی مل گئی تو ہم نے اپنا آپ کو میاں بیوی ظاہر کرنا اور یہ کہنا ہے کہ ہم سرسے نکل کر سلون گاؤں اپنے ماں باپ کے پاس جا رہے ہیں۔" لیلیٰ کا خوف کافی حد تک دور ہو گیا تھا۔ پھر بھی وہ بار بار پیچھے دیکھ لیتی تھی۔ میری ہدایات سن کر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ شہر میں بلیک آؤٹ تھا اور وہ ہمارے بائیں جانب کافی پیچھے رہ گیا تھا بن غازی شہر سے سلون گاؤں کا سفر کافی لمبا تھا اور اگر ہم ساری رات بھی چلتے رہتے تو وہاں نہیں پہنچ سکتے تھے۔ میں نے دل میں یہ سوچ رکھا تھا کہ جرمن فوجی چوکی سے جتنا دور نکل سکتے ہیں نکل جائیں آگے جا کر محفوظ جگہ پر چھپ کر رات گزار لیں گے۔ ہو سکتا ہے دن کے وقت ہمیں کوئی شتر سوار مل جائے یا کوئی دوسری سبیل پیدا ہو جائے۔ ایک بات طے تھی کہ ہم پیدل سلون تک نہیں جا سکتے تھے۔ چلتے چلتے ہم نے کافی فاصلہ طے کر لیا۔

اب ہمارے پیچھے ریت کے ٹیلے کافی دور رہ گئے تھے۔ سامنے ستاروں کی ہلکی نیلی روشنی میں صحرا دور تک پھیلتا چلا گیا تھا۔ ہم ایک بڑے خطرناک مرحلے سے نکل آئے تھے۔ میں دل میں خدا کا شکر ادا کر رہا تھا۔ اب میں کسی ایسے محفوظ ٹھکانے کی تلاش میں تھا جہاں ہم رات کا باقی حصہ گزار سکیں۔ صحرا میں ایسی کوئی جگہ نظر نہیں تھی ریت کے ٹیلے بھی ہمارا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ ایک جگہ ریتیلے میدان میں اچانک نشیب آگیا۔ یہاں صحرا میں ایک کافی چوڑا گڑھا تھا۔ میں نے لیلیٰ سے کہا کہ اس گڑھے میں ہمیں باقی رات بسر کرنی ہو گی۔ لیلیٰ چلتے رہنے پر مصر تھی۔ مگر میں جانتا تھا کہ وہ بہت جلد تھک جائے گی اور ممکن ہے آگے ہمیں ایسا محفوظ ٹھکانہ نہ مل سکے چنانچہ میں لیلیٰ کو ساتھ لے کر گڑھے میں اتر گیا ایک جگہ گڑھے کے اندر چھوٹا سا گڑھا اور تھا جس کے اوپر ریت کی دیوار ذرا آگے آگئی تھی۔ ہم دونوں اس گڑھے میں گھس کر بیٹھ گئے۔ میں نے اپنی نسواری چادر اتار کر ریت پر بچھا دی اور لیلیٰ سے کہا کہ وہ آرام کرے۔

صحرا میں کافی ٹھنڈ تھی۔ کسی نہ کسی طرح ہمیں نیند آگئی۔ جب میری آنکھ کھلی تو صحرا میں دھوپ چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ لیلیٰ آدھی چادر اوپر کئے ابھی تک سو رہی تھی۔

ہم جس افراتفری میں بھاگے تھے پانی کا مشکیزہ بھی ساتھ نہ لاسکے تھے۔ مجھے یاد تھا کہ اس راستے میں ہمیں پانی کی ضرورت پڑے گی۔ مجھے یاد تھا کہ اس راستے میں ایک جگہ چھوٹا سا پانی کا چشمہ ہے۔ میں نے سوچا کہ جب تک لیلیٰ سو رہی ہے میں پانی کے چشمے کو تلاش کرتا ہوں۔ سورج کو نکلے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی اور صحرا نے ابھی شدت سے تپنا شروع نہیں کیا تھا میں ریت کے گڑھے سے نکلا اور سامنے کی طرف اپنی یادداشت کے سہارے چلنے لگا۔ میرے سامنے ساٹھ ستر قدموں کے فاصلے پر ایک اونچا ریت کا ٹیلا تھا۔ میرا خیال تھا کہ چشمہ اسی ٹیلے کے آس پاس کہیں موجود ہے۔ سلون کو جانے والا چھوٹا سا راستہ ہمارے گڑھے کے پہلو سے کافی ہٹ کر تھا۔ میں ٹیلے کی طرف چلنے لگا رات کی سردی کے بعد سورج کی اولین نیم گرم کرنیں بڑی خوشگوار لگ رہی تھیں۔

میں ریت کے ٹیلے سے ابھی چند قدموں کے فاصلے پر ہی تھا کہ اچانک چار جرمنی فوجی ٹیلے کے پیچھے سے نمودار ہوئے انہوں نے مجھے دیکھا تو میری طرف رائفلیں تان لیں۔ ایک سپاہی نے جرمن زبان میں کچھ کہا میں اس صورت حال کے لئے تیار نہیں تھا ہکا بکا ہو کر ان کی شکلیں تکنے لگا۔ جرمن فوجی دوڑ کے میرے پاس آگئے اور انہوں نے مجھے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ ایک فوجی نے رائفل کی نالی میری پسلیوں میں زور سے چبھوئی اور ٹوٹی پھوٹی عربی زبان میں ہاتھ کھڑے کرنے کا حکم دیا۔ میں نے ہاتھ کھڑے کر دیئے۔ ان فوجیوں میں صرف ایک فوجی تھوڑی بہت عربی جانتا تھا میں نے تیز تیز آواز میں کہنا شروع کیا کہ میں بدو ہوں' سلون گاؤں سے شہر آرہا تھا میرا اونٹ ایک آدمی چھین کرلے گیا۔ ایک جرمن فوجی نے زور سے میرے منہ پر ایک تھپڑ مارا اور اپنی زبان میں خدا جانے کیا کہا۔ جو فوجی عربی جانتا تھا اس نے رائفل کی نالی میری گردن سے لگائی اور مجھے ٹیلے کی طرف چلنے کا حکم دیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ انہیں لیلیٰ کا علم ہو۔ میں نے انہیں لیلیٰ کے بارے میں کچھ بتایا بھی نہیں تھا۔ میں تو مصیبت میں پھنس گیا تھا۔ اب لیلیٰ کو ان فوجیوں سے بچانا چاہتا تھا۔ میں جلدی جلدی ٹیلے کی طرف دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے چلنے لگا۔

ٹیلے کے پیچھے ان فوجیوں کا ایک ٹرک کھڑا تھا۔ خدا جانے وہ رات کے گشت سے واپس جا رہے تھے یا کسی اور کام کو نکلے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ انہیں میرے بیان پر یقین نہیں آیا۔ ٹرک کے پاس لے جا کر انہوں نے میری تلاشی لی۔ کوئی قابل شبہ چیز برآمد نہ

ہو سکی۔ اس کے باوجود عربی زبان بولنے والے جرمن فوجی کو خدا جانے کیوں مجھ پر شک ہو گیا تھا کہ میرا تعلق اتحادی فوجوں کے عرب جاسوسوں سے ہے۔ اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسی ٹوٹی پھوٹی عربی میں پوچھا کہ میرے ساتھ اور کون کون ہے اور میں جرمن توپ خانے کی بڑی چوکی کے پاس کیوں آیا ہوں؟ تب مجھے علم ہوا کہ قریب ہی جرمن آرٹلری کی چھ سات بھاری توپیں لگی ہوئی تھیں۔ میں نے ایک بار پھر بلند آواز میں کہا کہ میں اکیلا ہوں۔ میرا اونٹ ایک شخص چھین کرلے گیا ہے۔ میں اسی کی تلاش میں ادھر پھر رہا تھا۔

جرمن فوجیوں نے مجھے ٹرک میں دھکیل دیا۔ دو فوجی کود کر میرے سامنے ٹرک میں بیٹھ گئے۔ انہوں نے رائفلوں کی نالیاں میری طرف کر رکھی تھیں جیسے ذرا سے اشارے پر مجھے شوٹ کرنے کے لئے بالکل تیار تھے۔ چند لمحوں کے اندر اندر حالات نے انتہائی صورت اختیار کر لی۔ ایک بات کی مجھے تسلی تھی کہ کم از کم لیلیٰ میری ساتھ نہیں تھی۔ اب دل میں صرف ایک ہی دعا مانگ رہا تھا کہ یہ ٹرک اس گڑھے کی طرف نہ جائے جہاں لیلیٰ سو رہی ہے۔ مجھے دھڑکا بھی لگا تھا کہ کہیں لیلیٰ جاگ نہ پڑی ہو اور گڑھے سے باہر نکل کر میری تلاش میں نہ گھوم رہی ہو۔ ٹرک گڑھے سے ذرا ہٹ کر ریت پر روانہ ہو گیا۔ میں نے گڑھے کی طرف نگاہ ڈالی۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا لیلیٰ وہاں مجھے کہیں نظر نہ آئی۔ گڑھا جب آیا تو میرا دل زور سے دھڑکنے لگا میں نے سر اٹھا کر ایک بار پھر گڑھے کے نشیب والی جگہ کو دیکھا لیلیٰ وہاں نظر نہیں آرہی تھی۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ مجھے خوشی تھی کہ میں نے لیلیٰ کو خطرے سے باہر کر دیا ہے اور اب وہ کسی نہ کسی طرح سلون گاؤں اپنی خادمہ کے گھر پہنچ جائے گی۔ مجھے تو اب مصیبتیں جھیلنا ہی تھیں۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ کم از کم لیلیٰ جرمنوں کی قید سے محفوظ ہو گئی تھی۔ اگر وہ میرے ساتھ ہوتی تو خدا جانے جرمن اس کے ساتھ کس درندگی کا سلوک کرتے۔

فوجی ٹرک بڑی تیز رفتاری سے صحرا کی دھوپ میں چلا جا رہا تھا۔ ٹرک کا رخ اناروں والے باغ کی چوکی کی بجائے بن غازی شہر کی طرف تھا۔ ٹرک شہر کے قریب پہنچا تو میں ایک بار پھر اپنی بے گناہی کا واویلا مچانے کی کوشش کی جس کے جواب میں تیسرے فوجی نے مجھے گردن سے دبوچ کر زور سے جھٹکے دیئے اور اپنے ساتھی کو جرمن زبان میں کچھ کہا۔ اس

نے رائفل کاندھے سے لٹکائی اور ٹرک کی نشست کے نیچے سے رسی نکالی اور میرے دونوں ہاتھ میری پشت کے پیچھے لے جاکر سختی سے کس کر باندھ دیئے۔ میں سمجھ گیا کہ اب ان لوگوں سے جان بچانا مشکل ہے۔ لیکن یہ خیال میرے دل کو پر سکون کئے ہوئے تھا کہ لیلیٰ ایک بہت بڑے عذاب سے محفوظ ہو گئی ہے۔ دشمن فوجیوں کے ہاتھوں کسی شہری کا عام قیدی بن جانا کوئی تشویش ناک بات نہیں ہوتی لیکن جب دشمن کو کسی پر جاسوس ہونے کا شبہ ہو جائے تو پھر اس کی جان مشکل ہی سے بچتی ہے۔ اور خاص طور پر اگر یہ شک کسی عورت پر ہو جائے تو پھر اس کے ساتھ دشمن جو وحشیانہ اور درندہ صفت سلوک کرتا ہے اس کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بن غازی شہر ابھی تک تباہی کا نقشہ پیش کر رہا تھا بہت کم شہری لوگ چلتے پھرتے نظر آرہے تھے۔ ہر طرف جرمن اور اطالوی فوجی تیز تیز چلتے دکھائی دے رہے تھے۔ ٹرک شہر کی بڑی سڑک پر سے گزر کر بن غازی کی بندرگاہ کے قریب نیول ہیڈ کوارٹر کے پاس رک گیا۔ مجھے ٹرک سے اتار آگیا یہاں مجھے کوارٹر گارڈ میں بند کر دیا گیا۔ باہر ایک اطالوی سپاہی پہرے پر تھا۔ میں نے اس کے آگے بھی پنی بے گناہی کا رونا رویا۔ میں جان بوجھ کر ایسا کر رہا تھا تاکہ ان میں سے کسی کو یہ شک نہ ہو کہ میں اصل میں لیبیا کا رہنے والا نہیں ہوں اور میرا تعلق انڈین آرمی سے ہے اور میں ایک قاتل بھگوڑا انڈین فوجی ہوں۔ اطالوی فوجی نے مجھے گھور کر دیکھا اور پھر اپنی زبان میں جھڑک کر چپ کرا دیا۔

دو گھنٹے تک میں کوارٹر گارڈ میں پڑا رہا دل میں بار بار یہی خیال آتا کہ لیلیٰ کی جب آنکھ کھلی ہو گی اور اس نے مجھے اپنے قریب نہیں پایا ہو گا تو ضرور گڑھے سے نکل کر مجھے تلاش کرنے لگی ہو گی خدا نہ کرے کہ وہ کسی دوسری جرمن پٹرول پارٹی کے ہتھے چڑھ گئی ہو۔ خدا کرے کہ وہ وہاں سے سیدھی سلون گاؤں کی جانب روانہ ہو گئی ہو۔ لیکن وہ کیا سوچ رہی ہو گی کہ میں اچانک کہاں اور کیسے غائب ہو گیا ہوں۔ اتنے میں چار جرمن مسلح فوجی آئے اور مجھے کوارٹر گارڈ سے نکال کر ایک کمرے میں لے گئے جہاں ایک نیلی آنکھوں اور چھوٹی چھوٹی مونچھوں والا جرمن فوجی افسر میز کے پیچھے اونچی پشت والی کرسی پر بیٹھا پائپ سلگا رہا تھا۔ فوجی مجھے اس کے سامنے پیش کر کے دو قدم پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ میرے ہاتھ اب پشت پر بندھے ہوئے نہیں تھے۔ میں نے دیکھا جرمن افسر کے کاندھوں پر بریگیڈیئر نشان تھا۔ پائپ سلگانے کے بعد اس نے بجھی ہوئی تیلی ایش ٹرے میں بڑے سلیقے سے ڈالا

اور ہلکا سا کش لگایا پھر منہ اور ناک سے دھواں نکالتے ہوئے میری طرف ایک بار پھر گھور کر دیکھا۔ اس نے بڑی صاف عربی زبان میں مجھ سے پوچھا۔ "یہاں تمہارے دوسرے ساتھی کہاں پر ہیں؟"

میرا دل بیٹھ سا گیا۔ کم بخت ان لوگوں نے واقعی مجھے اتحادیوں کا جاسوس سمجھ لیا تھا۔ میں نے وہی بیان دہرایا جو میں نے جرمن فوجیوں کو دیا تھا۔ جرمن افسر خاموشی سے پائپ کے ہلکے ہلکے کش لگاتا رہا۔ اس کی نیلی آنکھیں میری چہرے پر جمی تھیں۔ پھر اس نے جرمن سپاہیوں کو ہاتھ سے اشارہ کیا۔ جرمن فوجیوں نے رائفل کی نوک پر مجھے اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ اب وہ مجھے ایک ایسے چھوٹے کمرے میں لے گئے جہاں لوہے کی ایک میز رکھی تھی۔ اس میز کے سرہانے اور پائنتی کی جانب دو اونچے کھنبے تھے جن کے ساتھ موٹی مضبوط رسیاں لٹک رہی تھیں۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ میرے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے۔ یہ ٹارچر روم تھا اور تھوڑی ہی دیر میں تشدد کا عمل شروع ہو گیا۔ میرے دونوں ٹخنے اور دونوں بازو رسیوں سے باندھ دیئے گئے اور پھر انہیں دونوں جانب سے آہستہ آہستہ کھینچا جانے لگا۔ مجھے ایسا لگا جیسے میں سڑک کوٹنے والے انجن کے نیچے آگیا ہوں اور بری طرح پس رہا ہوں۔ میری چیخیں نکل گئیں۔ رسیاں ڈھیلی کر دی گئیں جرمن فوجی میرے سامنے آگیا اس نے عربی زبان میں مجھ سے پوچھا کہ میری دوسرے ساتھی بن غازی میں کہاں چھپے ہوئے ہیں۔ میں کیا بتاتا۔ میرے پاس ان کے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اتنا مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ اگر میں ان کے آگے جھوٹ بولتے ہوئے یونہی اپنے گمنام ساتھیوں کے کسی جعلی ٹھکانے کا پتہ دیا تو یہ ایک طرح سے اعتراف ہو گا کہ میں واقعی اتحادیوں کا جاسوس ہوں اور جرمن مجھے بڑی آسانی سے فائرنگ اسکواڈ کے سامنے کھڑا کر کے شوٹ کر دیں گے۔ میں اس بھیانک موت سے بچنا چاہتا تھا اور میں نے افسر کو وہی بیان دیا کہ میں اتحادیوں کا جاسوس نہیں ہوں میں بدو ہوں' میرا نام عادل ہے۔

ایک بار پھر تشدد کا عمل شروع ہو گیا۔ درد کی شدت سے میں بے ہوش ہو گیا۔ مجھے ہوش میں لایا گیا اور اب تشدد کا دوسرا مرحلہ شروع ہوا۔ مجھے رسیوں سے لوہے کی میز پر جکڑ دیا گیا اور میرا پیٹ ننگا کر کے میری جسم کے نازک حصوں کو جلتے سگریٹ سے داغا جانے لگا۔ یہ عذاب بھی ناقابل برداشت تھا بار بار میری چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔ یہ سلسلہ ایک

گھنٹہ تک جاری رہا۔ جب میں نے "اعتراف" نہ کیا اور درد سے میرا برا حال ہو گیا اور میں نیم بے ہوش سا ہو گیا تو مجھے وہیں ایک کوٹھری میں بند کر دیا گیا۔ شام کو مجھے ایک زیر تعمیر عمارت کی دوسری میں لے جایا گیا جس کی ایک طرف کھلا میدان تھا۔ وہاں فوجی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ اس میدان کے پیچھے بحیرہ روم کا سمندر تھا اور سائیڈ کی گودی میں کچھ جنگی جہاز کھڑے تھے جن پر پھریرے لہرا رہے تھے۔ یہاں مجھے لوہے کی ایک کرسی پر بٹھا کر تاروں سے میرے بازو اور ٹانگیں باندھ دی گئیں۔ یہاں وہی جرمن برگیڈیئر آ گیا۔ اس نے مجھ سے عربی میں کہا۔ "ابھی وقت ہے۔ اگر تم ہمیں اپنے ساتھیوں کے نام بتا دو تو ہم تمہیں آزاد کر دیں گے اور تمہیں انعام بھی دیں گے۔"

میں نے جواب دیا کہ میرا کوئی ساتھی نہیں۔ میں تو ایک غریب ساربان ہوں۔ بار برداری کا کام کرتا تھا کہ ایک شخص میرا اونٹ چھین کر لے گیا۔ میں تو اس کی تلاش میں پھر رہا تھا کہ آپ کے آدمیوں نے مجھے پکڑ لیا۔ جرمن برگیڈیئر نے اپنے پیچھے کھڑے آدمی کو اشارہ کیا۔ اس نے میری کرسی کے ساتھ تار لگا دیا اور دیوار پر لگا بٹن دبا دیا۔ مجھے بجلی کا ایک شدید جھٹکا لگا اور میری ہڈیاں تک سن ہو گئیں۔ وقفے وقفے سے مجھے بجلی کے جھٹکے لگتے رہے اور میں انہیں برداشت کرنے کی کوشش کرتا رہا اور چیختا چلاتا بھی رہا۔ جب میں ادھ موا ہو گیا اور مجھ پر غشی طاری ہونے لگی تو مجھے واپس اسی کوٹھری میں لا کر پھینک دیا گیا۔ رات کے وقت مجھے سبزی کے سوپ کا ایک پیالہ اور ڈبل روٹی کا ایک بڑا ٹکڑا کھانے کو ملا۔ میں نیم جان سا ہو رہا تھا۔ بھوک اور پیاس کی اذیت الگ تھی۔ فوراً یہ سب کچھ کھا گیا۔ کھانے سے کچھ توانائی بحال ہوئی تو میں نے وہاں سے فرار ہونے کے بارے میں غور کرنا شروع کر دیا۔ جس علاقے میں یہ نیول ہیڈ کوارٹر تھا وہ میرے لئے اجنبی نہیں تھا۔ میں بن غازی کی بندرگاہ پر کئی بار آ چکا تھا۔ میں اس ساحلی پٹی سے بھی واقف تھا جو بندرگاہ کے شمالی مغرب کی طرف ایک چھوٹے سے دلدلی قطعے میں سے گزرتی ہوئی اوپر طرابلس کی طرف ساحل کے ساتھ ساتھ چلی گئی تھی۔ اس طرف میں نے چند کوس تک اپنے کارخانے کے مالک کے ساتھ اونٹوں پر سفر کیا تھا۔ یہاں سے دس کوس آگے ایک چھوٹا سا قصبہ تھا جہاں زیادہ تر الجزائر کے مسلمان آباد تھے۔

اگر میں کسی طرح یہاں نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہوں تو اس ساحلی پٹی کی راہ نمائی میں

میں طرابلس سے ہوتا ہوا الجزائر کی سرحد پار کر کے بولام شہر میں داخل ہو سکتا تھا۔ طرابلس پر بھی جرمن اور اطالوی فوجوں کا قبضہ تھا لیکن بن غازی پر دشمن کا زیادہ دباؤ تھا کیونکہ یہیں سے اوپر مصر کی سرحد کی جانب العالمین اور طبروق میں مصروف پیکار جرمن اور اطالوی فوجوں کو کمک پہنچتی تھی۔ اب سوال یہ تھا کہ یہاں سے فرار کیسے ہوا جائے۔ بندرگاہ پر مقامی عرب باشندے بھی ملازم تھے۔ اور وہ مختلف کام کاج کرتے تھے۔ جرمن اور اطالوی فوجی جگہ جگہ پہرہ دے رہے تھے۔ مجھے یہاں وہاں توپیں بھی نظر آئی تھیں اور کچھ ٹینک بھی

....

جرمن فوج کا ڈسپلن اور سختی ہماری رجمنٹوں میں بھی کافی مشہور تھی۔ یہ لوگ ڈیوٹی کی سختی سے پابندی کرتے اور کسی سے بات نہیں کرتے تھے۔ مجھ پر تشدد کا سلسلہ کچھ روک دیا گیا تھا۔ شاید وہ مجھے مزید صحت مند ہونے کا موقع دے رہے تھے تاکہ پھر نئے سرے سے اذیت کا باب کھولا جائے۔ مگر قید خانے میں بھی مجھ پر کڑی نظر رکھی جاتی تھی۔ کھانے پینے کو اب ہفتے میں ایک بار گوشت بھی مل جاتا تھا۔ میں ایک لمحے کے لئے لیلیٰ کے خیال سے غافل نہیں ہوا تھا۔ ہر لمحے دل میں اللہ سے دعا کرتا کہ وہ سلون گاؤں اپنی خادمہ کے مکان پر پہنچ گئی ہو۔ اس کے وہاں تک پہنچنے میں بظاہر مجھے کوئی رکاوٹ نظر نہیں آتی تھے۔ پھر بھی کبھی کبھی یہ سوچ کر پریشان ہو جاتا کہ وہ بھی میری طرح جرمنوں کے ہتھے نہ چڑھ گئی ہو۔ میں اس بڑے اور تکلیف دہ خیال کو جلدی سے ذہن سے جھٹک دیتا۔

بندرگاہ کے اس قید خانے میں پڑے مجھے دو ہفتے گزر گئے تھے کہ اچانک ایک روز شام کے وقت ایک جرمن سپاہی اسٹین گن کاندھے سے لٹکائے میرے سیل میں داخل ہوا۔ اس کے پاس ہتھکڑی تھی۔ اس نے میرے ہاتھ پیچھے کر کے الٹی ہتھکڑی لگائی اور اسٹین گن اپنے ہاتھ میں لے کر مجھے آگے چلنے کا اشارہ کیا۔ ایک طویل راہداری سے نکلنے کے بعد وہ مجھے ایک چھوٹے سے میدان میں سے گزار کر سامنے والی منزل اور محرابی کھڑکیوں والی عمارت میں لے آیا۔ یہاں باہر ایک جرمن سنتری پہرا دے رہا تھا بن غازی کے خاموش اور شفاف آسمان پر غروب آفتاب کی نارنجی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس عمارت کے کونے میں کھجور کے دو درخت ساتھ ساتھ لگے ہوئے تھے۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ مجھے یہاں کس غرض کے لئے لایا گیا ہے غالب قیاس یہی تھا کہ کسی نئے تشدد کا سلسلہ شروع ہونے والا

ہے۔" ایک جالی دار دروازہ کھول کر ہم چھوٹی سی راہ داری میں آ گئے۔ یہاں ایک اونچی محرابی کھڑکی پر اندر کی جانب پردہ گرا ہوا تھا اور اندر سے یورپی میوزک کے دھیمے دھیمے سروں کی آواز آ رہی تھی۔

یہ کوئی عقوبت خانہ نہیں ہو سکتا۔ میں نے سوچا۔ جرمن سپاہی نے دروازہ پر بڑی شائستگی سے دستک دی۔ اندر سے کسی کی بھاری آواز سنائی دی۔ جرمن سپاہی نے دروازہ کھولا اور مجھے آگے چلنے کا حکم دیا یہ اونچی چھت والا بارک نما کمرہ تھا مگر فرش پر قالین بچھا تھا۔ اور ایک صوفہ بھی لگا تھا۔ ایک سنہری فریم والا ٹیبل فین دھیمی رفتار سے کونے کی میز پر چل رہا تھا۔ دوسری میز پر ایک ریڈیو گرام سے یورپی میوزک کی پھیکی ہلکی آواز بلند ہو رہی تھی۔ کمرے میں بلب بھی روشن تھا۔ دیوار پر صوفے کے پیچھے ہٹلر کی تصویر لگی تھی۔ صوفوں کے درمیان چھوٹے پایوں کے گول میز تھی جس پر پتھر کا ایش ٹرے پڑا تھا۔ ایک صوفے پر وہی نیلی آنکھوں والا جرمن بریگیڈیئر ٹانگ پر ٹانگ رکھے اس انداز میں نیم دراز تھا کہ اس کے ایک ہاتھ میں پائپ تھا اور دوسرے ہاتھ میں شیشے کا نازک گلاس تھا جس میں سرخ مشروب تھا۔

یہ وہی جرمن آفیسر تھا جو بڑی روانی سے عربی بول لیتا تھا۔ اس نے اپنے سپاہی کو اشارہ کیا۔ جرمن سپاہی نے میری ہتھکڑی کھول دی۔ اور خاموشی سے کمرے کے باہر چلا گیا۔ اب میں اور نیلی آنکھوں والا جرمن بریگیڈیئر کمرے میں تنہا رہ گئے۔ وہ پائپ منہ میں رکھتے ہوئے صوفے پر آگے کو جھکا۔ شیشے کا گلاس میز پر رکھا۔ اٹھ کر میرے قریب آیا اور بڑے آرام سے میری کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے نرم آواز میں بولا۔ "صوفے پر بیٹھ جاؤ۔"

میں سمجھ گیا کہ اب وہ دوسرے طریقے سے مجھے سان پر لگانے اور مجھ سے راز اگلوانے کی کوشش کرنے والا ہے جس کے بارے میں واقعی مجھے کچھ معلوم نہیں تھا۔ میں خاموشی سے صوفے کے کونے میں بیٹھ گیا۔ میرے کپڑے گندے ہو رہے تھے۔ بریگیڈیئر نے میرے کپڑوں کی طرف اشارہ کیا اور عربی میں بولا۔ "تمہارا لباس گندہ ہو گیا ہے۔ ٹھیک ہے میں آج آرڈر کرتا ہوں۔ کل تمہیں کپڑے مل جائیں گے۔"

وہ آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا کونے والی میز کے پاس گیا اس کا دراز کھولا اس میں سے ایک

گلاس اور بوتل نکالی۔ گلاس میرے سامنے میز پر رکھتے ہوئے مسکرایا اور بولا۔ "تم وائین ضرور پسند کرو گے۔"

میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا کہ میں مسلمان ہوں اور یہ حرام شے میں نہیں پیتا۔ اس نے بوتل میز پر رکھ دی۔ پھر میز کی دوسری دراز میں سے ایک فائل نکال کر کھولی اور میری سامنے رکھ دی۔ اس فائل میں کچھ عرب مسلمان مردوں اور لڑکیوں کی بلیک اینڈ وائٹ تصویریں لگی تھیں۔ نیچے ان کے نام لکھے تھے۔ میں ان تصویروں کو دیکھنے لگا۔ جرمن بریگیڈیئر نے اپنی چھوٹی مونچھوں پر انگلی پھیرتے ہوئے کہا۔ "یہ سب اتحادیوں کے جاسوس ہیں۔ اب اس فائل میں تمہاری تصویر بھی لگنے والی ہے۔ لیکن اگر تم مجھے ان میں سے صرف دو آدمیوں کے ٹھکانے بتا دو جہاں وہ روپوش ہیں تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اس فائل میں تمہاری تصویر کبھی نہیں لگے گی اور ہم تمہیں امریکی ڈالروں کی شکل میں اتنی رقم دے دیں گے کہ تم باقی ساری عمر عیش آرام سے گزار سکو گے۔ اور ہاں میں تم سے یہ بھی وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارا نام کبھی اور کسی حالت میں بھی ظاہر نہیں کیا جائے گا۔ اور تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ جرمن قوم جو وعدہ کرتی ہے اس پر سختی سے قائم بھی رہتی ہے۔"

پھر اس نے فائل پر لگی دو عرب مسلمانوں کی تصویروں پر پینسل سے نشان لگائے اور خود پائپ سلگانے لگا۔ میں نے ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر کہا۔ "جناب! میں ان میں سے کسی کو نہیں جانتا۔ میں خدا کو حاضر ناضر جان کر کہتا ہوں کہ نہ میں اتحادیوں کا جاسوس ہوں اور نہ میرا کسی ایسے جاسوس سے کوئی تعلق ہے۔ میں تو بن غازی کا ایک غریب آدمی ہوں اور اونٹ کی باربرداری سے روزی کماتا تھا۔ کوئی ظالم دھوکے سے میرا اونٹ بھی اڑا کر لے گیا۔"

میں مسکین صورت بنائے صوفے کے کونے پر سر جھکائے بیٹھا رہا۔ ایک بار پھر کن انکھیوں سے جرمن بریگیڈیئر کو دیکھا اس پر میرے بیان کا بظاہر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے چہرہ چھت کی طرف کئے بڑے سکون سے پائپ کے کش لگا رہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر پائپ کو ایش ٹرے میں جھاڑا۔ مشروب کا گلاس اٹھا کر اپنے ہونٹوں سے لگایا مشروب کا ہلکا سا گھونٹ پیا۔ گلاس میز پر رکھا اٹھ کر قالین پر ہاتھ پشت پر رکھے ٹہلنے لگا۔ پھر ایک دم میری طرف دیکھ کر رکا۔ ایک نظر مجھ پر ڈالی اور بولا۔ "تم کو

میں تھوڑی مہلت اور دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر کمرے کا بغلی دروازہ کھول کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ میں نے ایک گہرا سانس لیا اور سر جھکا کر سوچنے لگا کہ اس بلا سے کیسے نجات مل سکتی ہے۔ ابھی یہ نرم دلی کا مظاہرہ کر رہا ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ تھوڑی دیر بعد مجھ پر ایک ایسا عذاب نازل ہو گا کہ شاید ہی میں زندہ بچ سکوں کیونکہ اس کے بعد جرمن برگیڈیئر کے پاس صرف تشدد کا طریق کار ہی رہ جائے گا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تشدد اتنا المناک اور شدید ہو گا کہ میری موت واقع ہو جائے گی۔ وہ خدا جانے دوسرے کمرے میں کیا کر رہا تھا۔

میں صوفے پر بالکل سیدھا بیٹھا تھا ذرا سستانے کے لئے میں نے اپنی پشت صوفے سے لگا دی۔ بڑا سکون ملا عین اسی لمحے بغلی کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک لڑکی زرق برق لباس میں **سنہری بال کاندھوں** پر لٹکائے ہاتھ میں سگریٹ سلگائے ایک شان دل ربائی سے نمودار ہوئی۔ پہلی نظر میں میں اسے بالکل نہ پہچان سکا۔ پہلی نظر میں وہ بھی مجھے نہ پہچان سکی تھی۔ وہ ذرا آگے روشنی میں آ گئی تو ہماری نظریں ایک دوسرے سے ملیں۔ نظریں کیا ملیں جیسے ایک خاموش بجلی ہمارے درمیان لپک کر رہ گئی۔ وہ بھی سکتے میں آ گئی۔ اور میں بھی سکتے میں آ گیا تھا۔

یہ لیلیٰ کی رازدار سہیلی لبنیٰ تھی۔ لبنیٰ جو بن غازی کے لیڈیز گارمنٹ اسٹور میں ملازم تھی اور جس نے اپنے اناروں والے گھر میں میری اور لیلیٰ کے رومان پرور ملاقاتوں کا خفیہ اہتمام کیا تھا۔

میں ایک دم چونک کر صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا میرا منہ کھلا تھا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے لبنیٰ کو تک رہا تھا۔ لبنیٰ نے صورت حال کو سمجھنے میں زیادہ دیر نہ لگائی اس نے سگریٹ والے ہاتھ کی انگلی اپنے سرخ ہونٹوں پر رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور مڑ کر پیچھے دروازے کی طرف دیکھا۔ تیز تیز قدم اٹھا کر دروازے تک گئی دروازے کے ساتھ کان لگا کر کچھ سننے کی کوشش کرنے لگی۔ پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھائی میرے پاس آئی اس نے جھک کر آہستہ سے کہا۔ "تم نے مجھے نہیں پہچانا۔ تم مجھے نہیں جانتے۔ بس ظاہر کرنا کہ تم نے مجھے کبھی نہیں دیکھا۔" اتنا کہہ کر اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا پھر دروازے کی طرف دیکھا شاید وہ یہ قہقہہ جرمن برگیڈیئر کو سنانا چاہتی تھی۔ اس کے بعد وہ سگریٹ کے کش لگاتی

ریڈیو گرام کے پاس آ گئی۔ اس نے میوزک اونچا کر دیا۔ لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ وہ مجھے وہاں دیکھ کر اور ایک عجیب و غریب صورت حاصل میں دیکھ کر کسی حد تک بدحواس سی ہو گئی ہے۔

ایک بار پھر اس نے بغلی دروازے پر نگاہ ڈالی میوزک کی آواز مدھم کر دی اور ایک خاص ادا سے چلتی اور سگریٹ کا گل جھاڑتی میرے قریب صوفے پر بیٹھ گئی۔ میں سمٹ گیا۔ لبنیٰ نے سختی کے ساتھ دھیمی آواز میں کہا۔ "خدا کے لئے کوئی ایسی حرکت نہ کرنا کہ ہمارا راز کھل جائے۔ ہم دونوں شوٹ کر دیئے جائیں گے۔ میں جو کہوں خاموشی سے لاتعلق بن کر سنتے جاؤ۔"

اس کے بعد لبنیٰ نے ایک اور نقرئی قہقہہ لگایا اور خالی گلاس میں مشروب بھر کر اس کا ایک گھونٹ پیا کن اکھیوں سے بغلی دروازے کی طرف دیکھا اور کسی قدر بلند آواز میں بولی۔ "میں تمہاری کنیز ہوں کیا تم مجھ سے محبت نہیں کرو گے؟؟"

میں بوکھلاہٹ کے ساتھ لبنیٰ کا گہرا میک اپ میں چھپا ہوا چہرہ دیکھنے لگا۔

لبنیٰ جرمنوں کی قیدی نہیں لگتی تھی۔

صاف محسوس ہو رہا تھا کہ وہ بن غازی پر قابض کمانڈر کے ساتھ مل گئی ہے اور ان کے لئے کام کر رہی ہے۔ وہ صوفے پر بالکل میرے ساتھ بیٹھی تھی۔ سگریٹ اس کی انگلیوں میں سلگ رہا تھا۔ بھڑکیلا انگریزی لباس خوشبوؤں میں بسا تھا۔ سنہری بال کاندھوں پر پڑے تھے اور نیلی آنکھیں ایک عجیب حیرت کے عالم میں مجھ پر جمی تھیں۔ اسے وہاں میری موجودگی کی قطعاً امید نہیں تھی۔ میرے وہم و گمان میں یہ بات نہیں تھی کہ اس جرمن بریگیڈئر کے کمرے میں لبنیٰ سے ملاقات ہو جائے گی۔ لبنیٰ نے ایک نظر کمرے کے بند دروازے پر ڈالی اور آہستہ سے کہا۔

"جلال میں نے جرمنوں سے سمجھوتہ کرلیا ہے۔ اس کے سوائے کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں مجبور تھی۔ جرمن بریگیڈئر کو یقین ہو گیا ہے کہ تم اتحادیوں کے جاسوس ہو اور تمہارے ساتھی جرمن ٹھکانوں پر تخریب کاری کر رہے ہیں۔"

میں نے کچھ کہنا چاہا تو لبنیٰ نے اپنا ہاتھ میرے ہونٹوں پر رکھ دیا اور سرگوشی میں بولی۔

"خدا کے لئے لیلیٰ کا یا کسی دوسرے شخص کا نام نہ لینا ان لوگوں کو ہرگز معلوم نہیں ہونا چاہئے کہ میں تمہیں پہلے سے جانتی ہوں۔ بریگیڈئر نے مجھے تمہارے پاس راز اگلوانے کے لئے بھیجا ہے۔ یہ بھی ان کا ایک طریقہ ہے۔ میں تم سے بہت جلد دوبارہ ملوں گی۔"

اس نے چونک کر بغلی کمرے کی طرف دیکھا۔ جہاں اس نے دوسرے کمرے میں سے دروازے کی طرف آتی فوجی جوتوں کی آواز سن لی تھی۔ اس نے جلدی سے میز پر رکھا ہوا مشروب کا گلاس اٹھا لیا اور میری طرف ایک انداز دلربائی سے دیکھتے ہوئے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ اتنی دیر تک نیلی سفاک آنکھوں والا جرمن بریگیڈئر دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہو چکا تھا۔

"لبنیٰ نے بریگیڈئر کے جانب ایک متبسم نگاہ ڈالی اور عربی میں بولی۔ "یہ تو ہمارے ہی قبیلے کا نوجوان ہے۔"

جرمن بریگیڈئر آہستہ آہستہ چلتا ہوا ہمارے قریب آکر رک گیا۔ لبنیٰ صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی اور جرمن بریگیڈئر کے کاندھے کے ساتھ اپنا سر لگا دیا۔ کہنے لگی۔

"سر! مگر اس کے کپڑے بڑے گندے ہیں۔ ہمارے قبیلے کے لوگ ہمیشہ صاف ستھرے کپڑے پہنتے ہیں۔"

"ہم آج ہی اسے نئے کپڑے مہیا کر دیں گے۔ یہ نوجوان تو ویسے بھی ہمیں اچھا لگتا ہے۔"

لبنیٰ جرمن بریگیڈئر کو بغلی کمرے کی طرف لے جاتے ہوئے خواب آلود آواز میں بولی۔

"ڈارلنگ! میں تھوڑی دیر آرام کرنا چاہتی ہوں۔"

جرمن افسر نے لبنیٰ کے کاندھے پر مسکراتے ہوئے ہلکی سی تھپکی دی اور کہا کہ جاؤ اندر جاکر آرام کرو۔ لبنیٰ نے گردن گھما کر میری طرف دیکھا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ ہاتھ ہلا کر کہا۔

"خدا حافظ! پھر ملیں گے۔"

لبنیٰ کے جانے کے بعد جرمن بریگیڈئر نے کمرے کے باہر کھڑے اس جرمن سپاہی کو آواز دی جو مجھے ہتھکڑی لگا کر وہاں لایا تھا۔ جرمن سپاہی فوراً اندر آکر اٹین شن کھڑا ہو گیا۔ بریگیڈئر نے اسے جرمن زبان میں کچھ کہا۔ جرمن سپاہی نے ایڑیاں زور سے بجائیں اور میری طرف بڑھا۔ میں صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ جرمن سپاہی نے میرے دونوں ہاتھ پیچھے کر کے ہتھکڑی لگا دی۔ بریگیڈئر میری طرف بڑے مشفقانہ انداز سے دیکھ رہا تھا۔ عربی میں بولا۔

"اب تمہاری مسرتوں کا وقت شروع ہو رہا ہے ماریانہ کی طرح تم بھی ہمارے دوست بن گئے ہو۔"

جرمن سپاہی کو انگلی اٹھا کر اشارہ کرنے کے بعد وہ تیز تیز قدم اٹھاتا بغلی کمرے میں

داخل ہو گیا۔ میں سمجھ گیا کہ لیٹی نے ان لوگوں کو اپنا نام ماریانہ بتایا ہے۔ جرمن سپاہی مجھے لے کر بریگیڈیئر کی کوٹھی سے باہر نکل آیا۔ جہاں مجھے قید میں رکھا گیا تھا۔ اس طرف جانے کے بجائے جرمن سپاہی دوسری طرف چلنے لگا۔ اسٹین گن اس کے ہاتھ میں تھی۔ لیکن اس کی نالی کا رخ زمین کی طرف تھا۔ لیبیا کے صحراؤں میں سورج غروب ہو چکا تھا اور آسمان پر پھیلی ہوئی نارنجی شفق کا رنگ سیاہی مائل ہو رہا تھا۔ جرمن سپاہی بندرگاہ کی اسی ویران عمارت کی دوسری منزل کے ایک کمرے میں لے گیا۔ وہاں ایک پلنگ بچھا ہوا تھا اور ساتھ ایک چھوٹا سا باتھ روم بھی تھا۔ یہاں ہتھکڑی کھول دی گئی۔ جرمن سپاہی دروازہ بند کر کے چلا گیا۔ میں نے کمرے کا جائزہ لیا یہ کمرہ قید خانہ نہیں لگتا تھا۔ دیوار کے ساتھ چھوٹی میز تھی جس پر ایک ٹیپ ریکارڈر رکھا تھا۔ کمرے میں پلنگ کے سرہانے ایک ٹیبل لیمپ روشن تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہی جرمن سپاہی دوبارہ کمرے میں آیا وہ مجھے استری کی ہوئی خاکی پتلون اور جیکٹ اور سوپ کا ایک مگ دے کر واپس چلا گیا۔ میں نے جلدی سے نیم گرم سوپ پی لیا۔ یہ گوشت کا سوپ تھا۔ پھر باتھ روم میں جا کر غسل کیا اور پتلون جیکٹ پہننے کے بعد پلنگ پر نیم دراز ہو گیا۔ کافی دنوں کی اذیتوں کے بعد گھڑی بھر کو آرام ملا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور لیلیٰ کے بارے میں سوچنے لگا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ ضرور سلون گاؤں میں اپنی خادمہ کے گھر پہنچ گئی ہو گی اور جرمن درندوں کی درندگی سے محفوظ ہو گئی ہو گی۔ کمرے کے باہر تالا لگانے کی آواز میں نے سن لی تھی یہ سب کچھ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کیا جا رہا تھا۔ جرمن بریگیڈئر اب ایک عورت کو بطور حربہ استعمال کر کے مجھ سے میرے ساتھی "جاسوسوں" کے پتے معلوم کرنا چاہتا تھا۔ میں دل میں مسکرایا۔ اسے خبر نہیں کہ جس لڑکی کو اس نے اس ڈیوٹی پر لگایا تھا وہ میری دوست لیٹی تھی اور میں اس کی مدد سے یہاں سے فرار ہو سکتا تھا۔

نیم گرم سوپ نے مجھ پر غنودگی سی طاری کر دی۔ میں کبھی سوجاتا اور کبھی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھتا۔ میں جرمنوں کی قید میں تھا اور میرا کچھ بھی انجام ہو سکتا تھا۔ سب سے زیادہ خطرہ مجھے اس بات سے تھا کہ کہیں جرمن بریگیڈیرء کو یہ علم نہ ہو جائے کہ میں لیٹی کو جانتا ہوں اور ہم آپس میں دوست ہیں۔ بظاہر اس کا کوئی امکان نہیں تھا۔ ہر لحہ یہ دھڑکا لگا تھا۔ کمرے میں کوئی کھڑکی بھی نہیں تھی کہ میں باہر جھانک کر یہ اندازہ لگا سکتا کہ رات کتنی گزر چکی

ہے۔ میرا خیال ہے کہ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ گزر گیا ہو گا کہ دروازہ کھول کر وہی جرمن سپاہی اندر آیا۔ اس کے ہاتھ میں چھوٹی سے ٹرے تھی۔ اس نے ٹرے میز پر رکھی اور باہر نکل گیا۔ باہر سے اس نے تالا لگا دیا۔ میں اٹھ کر میز کے قریب آیا اور ٹیبل لیمپ کی روشنی میں دیکھا کہ ٹرے میں ابلے ہوئے براؤن رنگ کے گوشت کے دو ٹکڑے تھوڑی سی ڈبل روٹی اور سوپ کا مگ پڑا تھا۔ مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ دیکھتے دیکھتے سب کچھ چٹ کر گیا۔ اس کے بعد جو پلنگ پر کمبل اوڑھ کر لیٹا تو گہری نیند سو گیا۔

پھر مجھے خواب میں ایسا لگا جیسے کوئی میرے دامن کو پیچھے کھینچ رہا ہے میں نے نیند میں ڈوبی ہوئی آواز میں آنکھیں کھول دیں میں اسی کمرے میں تھا پلنگ کے سرہانے ٹیبل لیمپ جل رہا تھا۔ اس کی مدھم روشنی میں مجھے لیٹی کا مسکراتا ہوا چہرہ نظر آیا۔ وہ مجھ پر جھکی ہوئی تھی۔ میں جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ لیٹی نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی بند دروازے تک گئی کان دروازے کے ساتھ لگا دیا پھر وہیں سے بلند آواز میں کہا۔ "تم میرے قبیلے کے ہو۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں نے ہم پر بڑے ظلم کئے ہیں جرمن نے ہمیں ان کے مظالم سے نجات دلائی ہے وہ ہمارے دوست ہیں ان کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہئے۔"

وہ آہستہ آہستہ چلتی میرے قریب ہی پلنگ پر بیٹھ گئی اس نے سگریٹ نکال کر سلگا لیا۔ ٹیبل لیمپ جس تپائی پر روشن تھا اس کی دراز میں سے تانبے کی ایش ٹرے نکال کر تپائی پر رکھ دی اور بولی۔ "جرمن ہمارے دوست ہیں' وہ ہمارے خیر خواہ ہیں تمہارے ساتھی جو اتحادیوں کے لئے جاسوسی کر رہے ہیں وہ لیبیا کے دشمن ہیں وہ ہمارے دشمن ہیں تمہارے دشمن ہیں تم ان کے نام اور پتے کیوں نہیں بتا دیتے؟ میں نے بریگیڈئر سے وعدہ لے لیا ہے تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ تمہیں انعام بھی ملے گا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میں تم سے شادی کر لوں گی۔"

اس کے ساتھ ہی لیٹی نے ایک نقرئی قہقہہ لگایا وہ جان بوجھ کر قدرے بلند آواز میں باتیں کر رہی تھی تا کہ باہر جو جرمن سنتری پہرہ دے رہا ہے وہ بھی اس کی آواز سن لے۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ اداکاری کر رہی ہے میں پلنگ پر آلتی پالتی مارے بیٹھا اس کی صورت کو تک رہا تھا۔ لیٹی بات کرتے ہوئے تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد بند دروازے کو دیکھ لیتی

تھی۔ پھر اس نے ٹیپ ریکارڈ میں ایک کیسٹ لگا کر اسے آن کر دیا۔ اسپیکر میں سے عربی میوزک کی آواز بلند ہوئی۔ لبنیٰ نے اس کی آواز کو مدھم کر دیا۔ پھر میرے قریب آ کر پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گئی اور دھیمی آواز میں پوچھا۔

"لیلیٰ کے بارے میں بتاؤ۔ وہ کہاں ہے؟ اس کے گھر والے کہاں ہیں؟ میں تو اپنے خاندان کو چھوڑ کر بھاگ رہی تھی کہ جرمنوں نے پکڑ لیا۔ انہوں نے میرے خاندان والوں کو تو جانے دیا لیکن مجھے بریگیڈئر کے پاس لے آئے میں نے اپنا نام ماریانہ بتایا۔ پھر میں نے دشمن سے سمجھوتہ کر لیا میں تشدد کا نشانہ نہیں بننا چاہتی تھی۔ میں کیا کرتی---- بریگیڈئر نے مجھے تمہارے پاس یہ کہہ کر بھیجا تھا کہ دوسرے کمرے میں اتحادیوں کا ایک بڑا خطرناک جاسوس بیٹھا ہے جس کے ساتھیوں کی بھی ہمیں تلاش ہے تم اس سے کسی طرح اس کے ساتھی جاسوسوں کے ٹھکانے معلوم کرو جب میں نے کمرے میں آ کر تمہیں دیکھا تو سناٹے میں آ گئی۔"

میں نے کہا۔ "تمہیں دیکھ کر میں بھی حیران رہ گیا تھا۔"

"پھر میں نے لبنیٰ کو بن غازی پر جرمن توپ خانے کی گولہ باری، شہر کی تباہی اور لیلیٰ کے ساتھ اس کے اناروں کے باغ والے مکان کے تہہ خانے میں چھپے رہنے اور پھر وہاں سے سلوم اس کی طرف فرار ہونے اور جرمنوں کے ہاتھوں اپنی گرفتاری تک کی ساری داستان سنائی وہ بت بنی سارے واقعات سنتی رہی پھر گہرا سانس بھرنے کے بعد بولی۔

"جرمنوں نے لوگوں کے ساتھ درندوں جیسا سلوک کیا ہے۔ ہزاروں لوگ شہید ہو گئے ہیں۔ سینکڑوں عورتوں کو قیدی بنا کر ان پر تشدد کیا جا رہا ہے خدا کا شکر ہے کہ میری پیاری سہیلی لیلیٰ ان وحشیوں کی درندگی سے بچ گئی۔"

میں نے لبنیٰ سے کہا۔ "مجھے کسی طرح یہاں سے نکال دو میں لیلیٰ کے پاس پہنچنا چاہتا ہوں میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں تم میری مدد کر سکتی ہو۔"

لبنیٰ نے کہا۔ میں خود اس جہنم سے فرار ہونا چاہتی ہوں اگرچہ میں نے ان کے آگے ہتھیار ڈال دئیے ہیں لیکن مجھے یہاں سے باہر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ پھر بھی ہم دونوں یہاں سے اکٹھا فرار ہوں گے۔ تم فکر نہ کرو۔ میں کوئی نہ کوئی راستہ تلاش کر لوں گی۔ تم صرف اتنا کرو کہ مجھے طرابلس کے کچھ فرضی ایڈریس بتا دو۔ میں بریگیڈئر کو وہ ایڈریس دے

کر کہوں گی کہ تم نے اپنے جاسوس ساتھیوں کے پتے بتا دئے ہیں۔"

میں نے سوال کیا۔ "کیا جرمن بریگیڈئر اس طرح مجھے معاف کر دے گا؟ مجھے خطرہ ہے کہ وہ اس کے بعد بھی مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

لبنیٰ بولی۔ "اس کی ذمہ داری میں لیتی ہوں میں تمہیں مرنے سے بچا لوں گی اس دوران میں کوئی ترکیب لڑاؤں گی کہ ہم دونوں یہاں سے فرار ہو سکیں۔"

میں بڑا خوش ہوا۔ امید کی ایک کرن طلوع ہو گئی تھی۔ طرابلس شہر کی کچھ سڑکوں کے ناموں سے میں واقف تھا۔ لبنیٰ نے تپائی کی دراز میں سے پنسل کاغذ نکال لیا۔ میں نے اسے چار فرضی ایڈریس لکھوا دئے۔ اس نے کاغذ اور پنسل میز پر ہی رہنے دی اور سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے مسکرا کر بولی۔ "ان جرمن درندوں کو ہم احمق بنا کر یہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ خدا ہماری مدد کرے گا۔" لبنیٰ جذباتی ہو گئی۔ اس نے سگریٹ ایش ٹرے میں بجھا دیا اور ٹھنڈا سانس بھر کر کہنے لگی ہم کتنی پر سکون زندگی بسر کر رہے تھے پھر اچانک جیسے قیامت آ گئی۔ آسمان پھٹ پڑا۔ ہر طرف آگ لگ گئی۔ سڑکوں، گلیوں، مکانوں کے صحنوں میں بے قصور انسانوں کی لاشیں بچھ گئیں ایک پل میں سب کچھ تباہ ہو گیا۔ یہ سب ان جرمن درندوں کی وجہ سے ہوا۔ تم نے عقوبت خانوں میں بڑے تشدد برداشت کئے ہوں گے۔ مگر جو اذیتیں میں نے برداشت کی ہیں وہ صرف میں ہی جانتی ہوں۔"

لبنیٰ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اس نے اپنا چہرہ نازک ہتھیلیوں میں چھپا لیا اور ہلکی ہلکی سسکیاں بھر کر رونے لگی میں اسے حوصلہ دینے کی کوشش کرنے لگا کہ یہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہم اس عذاب سے نجات حاصل کرنے میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔ اتحادی فوجیں یقیناً ایک بڑا حملہ کریں گی اور بن غازی طبروق سے جرمنوں کو نکال کر سمندر کی طرف دھکیل دیں گی۔ ہم اسی طرح کی باتیں کر رہے تھے کہ باہر سے تالا کھلنے کی آواز آئی۔ لبنیٰ نے جلدی سے آنکھیں صاف کیں اور ایک بلند قہقہہ لگاتے ہوئے میری طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "جرمن ہائی کمانڈ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا کر تم نے نجات کا راستہ تلاش کر لیا ہے عادل؟"

دروازہ کھلا۔ جرمن بریگیڈئر وردی میں داخل ہوا۔ جرمن سنتری اس کے پیچھے تھا۔ لبنیٰ نے بریگیڈئر کی طرف فاتحانہ انداز میں دیکھا اور تپائی پر سے کاغذ کا وہ ٹکڑا اٹھا

کر جرمن بریگیڈیئر کی طرف بڑھایا جس پر طرابلس کے جاسوسوں کے جعلی ایڈریس لکھے ہوئے تھے۔ لبنیٰ نے سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے عربی زبان میں کہا۔

"سر! عادل اب ہمارا دوست ہے۔ یہ اس کے ساتھی جاسوسوں کے پتے ہیں۔ یہ لوگ طرابلس میں چھپے ہوئے ہیں۔"

بریگیڈیئر نے کاغذ کا ٹکڑا اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی اور پھر نیلی آنکھوں سے مجھے گھور کر دیکھا۔ جانے کیوں مجھے اسکی آنکھوں میں ایک ایسی چیز نظر آئی جو میں اس وقت نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ لبنیٰ نے شاید جرمن افسر کی آنکھوں کے اس تاثر کو محسوس نہیں کیا تھا۔ وہ بڑے مزے سے سگریٹ کے ہلکے ہلکے کش لگا رہی تھی۔ جرمن افسر نے کاغذ کا ٹکڑا پھاڑ کر پرزے پرزے کر دیا۔ میں اور لبنیٰ ہکا بکا ہو کر رہ گئے۔ بریگیڈیئر نے جیب سے کالے رنگ کی ایک ٹیپ نکالی۔ دو قدم چل کر ٹیپ ریکارڈر کے پاس آیا۔ ٹیپ ریکارڈر میں سے عربی میوزک کے دھیمے سر بلند ہو رہے تھے۔ اس نے ٹیپ کو بند کر کے ٹیپ باہر نکالی۔ اپنی ٹیپ اس میں چڑھائی اور اس کا بٹن دبا کر آواز اونچی کر دی۔ ٹیپ ریکارڈر کے اسپیکر میں سے لبنیٰ کی آواز بلند ہوئی۔

"لیلیٰ کے بارے میں بتاؤ۔ وہ کہاں ہے' اس کے گھر والے کہاں ہیں؟ میں تو اپنے خاندان کو نکال کر بھاگ رہی تھی کہ جرمنوں نے پکڑ لیا۔ انہوں نے میرے خاندان والوں کو تو جانے دیا لیکن مجھے بریگیڈیئر کے پاس لے آئے۔ میں نے اپنا نام ماریانہ بتایا۔ پھر میں نے دشمن سے سمجھوتہ کر لیا میں تشدد کا نشانہ نہیں بننا چاہتی تھی۔ میں کیا کرتی؟ بریگیڈیئر نے مجھے تمہارے پاس یہ کہہ کر بھیجا تھا کہ دوسرے کمرے میں اتحادیوں کا ایک بڑا خطرناک جاسوس بیٹھا ہے۔ تم کسی طرح سے اس کے ساتھ جاسوسوں کے ٹھکانے معلوم کرو۔ جب میں نے کمرے میں آکر تمہیں دیکھا تو سنانے میں آگئی۔"

پھر میری آواز سنائی دی۔ "تمیں دیکھ کر میں بھی حیران رہ گیا تھا۔"

جرمن بریگیڈیئر کی آنکھیں ہم دونوں پر جمی ہوئی تھیں۔ ہمارے چہرے سپید پڑ گئے تھے۔ لبنیٰ کا خوف کے مارے برا حال تھا۔ وہ پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گئی تھی اور سگریٹ اس کے ہاتھ سے گر پڑا تھا۔ بریگیڈیئر کے چہرے پر ایک سفاکانہ متانت تھی۔ اس نے بٹن دبا کر ٹیپ کو ذرا سا آگے کر کے بٹن دبا دیا۔ اسپیکر میں سے لبنیٰ کی آواز بلند ہوئی۔ "میں خود

اس جہنم سے فرار ہونا چاہتی ہوں۔ اگرچہ میں نے ان کے آگے ہتھیار ڈال دئے ہیں لیکن مجھے یہاں سے باہر جانے کی اجازت نہیں۔ پھر بھی ہم دونوں یہاں سے اکٹھے فرار ہوں گے۔ تم فکر نہ کرو۔ میں کوئی نہ کوئی راستہ تلاش کر لوں گی۔ تم صرف اتنا کرو کہ مجھے طرابلس کے کچھ فرضی ایڈریس بتا دو۔ میں بریگیڈیئر کو وہ ایڈریس دے کر کہوں گی کہ تم نے اپنے جاسوس ساتھیوں کے پتے بتا دئے ہیں۔"

جرمن افسر کی تیز نگاہیں ہمارے چہروں پر گڑی ہوئی تھیں۔ مجھے یوں لگ رہا تھا کہ یہ نگاہیں تیر کی طرح میرے جسم سے پار ہوتی جا رہی ہیں۔ اس نے انگلی کی جنبش سے بٹن دبا دیا۔ ٹیپ ریکارڈ خاموش ہو گیا۔ لبنیٰ خوف سے کانپ رہی تھی۔ ہمارا راز اس طریقے سے فاش ہوا تھا کہ ہم کوئی بھی بہانہ پیش نہیں کر سکتے تھے۔ ان لوگوں نے خدا جانے کمرے میں کس خفیہ مقام پر انتہائی طاقتور مائیکروفون چھپا دیا تھا۔ ہماری بدقسمتی یہ تھی ہی خیال ہی نہ آیا کہ کمرے میں ہمارے باتیں سننے کے لئے کوئی مائیک بھی لگایا جا سکتا ہے۔ اب ہم کچھ نہیں کر سکتے تھے پھر بھی لبنیٰ نے ذرا سا کھانس کر گلا صاف کیا اور عربی میں ہی بولی۔

"یہ ہم یونہی مذاق کر رہے تھے بریگیڈیئر سر!"

جرمن بریگیڈیئر اب لبنیٰ کے بالکل قریب کھڑا تھا۔ اچانک اس کا سیدھا ہاتھ بلند ہوا اور پھر لبنیٰ کے منہ پر ایک ایسے زور کا تھپڑ مارا گیا کہ اس کی آواز کمرے میں گونج گئی اور لبنیٰ ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ پلنگ کی پٹی پر سے نیچے فرش پر گر پڑی۔ اس کے ساتھ ہی اس جرمن وحشی نے لبنیٰ کو ڈنڈوں سے مارنا شروع کر دیا۔ لبنیٰ کی پہلے تو چیخیں نکلتی رہیں پھر وہ بے ہوش ہو گئی۔

جرمن بریگیڈیئر ہانپ رہا تھا۔ اس نے اپنے عقب میں کھڑے جرمن سپاہی کو اشارہ کیا۔ وہ بے ہوش لبنیٰ کی کلائی سے پکڑ کر مردہ جانور کی طرح گھسیٹتا ہوا کمرے سے باہر لے گیا۔ جرمن بریگیڈیئر نے ٹیپ ریکارڈ میں سے ٹیپ نکال کر اپنی جیکٹ کی جیب میں رکھا اور ایک قدم چل کر میرے پاس آیا اور میری طرف شرارے اگلتی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے عربی میں بولا۔

"تمہارے بیان سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ لیلیٰ نام کی ایک جاسوس لڑکی بھی تمہاری ساتھی ہے جو سلون گاؤں کی طرف فرار ہوئی تھی۔ تم دونوں ہمارے توپ خانے

کی ایک چوکی کے تہہ خانے میں چھپے ہوئے تھے مگر تم وہاں کوئی تخریبی کاروائی کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ ہم لیلیٰ کو بہت جلد پکڑلیں گے اب تم لیلیٰ کے ساتھ فائرنگ اسکواڈ کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہوجاؤ۔"

اتنا کہہ کر جرمن بریگیڈئر تیزی سے گھوما اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے باہر جاتے ہی دروازہ بند کرکے باہر تالا لگادیا گیا۔ میرا سر چکرا رہا تھا آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا تھا۔ میری وجہ سے لیلیٰ پر از سرِنو قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ میں اس بھیانک تشدد کا بخوبی اندازہ کرسکتا تھا جس کا سلسلہ لیلیٰ پر شروع ہونے والا تھا۔ اس کا غم تو مجھے تھا ہی لیکن اب مجھے لیلیٰ کی فکر نے بھی نڈھال کردیا تھا۔ اگر وہ ابھی تک سلون گاؤں میں اپنی خادمہ کے گھر میں ہی پناہ گزین تھی تو جرمن اسے ضرور گرفتار کرلیں گے۔ اگر خوش قسمتی سے وہاں سے آگے مجیلی قصبے کی طرف اپنے رشتے داروں کے پاس چلی گئی ہوگی تو جرمن اسے وہاں بھی ڈھونڈ نکالیں گے اور اگر خدا کرے کہ وہ مجیلی گاؤں سے بھی نکل گئی ہوگی تو پھر ان دونوں گاؤں میں جو بھی لیلیٰ نام کی لڑکی ہوگی جرمن وحشی انہیں پکڑ کرلے آئیں گے اور ان پر بے پناہ تشدد کریں گے اور یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوگا۔ کاش! میں اس علاقے کا رخ نہ کرتا۔ کاش میں انڈین فوج میں بھرتی ہی نہ ہوتا! میں اپنے آپ کو کوسنے لگا۔

میں لیلیٰ کی گرفتاری اور اس کے ساتھ کئے جانے والے تشدد کے تصور ہی سے کانپ اٹھتا تھا۔ کنپٹیوں کی رگیں چٹخنے لگتی تھیں۔ میں نے سر سجدے میں گرادیا اور خدا کے حضور یہی دعا مانگنے لگا کہ لیلیٰ ان درندوں کے ہاتھ نہ آئے۔ وہ کسی نامعلوم مقام کی طرف نکل گئی ہو۔ میں انہی اذیت بخش خیالات میں گم پلنگ پر سر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے بیٹھا تھا کہ دروازہ کھلا۔ دو جرمن سپاہی اندر داخل ہوئے ان کو میں نہیں پہچانتا تھا۔ انہوں نے آتے ہی مجھے ہتھکڑی ڈال دی اور مجھے بازوؤں سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے باہر لے گئے۔ راہداری میں دھیمی روشنی والا بلب جل رہا تھا۔ سیڑھیوں سے اتار کر وہ مجھے نیچے چھوٹے سے میدان میں لے آئے جہاں ایک طرف نیول ہیڈ کوارٹر کی عمارت تھی اور دوسری طرف اندھیرے میں قطار میں فوجی گاڑیاں کھڑی تھیں جرمن سپاہیوں نے مجھے ایک جیپ میں ڈالا اور عمارت کے عقب میں ایک جگہ آکر جیپ روک دی۔

میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ سامنے ایک محرابی دروازہ تھا جس کے باہر کوئی روشنی نہیں

تھی مگر اندر راہداری میں دھیمی روشنی ہو رہی تھی۔ میں نے ایک جرمن نرس کو ایک کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے کی طرف جاتے دیکھا۔ یہ کوئی فوجی اسپتال تھا۔ یہاں مجھے کس لئے لایا گیا ہے؟ سوچنے لگا۔ میرا ذہن انتہائی پریشان اور بدحواس تھا۔ میں کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔ جرمن سپاہی مجھے ایک ٹھنڈے کمرے میں لے آئے جہاں چھت کے ساتھ شیڈ والا کمزور سا بلب جل رہا تھا۔ اس کی روشنی نیچے ایک پلنگ پر پڑ رہی تھی۔ جس کے اردگرد دو جرمن افسر کھڑے تھے۔ ان میں' میں نے نیلی آنکھوں اور روانی سے عربی بولنے والے جرمن بریگیڈئر کو پہچان لیا۔ پلنگ کے سرہانے ایک چھوٹی سے تپائی پر ایک کاپی اور پنسل پڑی تھی۔ کمرے میں دواؤں کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ میرے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ یہ لوگ مجھ پر کوئی نئی دوائی آزمانے والے تھے جس ۔ اثر سے میں نیم بے ہوشی میں لاشعور کی باتیں کرنے لگوں گا۔ اس قسم کے تشدد کے بارے میں میں اپنی رجمنٹ میں رہ کر بہت سن رکھا تھا۔ میں نے اپنی آپ کو ذہنی طور پر اس کے مقابلے کے لئے تیار کرنا شروع کر دیا۔ مجھے ہتھکڑی سمیت پلنگ پر زبردستی لٹا دیا گیا۔ سپاہی چار قدم پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ جرمن افسر آپس میں کوئی بات چیت نہیں کر رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کسی ڈاکٹر کا انتظار کر رہے ہیں۔ میں خشک ہونٹ لئے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے اوپر چھت پر لگے شیڈ والے بلب کو تک رہا تھا کہ مجھے ننگے فرش پر بھاری جوتوں کی آواز سنائی دی۔ پھر ایک اونچا لمبا چقندر ایسی ناک والا جرمن ڈاکٹر میرے پاس کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ وہ شکل سے ڈاکٹر نہیں بلکہ قصاب لگ رہا تھا۔ میری کلائی پکڑ کر نبض دیکھی اور بولا۔ "اس کو تھوڑی سی ہی دوا کافی ہوگی۔"

پھر اس نے بڑی سختی سے بازو پر سے میری جیکٹ کی آستین کو اونچا کیا اور بازو پر ایک جگہ ربڑ کی نالی کو کس کر باندھ دیا۔ میرا بازو سن ہونے لگا۔ جرمن قصائی ڈاکٹر نے میرے بازو پر ایک جگہ پھولی ہوئی رگ کو انگلی سے ٹٹولا اور ٹرے میں رکھا ہوا انجکشن اٹھا کر میری رگ میں سوئی چبھو دی۔ پہلے تو مجھے کچھ بھی محسوس نہ ہوا دوا میری رگ میں برابر جا رہی تھی۔ میں انجکشن کو خوف زدہ نظروں سے تک رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ اپنے ذہن کو مدافعت پر بھی آمادہ کر رہا تھا۔ جرمن ڈاکٹر نے ٹوٹی پھوٹی عربی میں ہی کہا۔ "گنتی شروع

میں نے عربی میں گنتی شروع کر دی۔ میں ابھی چار تک ہی پہنچا تھا کہ میری زبان رکنے لگی۔ زبان میں لکنت آ گئی۔ میرا دماغ سن ہو رہا تھا آنکھیں بھاری ہونے لگی تھیں۔ آنکھوں کے آگے سیاہ کالے بادل سے امڈ رہے تھے۔ میں نے کن اکھیوں سے دیکھا کہ نیلی آنکھوں والا جرمن بریگیڈئر میرے سامنے اسٹول پر بیٹھ گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کاپی اور پنسل تھی۔ وہ میری طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر اس کے ہونٹ ہلنے لگے۔ وہ مجھ سے پوچھ رہا تھا۔

"تم بن غازی میں کس راستے سے داخل ہوئے تھے۔ تمہارے ساتھ لیلیٰ بھی تھی۔۔ کہاں چلی گئی تھی۔ تمہارے دوسرے ساتھی بن غازی میں کہاں کہاں ہیں۔۔۔"

جرمن بریگیڈئر کی آواز پہلے تو مجھے بالکل صاف سنائی دیتی رہی۔ پھر اس کی آواز دور ہو گئی اور مجھے اپنی آواز سنائی دینے لگی۔ میرا ارادہ بولنے کا نہیں تھا لیکن میں بول رہا تھا۔ مجھے اپنی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ جیسے دور سے آ رہی ہو۔ جو کچھ میں بول رہا تھا میں نہیں بولنا چاہتا تھا۔ مجھے احساس ہو رہا تھا کہ کوئی طاقت مجھے یہ باتیں کہنے سے پوری شدت سے روکنا چاہتی ہے لیکن الفاظ اور اپنی آواز پر جیسے میرا کنٹرول ختم ہو گیا تھا۔ میں بول رہا تھا۔ مجھے اپنی آواز آ رہی تھی۔ میں نے اپنی انڈین رجمنٹ کا نام بھی بتا دیا تھا۔ میں کہہ رہا تھا۔ "میں نے اسے شوٹ کر دیا۔ میں بھاگ اٹھا۔ لیلیٰ میرے ساتھ تھی۔ میں بن غازی آ گیا۔۔۔۔۔۔"

پھر میری آواز میں لکنت آ گئی۔ میں رک گیا۔ کسی نے میرے بازو کو پمپ کرنا شروع کر دیا۔ میری آواز پھر سے جاری ہو گئی۔ میں لبنی کے اناروں کے باغ والے مکان کا ذکر کر رہا تھا جہاں جرمن آرٹلری نے تین توپیں نصب کر رکھی ہیں۔ میں کہہ رہا تھا۔

"لیلیٰ میرے ساتھ تہہ خانے میں تھی۔ ہم فرار ہونا چاہتے تھے۔ لیلیٰ پریشان تھی۔ ہم رات کو چھپ کر کچن میں جا کر کھانے پینے کی چیزیں لاتے۔۔۔۔۔۔"

ایک بار پھر میں اپنے آپ رک گیا میرے بازو کو دوبارہ ہاتھوں سے پمپ کیا جانے لگا۔ میری آواز پھر جاری ہو گئی۔

"ہم گڑھے میں چھپ گئے۔ جرمن فوجی آئے۔ میں باہر تھا۔ مجھے پکڑ لیا گیا۔ لیلیٰ وہیں تھی۔ کاش وہ سلون گاؤں پہنچ گئی ہو۔ لیلیٰ کیا تم سلون پہنچ گئی ہو۔ میرے اللہ مجھے معاف کر دے، لبنی، لبنی میری وجہ سے تم تشدد کا نشانہ بن رہی ہو۔

لیلیٰ بھاگ جاؤ۔ جرمن آ رہے ہیں۔ تمہاری تلاش میں۔ بھاگ جاؤ۔ بھاگ جاؤ۔"

پھر میری آواز ڈوب گئی اور مجھے کوئی ہوش نہ رہا۔ جب ہوش آیا تو مجھ پر نشے کی کیفیت طاری تھی۔ پپوٹے بھاری تھے۔ جسم میں جیسے جان نہیں رہی تھی۔ اتنا ہوش ضرور تھا کہ مجھ سے پوچھ گچھ کے لئے جرمن ڈاکٹر نے مجھے کوئی خطرناک انجکشن دیا تھا جس کے اثر سے میں نے اپنا سارا کچا چٹھا میں اپنی مرضی کے خلاف بتا دیا تھا۔ مجھے یاد آنے لگا کہ میں نے انہیں یہ بھی بتا دیا تھا۔ میں انڈین آرمی کا بھگوڑا ہوں اور ایک گورے کو قتل کر کے بھاگا تھا۔ اس سے انہوں نے یہی نتیجہ نکالا ہو گا کہ میں نے کسی کو قتل وغیرہ نہیں کیا بلکہ مجھے انڈین آرمی کی انٹیلی جنس نے بن غازی میں جرمنوں کے خلاف تخریب کاری کے لئے بھیجا ہے۔ لیلیٰ کا نام بھی میں نے لے لیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ اس کے ساتھ جرمن توپوں کے مورچے کے قریب مکان کے تہہ خانے میں چھپا ہوا تھا۔ یہ ساری باتیں میرے خلاف ہی جاتی تھیں۔ میں خود پر کیا الزام دھرتا۔ یہ ساری باتیں میں نے اپنی مرضی سے نہیں بلکہ اس انجکشن کی زیر اثر بول دی تھیں میں اس وقت لیلیٰ کے بارے میں فکر مند تھا۔

میں نے پپوٹوں کو ہٹا کر دیکھا کہ میں ایک تنگ اور نیم روشن کوٹھری میں فرش پر پڑا ہوں۔ جس بات کی مجھے خوشی ہوئی وہ یہ تھی کہ میرے ہتھکڑی نہیں لگی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ جس کوٹھری میں پڑا ہوں وہ کبھی کسی وقت ہلکے سے ایک طرف کو اٹھ جاتی ہے اور پھر واپس اپنی جگہ پر آ جاتی ہے۔ میں نے فرش پر لیٹے لیٹے آنکھیں اٹھا کر دیوار کے اس سوراخ کو دیکھا جو روشن دان کی طرح تھا۔ ہلکی ہلکی دن کی روشنی اسی سوراخ میں سے اندر آ رہی تھی۔ یہ روشنی دھوپ کی نہیں تھی۔ لگتا تھا کہ دھوپ باہر کی دوسری چیز پر پڑ رہی تھی اور اس کا عکس روشن دان پر پڑ رہا ہے۔ میرا سر بھاری اور بوجھل تھا۔ کچھ دیر تو میں ویسے ہی ٹھنڈ میں فرش پر پڑا رہا۔ کچھ وقت کے بعد میں نے آہستہ آہستہ اپنے ہاتھ پاؤں ہلائے۔ میرا جسم اور جسم کے سارے جوڑ سلامت تھے۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر تک ہاتھوں سے سر کو پکڑ کر بیٹھا رہا۔ پھر چہرہ روشن دان کی طرف کر کے ٹکٹکی باندھ کر روشن دان کو دیکھنے لگا۔ روشن دان کے باہر اوپر کو چھجہ سا بنا ہوا تھا جس پر پانی کی لہروں کا دھوپ کی وجہ سے عکس پڑ رہا تھا جو کپکپا رہا تھا۔ اچانک مجھے خیال آ گیا کہ میں کسی جہاز کے کیبن یا جہاز کے اسٹور وغیرہ میں بند ہوں اور جہاز سمندر میں کھڑا ہے۔

میں روشن دان تک پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر کوٹھری میں کوئی ایسی چیز ہی نہیں تھی کہ جس کی مدد سے میں روشن دان تک پہنچ سکتا۔ روشن دان میں سلاخیں نہیں لگی تھیں۔ گول شیشہ فٹ تھا۔ وہ کم از کم پندرہ فٹ بلند ہو گا۔ باہر کوئی راہ داری تھی ادھر سے کبھی کبھی کسی کے گزرنے سے پاؤں کی آواز سنائی دے جاتی۔ یہ تیز تیز قدموں کی آواز ہوتی۔ جیسے کوئی کسی کے آرڈر پر بھاگا جا رہا ہو۔ کوئی انسانی آواز ابھی تک مجھے باہر یا چھت کے اوپر سے بھی سنائی نہیں دی تھی۔ میں روشن دان تک پہنچنے کی ترکیب پر غور ہی کر رہا تھا کہ باہر دو چار بھاری جوتوں کی تیز تیز آواز میرے کیبن کے باہر آ کر رک گئی۔ میں جلدی سے فرش پر اسی طرح لیٹ گیا۔ دروازہ کھلا' چار جرمن سپاہی اندر آئے' مجھے بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا اور ڈولی ڈنڈا کر کے راہ داری میں سے نکال کر لوہے کی سیڑھیاں عبور کر کے اوپر لے آئے۔

اوپر آ کر میں نے دیکھا کہ واقعی میں کسی پرانے جہاز کے عرشے پر ہوں۔ دونوں جانب عرشے پر اوپر سے نیچے کو مڑے ہوئے بڑے بڑے ہوا دان نصب تھے۔ ایک طرف لوہے کے لنگر کی مشین تھی۔ جہاز کے مستول پر کوئی جھنڈا نہیں تھا۔ آسمان پر غروب آفتاب کے بعد نارنجی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اور چاروں طرف سوائے گہرے نیلے سمندر کے اور کچھ نہیں تھا۔ جہاز ایک چٹان کے قریب لنگر انداز تھا۔ یہ دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے کہ عرشے پر ایک طرف تین جرمن سپاہی ہاتھ میں تھری ناٹ تھری کی رائفلیں پکڑے اٹین شن کھڑے تھے۔ کیا یہ فائرنگ اسکواڈ تھا؟ کیا یہ مجھے شوٹ کرنے کے لئے یہاں لائے تھے؟ ان کے یہ بعید نہ تھا۔ انہیں میرے سینے سے میرے دماغ سے جو کچھ اگلوانا تھا اگلوا لیا تھا۔ اب میں ان کے کسی کام کا نہیں تھا چنانچہ وہ مجھے شوٹ کر کے میری لاش سمندر میں پھینکنے والے تھے۔ لیکن ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ جو جرمن سپاہی مجھے لائے تھے انہوں نے مجھے عرشے پر ایک جگہ بٹھا دیا۔ اور جرمن سپاہی رائفل تانے میرے سر پر کھڑے ہو کر پہرہ دینے لگے۔ باقی جو سپاہی تھے وہ اوپر آسمان کی طرف آنکھیں اٹھائے دیکھ رہے تھے۔ میں بڑا حیران تھا کہ یہ مجھے اس لئے اوپر لائے ہیں اور آسمان کی طرف کیا دیکھ رہے ہیں۔ ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ مجھے پھڑپھڑاہٹ سی سنائی دی۔ یہ آواز اوپر سے آ رہی تھی۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ یہ ہیلی کاپٹر کی آواز تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک ہیلی کاپٹر آسمان پر نمودار ہوا۔ ڈوبتے سورج کی سنہری روشنی میں اس کا سامنے والا اسکرین چمک رہا تھا۔ یہ فوجی ہیلی کاپٹر تھا اس پر بنا ہوا نازی یعنی ہٹلر کی پارٹی کا سواستیکا کا نشان مجھے صاف نظر آ رہا تھا۔

کیا یہ مجھے یہاں سے کسی غیر آباد جزیرے پر چھوڑنے تو نہیں جا رہے؟ میں نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ ان جرمنوں کے تشدد سے تو غیر آباد جزیرہ ہزار درجے بہتر تھا۔ ہیلی کاپٹر نے جہاز کے اوپر ایک چکر لگایا۔ پھر ڈیک کے کونے کی طرف اتر گیا۔ ابھی اس کے پنکھے چل رہے تھے اور پوری طرح سے نہیں رکے تھے کہ جرمن سپاہیوں نے مجھے بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا اور کھینچتے ہوئے ہیلی کاپٹر کی طرف لے چلے۔ میں دل میں سوچ رہا تھا کہ یا تو مجھے کسی دوسرے ساحلی شہر کے قیدیوں کے کیمپ میں لے جا رہے ہیں اور یا پھر کسی ویران اور بے آباد سنگلاخ جزیرے کی طرف لے جا رہے ہیں۔ جہاں ان کے خیال میں بھوک و پیاس سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاؤں گا۔ مجھے جرمنوں کے بھیانک تشدد اور اذیت ناک عقوبت خانوں کے مقابلے میں ایسی موت دل سے قبول تھی۔ اور پھر یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ میں غیر آباد ویران جزیرے سے فرار ہونے کی کوئی سبیل نکال لوں۔ مجھے ہیلی کاپٹر میں بیٹھا ہوا لال چہرے والا پائلٹ نظر آ رہا تھا جس نے اپنی آنکھوں پر عینک چڑھا رکھی تھی۔ وہ انگوٹھے سے پیچھے کی طرف بار بار اشارہ کر رہا تھا۔ ہیلی کاپٹر کے پنکھے اب ساکن ہو گئے تھے ہیلی کاپٹر کا دروازہ کھول دیا گیا۔ ایک سیڑھی نیچے ڈال دی گئی تھی۔ دروازے میں دو جرمن سپاہی کاندھوں سے اسٹین گنیں لٹکائے کھڑے تھے۔ مجھے اٹھا کر ہیلی کاپٹر کے اندر بوری کی طرح پھینک دیا گیا۔ جو سپاہی ہیلی کاپٹر کے اندر موجود تھے انہوں نے فوراً مجھے دبوچ لیا اور گھسیٹتے ہوئے آمنے سامنے والی سیٹوں پر بٹھا دیا۔ سیڑھی کھینچ کر ہیلی کاپٹر کا دروازہ بند کر دیا گیا۔

ہیلی کاپٹر کا انجن غرایا۔ بڑے بڑے پنکھے گردش کرنے لگے۔ ایک شور سا بلند ہوا اور ہیلی کاپٹر ڈگمگاتا ہوا جہاز کے عرشے سے اٹھا اور سمندر کے اوپر سے ایک طرف کو غوطہ کھا گیا۔ میں دل میں بڑا خوش ہو رہا تھا کہ نیلی آنکھوں والے درندہ صفت جرمن بریگیڈیئر اور اس کے سفاک ساتھیوں سے تو جان چھوٹی۔ اب چاہے یہ مجھے جنگی قیدیوں کے کیمپ میں لے جائیں۔ چاہے کسی جہنمی جزیرے پر اتار دیں۔ کم از کم میں وحشیانہ تشدد سے تو بچ گیا ہوں۔ ہیلی کاپٹر نے سمندر میں کھڑے جہاز کے اوپر ایک چکر لگایا اور پھر ایک طرف روانہ ہو گیا۔ میں ہیلی کاپٹر کی دو سیٹوں کے درمیان فرش پر دھنسا ہوا بیٹھا تھا۔ یہ نئے جرمن سپاہی

تھے جن کی آنکھیں کرنجی تھیں اور مجھ پر رائفلیں تانے مجھے گھور رہے تھے۔ کسی بات پر وہ مسکرا کر ایک دوسرے سے کوئی ہنسی مذاق کی بات کر لیتے تھے۔ میں سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا۔ انکی زبان میری سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ میں اب یہی سوچ رہا تھا کہ جتنی جلدی ہو سکے کسی جنگی قیدیوں کے کیمپ یا غیر آباد جزیرے پہنچا دیا جاؤں تاکہ وہاں سے فرار ہونے کے منصوبے پر غور کرنا شروع کر دوں۔

ہیلی کاپٹر کوئی دس پندرہ منٹ تک اڑتا رہا۔ پھر مجھے ایسے لگا جیسے وہ فضا میں ایک جگہ کھڑا ہو گیا ہے۔ کاک پٹ میں بیٹھے ہوئے پائلٹ نے منہ پیچھے گھما کر اونچی آواز میں جرمن زبان میں کچھ کہا جس کے جواب میں میرے سر پر بیٹھے ہوئے جرمن سپاہی نے کوئی جواب دیا۔ وہ جلدی سے اٹھے اور انہوں نے میرے دیکھتے ہی دیکھتے ہیلی کاپٹر کا دروازہ کھول دیا اور خود پیچھے ہٹ آئے۔ پھر مجھے بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا۔ میرا دل ایک بھیانک خیال سے کانپ اٹھا۔ میرا جسم ٹھنڈا ہو گیا۔ میں نے ہیلی کاپٹر کی سیٹوں کو پکڑ لیا۔ جرمن سپاہیوں نے میرے ہاتھوں پر رائفل کے بٹ مارے اور پھر مجھے زبردستی اٹھایا اور اس سے پہلے کہ میں اپنا دفاع کر سکتا مجھے اٹھا کر ہیلی کاپٹر کے کھلے دروازے سے باہر پھینک دیا۔ میرے حلق سے چیخ نکل گئی اور میں نے آنکھیں بند کر لیں۔



میں نے ہیلی کاپٹر سے گرائے جانے کے کچھ سیکنڈ بعد آنکھیں کھول دیں۔

میں دیکھنا چاہتا تھا کہ سمندر میں کہاں گر رہا ہوں۔ مجھے خطرہ تھا کہ جرمنوں نے مجھے کسی ایسی جگہ گرایا ہو گا۔ جہاں سمندر کے نیچے نوکیلی چٹانیں چھپی ہوئی ہوں گی لیکن اس مختصر سے لمحے میں مجھے جتنی دعائیں یاد تھیں پڑھ لیں۔ میں گہرے نیلے رنگ کے بیکراں سمندر میں بھاری پتھر کی طرح گرا اور پانی میں نیچے ہی نیچے اترتا چلا گیا۔ وہاں پانی کے نیچے چٹانیں نہیں تھیں ورنہ میرے پرخچے اڑ جاتے۔ میں نے اپنا سانس روک لیا تھا سمندر وہاں بے پناہ گہرا تھا۔ میرے پاؤں کسی بھی سخت تہ سے نہ ٹکرائے اور میں اپنے آپ ایک جگہ پانی میں ہی رک گیا۔ یہ بات میرے ذہن میں تھی کہ اگر میں لہروں پر ابھرا تو اوپر ہیلی کاپٹر سے مجھ پر گولیاں چلائی جائیں گی تیرنا مجھے بچپن ہی سے آتا تھا اور فوج میں اپنے یونٹ کا بڑا اچھا تیراک مانا جاتا تھا۔ میں نے سمندر کے اوپر ابھرنے کی بجائے اندر ہی اندر ایک طرف تیرنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دور جانے کے بعد میرا سانس پورا ہو گیا۔ اب مجھے ہوا میں تازہ سانس لینے کی ضرورت تھی۔ لیکن سمندر کے اوپر موت منڈلا رہی تھی میرے پھیپھڑوں میں بھری ہوئی آکسیجن ختم ہو گئی تھی اور اب ایسا لگ رہا تھا جیسے ابھی پھٹ جائیں گے۔

میرا جسم میری مرضی کے بغیر اپنے آپ اوپر اٹھنے لگا۔ اور پھر میں نے پانی سے باہر سر نکال کر ایک گہرا سانس لیا۔ میری حالت غیر ہو رہی تھی اگر میں چند سیکنڈ دیر کر دیتا تو پانی کے اندر میری موت یقینی تھی سمندر کی ایک پہاڑ ایسی لہر مجھے اٹھا کر ایک طرف لے گئی میں نے بے اختیار اوپر آسمان کی طرف دیکھا آسمان خالی تھا وہاں کوئی ہیلی کاپٹر نہیں تھا۔ ایک لمبا سانس کھینچ کر میں نے پھر غوطہ لگایا اور سمندر کے اندر ہی اندر دور تک تیرتا چلا گیا۔ جب سانس ختم ہو گیا اور بند آنکھوں کے آگے ستارے ناچنے لگے تو تیزی سے ا

طرف اٹھا۔ سر سمندر سے باہر نکالا تو ایک پہاڑ ایسی لہر مجھے اٹھا کر تیزی سے ایک طرف لے گئی۔ ایک بار پھر میں سمندر کے نیچے تھا۔ میں اس چٹان سے دور نکل جانا چاہتا تھا جس کے قریب ترین جہاز لنگر انداز تھا اور جہاں سے ہیلی کاپٹر مجھے لے کر اڑا تھا۔ لہروں کے تھپیڑے مجھے کچھ نہیں دیکھنے دے رہے تھے۔ سمندر کی موجیں مجھے تنکے کی طرح ادھر ادھر پھینک رہی تھیں۔ کچھ لمحوں بعد قدرے سکون ملا تو میں نے ہاتھ پاؤں چلاتے ہوئے سمندر سے سر نکال کر دیکھا۔ جرمن جہاز والی چٹان کا کہیں نام و نشان تک دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ہیلی کاپٹر مجھے سمندر کے کافی اندر لا کر پھینک گیا تھا۔

میں اسی بات پر خوش تھا کہ جرمن ہیلی کاپٹر جا چکا تھا۔ ورنہ اب تک سمندر میں میری لاش تیر رہی ہوتی۔ میں نے خدا کے حضور اپنی زندگی کے لئے دعا مانگی اور ایک طرف تیرنا شروع کر دیا۔ اگر آدمی اپنے ہوش و حواس قابو میں رکھے تو سمندر میں تیرنا تالاب اور دریا کی نسبت زیادہ آسان ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نمک کی بھاری مقدار کے باعث سمندر کا پانی بھاری ہوتا ہے اور وہ انسان کو اتنی آسانی سے نیچے نہیں جانے دیتا۔ دوسری بات یہ ہوتی ہے کہ سمندر کی لہریں وسط میں جا کر ایک طرف تیز بہاؤ سے نہیں بہتیں جب کہ وسیع رقبے میں ایک ہی جگہ اوپر نیچے ہوتی رہتی ہیں۔ آدمی اگر مردہ تاری جانتا ہو اور سمندر کے اوپر دم سادھ کر سیدھا لیٹ جائے تو کئی میل تک بغیر تیرے بہ سکتا ہے۔ میں نے بھی ایسے ہی کیا اور سمندر کی لہروں پر سیدھا لیٹ گیا۔ میں پھیپھڑوں میں سانس بھرتا اور پھر اسے آہستہ آہستہ چھوڑتا اور دوبارہ سانس بھر لیتا۔ یوں میں لہروں پر دور تک نکل گیا۔ جب تھک گیا تو میں دوبارہ تیرنے لگا۔

مگر جب سمندر کی بیکراں وسعت کو دیکھتا تو میرا دل بیٹھنے لگتا۔ آخر اتنے وسیع سمندر میں میں کب تک تیر سکوں گا پھر یہ خوف بھی تھا کہ کسی شارک مچھلی کا شکار نہ ہو جاؤں۔ لیکن میں نے ہمت نہ ہاری اور تیرتا چلا گیا۔ میں آہستہ آہستہ ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا۔ سورج میرے دائیں جانب تھا۔ میں اس انداز سے تیر رہا تھا کہ بن غازی کے ساحل سے جتنی دور نکل سکوں نکل جاؤں۔ تیرتے تیرتے اب میرے ہاتھ پاؤں شل ہونے لگے تھے۔ جسم کی طاقت نے جواب دے دیا تھا۔ میری آنکھوں میں میرے ماں باپ دوستوں اور لیلی کی شکلیں پھرنے لگیں۔ خدا جانے لالی کس حال میں ہوگی کہاں ہوگی۔ اسے بڑی تشویش ہو

گی کہ میں بحیرہ روم میں بیکراں پانیوں میں زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہا ہوں۔ میری زندگی ابھی باقی تھی۔ اللہ نے مجھے بچانا تھا۔ اس نے ایک سبب بنا دیا۔ میں تیرتے تیرتے تھک کر چور ہو چکا تھا۔ میرے بازو بڑی مشکل سے سمندری لہروں پر چل رہے تھے۔ سر بار بار پانی میں ڈوب جاتا۔ جسے میں جلدی سے باہر نکال لیتا تھا۔ ایک بار سر باہر نکال کر جھٹکا تو مجھے سمندر پر سیاہ رنگ کی کوئی شے تیرتی نظر آئی۔ پہلے میں سمجھا یہ کوئی بڑی مچھلی ہے اور میری بو پا کر میری طرف بڑھ رہی ہے اور ابھی مجھے دو ٹکڑے کر کے ہڑپ کر جائے گی لیکن جب یہ کالی شے میرے قریب آئی تو دیکھا کہ کھجور کے درخت کا کٹا ہوا تنا تھا جو لہروں پر خدا جانے کہاں سے بہتا چلا آ رہا تھا۔

مجھے یقین ہو گیا کہ خدا نے مجھے بچا لیا ہے۔ میرے جسم میں ایک نئی طاقت آ گئی۔ میں تیزی سے کھجور کے تنے کی طرف بڑھنے لگا۔ تنا لہروں پر اوپر نیچے ہوتا میری بائیں طرف سے گزرنے لگا تو دیوانہ وار ہاتھ چلاتا اس کی طرف بڑھا اور اسے پکڑ لیا۔ کھجور کے تنے کا رنگ سیاہ ہو چکا تھا۔ اس کی سطح کھردری ہونے کے وجہ سے میرے ہاتھ کی گرفت اس پر مضبوط ہو گئی تھی۔ میں نے اپنے آپ کو اس کے اوپر گرا دیا۔ اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے مجھے ڈوبتے ڈوبتے اپنے بازوؤں میں اٹھا لیا ہو۔ میں کھجور کے درخت کے تنے سے چمٹا ہوا تھا۔ اور سمندر کی موجیں ہم دونوں کو ایک طرف بہائے لئے جا رہی تھیں۔ لہروں کی رفتار بہت مدھم تھی۔ کسی وقت مجھے لگتا کہ میں اور درخت کا تنا ایک ہی جگہ اوپر نیچے ہو رہے ہیں لیکن ایسا نہیں تھا۔ سمندر کی لہریں اوپر نیچے بھی ہو رہی تھیں۔ تنے سے لپٹنے کے بعد میرے جسم کو سکون نصیب ہونے لگا تھا۔ اب مجھے تیرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں تنے سے لپٹا ہوا تھا۔ تنا کافی بڑا تھا۔ میں کوشش کر کے اس کے اوپر کی طرف آ کر لیٹ گیا۔ میرے دونوں بازو اس کے گرد چمٹے ہوئے تھے۔ یہ بھی کافی مشقت طلب کام تھا لیکن میں تیرنے اور ڈوبنے سے بچ گیا تھا۔

سورج مغرب کی طرف سمندر کے اوپر جھکنے لگا تھا۔ شام ہونے والی تھی۔ میرے چاروں طرف سمندر ہی سمندر تھا۔ کھلے سمندر میں کسی طرف ساحل نظر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں نے اپنا سر کھجور کے درخت کے تنے کے ساتھ لگا دیا اور خدا کو یاد کرنے لگا۔ پھر سورج کا تھال سرخ ہو کر سمندر میں ڈوبنے لگا اور سمندر کا رنگ لال ہو گیا۔

اس کے بعد جب سورج غروب ہو گیا۔ کچھ دیر آسمان پر شفق کی لالی باقی رہی پھر چاروں طرف اندھیرا چھا گیا اور آسمان پر تارے نکل آئے۔ سمندر کا پانی میرے حلق میں کئی بار چلا گیا تھا جس کی جہ سے میری زبان کڑوی ہو رہی تھی۔ مجھے پیاس محسوس ہو رہی تھی مگر سمندر کا پانی نہیں پی سکتا تھا۔ ابھی مجھے پیاس اتنی نہیں تھی کہ مجھ سے برداشت نہ ہو سکتی۔ آپ کو یقین نہیں آئے گا لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں کھلے سمندر میں درخت کے تنے سے چمٹے کئی بار سو ہی گیا۔ کسی لمحے غنودگی طاری ہوتی اور میں اپنے آپ سے بے خبر سو جاتا۔ ایسے ہی سوتے جاگتے تنے سے لپٹے ساری رات گزر گئی۔ میں سورج کی روشنی کا بے تابی سے انتظار کر رہا تھا کہ شاید میری قسمت یاوری کرے اور مجھے کسی طرف سے زمین نظر آجائے۔ خدا خدا کر کے صبح ہوئی۔

سمندر پر سورج کے طلوع ہوتے ہی روشنی پھیل گئی۔ میں نے پانی میں شرابور چہرہ اٹھا کر تھکی ہوئی آنکھوں سے ارد گرد دیکھا۔ پہلے تو مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ لیکن جب ہر بار پلکیں جھپکنے کے بعد مجھے مشرق کی سمت ایک سیاہ لکیر "شرقاً غرباً" کھنچی ہوئی نظر آئی تو میرا تھکا ہوا چہرہ ایک بار خوشی سے کھل اٹھا۔ یہ سیاہ لکیر یقیناً زمین تھی۔ شاید یہ کوئی جزیرہ تھا۔ میں تو اس وقت سمندر سے نکل کر جہنم میں بھی جانے کو تیار تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ لہروں کی رفتار تیز ہو گئی ہے۔ یہ لہریں زمین کے ساحل کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ زمین کی لکیر ابھر کر نمایاں ہو رہی تھی۔ کچھ دیر کے بعد ریت کے چھوٹے بڑے ٹیلوں کا سلسلہ نظر آنے لگا جو ایک طرف سے دوسری طرف دور تک پھیلتا چلا گیا۔ اتنا اطمینان تھا کہ میں راتوں رات سمندر میں بہتا کافی دور نکل آیا ہوں اور جس ساحل پر میں اترنے والا ہوں وہ بن غازی کے صحرائے اعظم کا ہی کوئی حصہ ہو گا اور یہاں تک جنگ نہیں پہنچی ہو گی کیونکہ جنگ شمال کی طرف بن غازی 'طبروق اور العالمین کی طرف ہو رہی تھی۔

مجھے ساحل کے ساتھ ساتھ لگتے لگتے ایک پہر دن گزر گیا۔ سمندر کی تیز لہروں نے مجھے کھجور کے درخت کے ساتھ ہی ساحل کی ریت پر پھینک دیا۔ کچھ دیر میں ٹھنڈی ریت پر ہی پڑا رہا۔ فضا سورج کے نکلتے ہی گرم ہونا شروع ہو گئی تھی۔ پیاس سے میرے حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے۔ زبان سوکھ رہی تھی۔ میں ریت سے اٹھا اور سامنے والے ریت کے ٹیلوں کی طرف چل پڑا۔ دھوپ خوب نکل آئی تھی۔ سورج نے ریت کو تپانا شروع کر دیا تھا۔ ریت

کے ٹیلوں تک پہنچتے پہنچتے میرے گیلے کپڑے کافی حد تک خشک ہو گئے۔ میرا خیال تھا کہ ریت کے ٹیلوں کے پار ضرور کوئی چھوٹا سا گاؤں ہو گا۔ ساحل سمندر کے قریب ماہی گیروں کے گاؤں ضرور ہوا کرتے ہیں۔ لیکن وہاں سوائے ریت کے ٹیلوں کے دوسری کوئی چیز نظر نہیں آ رہی تھی۔ اوپر سورج تھا اور نیچے ریت کے ٹیلے تھے۔ ایک ٹیلہ ختم ہوتا تو دوسرا شروع ہو جاتا۔ ریت سخت تھی اور تپ رہی تھی۔ میں گھبرا سا گیا کہ سمندر میں ڈوبنے سے تو بچ گیا ہوں اب کہیں صحرا میں بھوکا پیاسا نہ مر جاؤں۔

میں نے ہمت نہ ہاری اور سفر جاری رکھا۔ لیکن سورج کی تپش نے مجھے بہت جلد نڈھال کر دیا اور میں ایک ٹیلے کے سائے میں بیٹھ گیا۔ بھوک بھی تھی لیکن پیاس سے جان نکلی جا رہی تھی۔ تھوڑی دیر ٹیلے کی چھاؤں میں ستانے کے بعد میں نے سوچا کہ ٹیلے کے اوپر چڑھ کر دیکھنا چاہئے کہ یہ مصیبت کا سلسلہ کہاں تک چلا گیا ہے۔ کسی نہ کسی طرح میں ریت میں پاؤں چلاتا ٹیلے کے اوپر آ گیا۔ ایک نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ کچھ دور ریت کے ٹیلے تو ختم ہو گئے ہیں لیکن آگے ایک وسیع و عریض صحرا ہے جو تیز دھوپ میں تپ رہا ہے۔ میں مایوسی کے عالم میں نیچے اترا اور ٹیلے کی اوٹ میں سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ سوچا جب دھوپ ڈھلے تب اپنا سفر شروع کر دوں۔ شاید کسی طرف کوئی آبادی مل جائے لیکن پیاس میرے جسم کے خون کو خشک کرنے لگی تھی۔ مجھ پر شدید نقاہت طاری ہونے لگی۔ ایسا محسوس ہونے لگا کہ اگر کچھ دیر تک پانی کے دو گھونٹ میرے جسم میں نہ گئے تو میں زندہ نہیں رہ سکوں گا۔ میں بے اختیار ہو کر آگے چلنے لگا۔ ایک ٹیلہ ختم ہوا۔ دوسرا ٹیلہ عبور کیا۔ تیسرے ٹیلے کے پاس پہنچا تو اچانک میری نگاہ ایک چھوٹے سے کیکری درخت پر پڑی جس پر کانٹے ہی کانٹے اگے ہوئے تھے لیکن اس کے تنے پر زمین سے کوئی چار فٹ اوپر تربوز جتنے بڑے دو پھل لگے ہوئے تھے۔ میں درخت کی طرف بڑھا۔ درخت کے پاس پہنچ کر دونوں ہاتھوں سے تربوز ایسا پھل اتارا۔ اسے ریت پر رکھ کر توڑا تو دیکھا تو اس کے اندر سفید پانی بھرا ہوا تھا۔ کچھ سوچے سمجھے بغیر میں نے دیوانوں کی طرح غٹا غٹ پانی پینا شروع کر دیا۔ خدا جانے یہ کس قسم کا صحرائی پھل تھا۔ اس کا پانی شیریں اور خوشبودار تھا۔ میٹھا پانی پی کر میری جان میں جان آئی۔ آنکھوں کی روشنی اور جسم کی توانائی واپس آنے لگی پھل کے اندر گودا بھی تھا۔ میں سارا گودا کھا گیا جو پھیکا تھا۔ لیکن اس نے میرا پیٹ بھر دیا۔ میں نے درخت پر لگا ہوا دوسرا

تربوز نما پھل بھی اتار لیا اور اسے بغل میں دبا کر ایک ٹیلے کی چھاؤں میں بیٹھ گیا۔ پہلی بار مجھے زندگی کا احساس ہوا۔ یہ معلوم ہوا کہ میں زندوں میں ہوں۔ اور زندہ رہ سکتا ہوں۔

دوسرا پھل توڑ کر میٹھا پانی پینے کو بے حد دل چاہ رہا تھا لیکن مجھے معلوم تھا کہ صحرا میں زندہ رہنے کی صرف وہی ایک امید ہے اور اگر میں نے اسے اسی وقت پی لیا تو آگے خدا جانے کب تک پانی ملے نہ ملے۔ میں صبر کر کے بیٹھا رہا۔ دھوپ بہت تیز ہو گئی تھی۔ صحرا کی اذیت دہ ریتیلی زمین پر سے گرمی کے بخارات اٹھ رہے تھے۔ میں پسینے میں شرابور تھا۔ اگرچہ ٹیلے کے مختصر سے سائے میں بیٹھا تھا اس کے باوجود صحرا کی تپش میرے جسم کو چیرتی ہوئی گزر رہی تھی۔ کسی نہ کسی طرح دن گزر گیا۔ سورج کے ڈھلتے ہی صحرا کی تپش ختم ہو گئی اور فضا آہستہ آہستہ خنک ہونے لگی۔ میں اٹھا اور ایک طرف چل پڑا۔ میرا وہاں بیٹھے رہنا اور صحرا میں چلتے رہنا' دونوں ایک برابر تھا۔ اگر ایک جگہ بیٹھا رہتا ہوں تب بھی موت میرے سامنے تھی اور اگر صحرا میں چلتا ہوں تب بھی موت میری ہمسفر تھی۔ لیکن سفر جاری رکھنے سے ایک موہوم سی امید ضرور تھی کہ شاید کہیں کوئی سفر کرتا قافلہ یا کوئی گاؤں نظر آ جائے۔ لیبیا کے صحراؤں کے بارے میں میں نے بڑی بڑی خوفناک اور بھیانک باتیں سن رکھی تھیں کہ ان صحراؤں میں اگر آدمی ایک بار بھٹک جائے تو پھر موت اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ میرے پاس صحرائی درخت کا جو دوسرا تربوز نما پھل تھا وہ میں نے کھا لیا تھا۔ صحرا کی تپش کافی کم ہو چکی تھی۔ میں اٹھا اور ایک طرف چل پڑا۔ اس امید کے ساتھ کہ شاید آگے کوئی آبادی نظر آ جائے۔

پہلے زمین سخت تھی۔ اس کے بعد بھربھری ہو گئی اور ایک بار پھر صحرا کی نرم ریت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ سورج میری بائیں جانب دور ٹیلوں کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ میں خدا جانے عالم وارفتگی میں کب تک چلتا رہا کہ اچانک مجھے صحرا میں کچھ فاصلے پر درختوں کے جھنڈ دکھائی دئے۔ میں بے اختیار ہو کر انکی طرف تیز تیز چلنے لگا۔ پہلے میں ان درختوں کو وہم سمجھا مگر نہیں ------ یہ کھجور کے درختوں کے جھنڈ تھے اور ان کے نیچے مجھے کچی دیواریں بھی دکھائی دینے لگی تھیں۔ یہ کوئی صحرائی گاؤں تھا۔ جیسے مجھے ایک نئی زندگی مل گئی میرے قدم تیز ہو گئے۔ میرے پاؤں ریت میں دھنس رہے تھے مگر میں انہیں گھسیٹتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ منظر واضح ہو گیا۔ میں چند ایک کچی دیواروں والے مکانوں کے قریب آ گیا تھا

جن کے باہر ایک طرف کھجوروں کے جھنڈوں میں اب مجھے کچھ اونٹ اور ایک خیمہ بھی نظر آیا۔ میں تھکان سے چور تھا۔ درختوں کے جھنڈ میں پہنچ کر میں خیمے کے پاس نڈھال ہو کر زمین پر بیٹھ گیا۔ میرا سر چکرا رہا تھا اور آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا تھا۔ میں نے دو آدمیوں کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ اس کے بعد مجھے کوئی ہوش نہ رہا۔

جب ہوش آیا کھجور کے درخت تلے دری پر لیٹا تھا اور میرے دائیں بائیں لمبی داڑھیوں اور چمکیلی آنکھوں والے تین شخص بیٹھے میری طرف غور سے دیکھ رہے تھے۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میں نے کچھ بولنا چاہا تو ایک آدمی نے مجھے اشارے سے بولنے سے منع کیا۔ اس کے ہاتھ میں مٹی کا پیالہ تھا جس میں گرم دودھ تھا۔ اس نے پیالہ میرے ہونٹوں کے ساتھ لگا دیا۔ نیم گرم دودھ پینے کے بعد مجھے ہوش آ گیا۔ اسی آدمی نے مجھ سے پوچھا کہ میں اس خونی صحرا میں کیسے نکل آیا تھا۔ میں عربی زبان بھی روانی سے بول لیتا تھا۔ میں نے انہیں ایک فرضی کہانی سنا دی کہ قافلے سے بچھڑ کر صحرا میں بھٹک گیا تھا۔ پھر ان کا شکریہ ادا کیا اور پوچھا کہ یہ کون سی جگہ ہے۔ یہ بات معلوم کرنے کے لئے میں سخت بے تاب تھا۔ ان کی زبانی معلوم ہوا کہ میں بن غازی سے جنوب کی طرف الجزائر کی سرحد والے صحرا کے کنارے نکل آیا ہوں۔ میں جرمنوں کے بارے میں پوچھا تو ایک عرب نے بتایا کہ جنگ ان سے کافی دور اوپر العالمین میں ہو رہی ہے۔ بن غازی پر ابھی تک جرمنوں کا قبضہ ہے تب ایک دوسرا شخص صحرا میں ایک جانب اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"اگر تم اس طرف نکل جاتے تو کبھی واپس نہیں آ سکتے تھے تم خوش قسمت ہو کہ دائیں جانب کے ٹیلوں میں سفر کرتے رہے۔"

بوڑھا آدمی بولا۔ "ابھی تم آرام کرو۔"

ان لوگوں نے میری بڑی خاطرداری کی۔ رات ہو گئی تھی۔ میں نے ان کے ساتھ کھانا کھایا اور ایک خیمے کے اندر بستر پر لیٹ گیا۔ بوڑھا شخص میرے پاس بیٹھا مجھ سے باتیں کرنے لگا۔ وہ بتانے لگا کہ گاؤں میں چند ایک مکان ہی ہیں ہم سب لوگ محنت مزدوری کرتے ہیں۔ "میرے کچھ کھجوروں کے درخت ہیں۔ اللہ کا شکر ہے۔ گزارہ ہو جاتا ہے۔"

میں نے اس گاؤں میں داخل ہونے کے بعد ایک خاص بات نوٹ کی تھی کہ وہاں کوئی نوجوان نظر نہیں آ رہا تھا۔ سب بوڑھے تھے اور عورتیں گھروں میں ہی تھیں۔ جب میں

نے اپنے میزبان سے اس بات کی وضاحت چاہی اور پوچھا کہ گاؤں میں کوئی نوجوان کیوں نہیں ہے تو اس نے دبی زبان میں کہا۔ "سب نوجوان گاؤں چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔"

میں نے تعجب سے اس کی وجہ پوچھی تو وہ بولا۔ "یہاں تین کوس جنوب میں شاطہ کا نخلستان ہے وہاں اطالوی فوج نے قیدی عورتوں کا جنگی کیمپ بنا رکھا ہے وہ لوگ ہمارے نوجوانوں سے بیگار کراتے تھے انہیں پکڑ کر لے جاتے صبح سے شام تک قیدی کیمپ میں مشقت کراتے اور زدوکوب بھی کرتے تھے تنگ آکر نوجوان گاؤں چھوڑ کر چلے گئے اب یہاں صرف بوڑھے ہی رہ گئے ہیں ہم نے اپنی عورتوں کو بھی یہاں سے بھیج دیا ہے صرف چند ایک بڑی بوڑھیاں ہی گاؤں میں رہ رہی ہیں اچھا اب آرام کرو۔ صبح تمہارے سفر کا کوئی بندوبست ہو جائے گا۔"

جنگی قیدی کیمپ کا سنکر میرے جسم میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔ دوبارا گرفتاری کے مواقع موجود تھے میں نے اس موضوع پر مزید گفتگو کرنی پسند نہ کی اور سونے کا بہانہ بنا کر آنکھیں موند لیں۔ میں نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ منہ اندھیرے یہاں سے کسی دوسری طرف نکل جاؤں گا۔

لیکن میں صدیوں کا تھکا ہوا تھا۔ ایک جان کاہ سمندری اور صحرائی سفر کے بعد پیٹ بھر کر کھانے کو ملا تھا۔ ایسا بے سدھ ہو کر سویا کہ جب آنکھ کھلی تو باہر شور مچا تھا اور دن چڑھ آیا تھا۔ میں بڑبڑا کر اٹھ بیٹھا کیونکہ میں نے فوجی ٹرک کی آواز سنی تھی میرے پاس کوئی بھی نہیں تھا۔ میں خیمے سے باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں پچاس ساٹھ کے قریب مسلح اطالوی فوجیوں نے گاؤں کو گھیرے میں لے رکھا ہے اور چیخ چیخ کر شور مچاتے ہوئے رائفلوں کے بٹ مارتے ادھیڑ عمر گاؤں والوں کو فوجی ٹرکوں کی طرف ہانکے لئے جا رہے ہیں میں معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا۔ جلدی سے واپس خیمے میں گھس کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں دو مسلح اطالوی رائفلیں تانے خیمے میں آ گئے اور سنگینوں کا رخ میری طرف کرتے ہی مجھے ٹھڈا مار کر خیمے سے باہر لے آئے۔ باہر دو فوجی ٹرکوں میں گاؤں کے ادھیڑ عمر بوڑھے اور نوعمر بچے سہمے ہوئے بیٹھے مجھے بھی زبردستی ایک ٹرک میں دھکیل دیا گیا۔ ہمارے سر پر اطالوی فوجی رائفلیں لئے کھڑے تھے۔ فوجی ٹرک صحرا کی دھوپ میں ایک طرف چل پڑے۔

میرے ٹرک میں میرا میزبان بھی سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اس نے ایک پل کے لئے نظریں

اٹھا کر میری طرف دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ ہمیں بیگار کے لئے شاطہ کے جنگی کیمپ لے جایا جا رہا ہے اگرچہ یہ اطالوی رجمنٹ کے سپاہی تھی اور مجھے جرمنوں نے گرفتار کیا تھا اس کے باوجود زبردست خطرہ میرے سر پر منڈلا رہا تھا اگر وہاں کسی نے مجھے پہچان لیا تو مجھے شوٹ کر دیا جائے گا۔ صحرا کی سخت گرمی میں ٹرک کا لوہا تپ رہا تھا۔ میں بے بسی کے عالم میں اپنے میزبان عرب کے قریب چپ چاپ بیٹھا تھا۔ ہمیں ایک دوسرے سے کسی قسم کی بات کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ ایک بوڑھے نے اپنے ساتھی سے بات کرنے کی کوشش کی تو اطالوی فوجی نے رائفل کی سنگین اس کی گردن میں چھوتے ہوئے اس خاموش کرا دیا۔

صحرا میں تین کوس فاصلہ طے کرتے زیادہ دیر نہ لگی اور تھوڑی ہی دیر بعد مجھے جنوب کی جانب صحرا میں لمبی لمبی تین چار فوجی بیرکیں نظر آئیں ہمارے ٹرک ان بیرکوں کے آگے سے گزرے۔ بیرکوں کے سامنے درجن کے قریب فوجی ٹرک کھڑے تھے جن پر مشین گنیں نصب تھیں بیرکوں کے سامنے جرمنی کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ بیرکوں سے کچھ ہی دور سامنے جنگی قیدیوں کا کیمپ آ گیا بیرکوں کی دیواریں مٹی کی تھیں مگر جنگی کیمپ کا طویل احاطہ خاردار تاروں سے گھرا ہوا تھا۔ اس کے چاروں کونوں پر مچانوں پر گن پوسٹیں بنی ہوئی تھیں کیمپ کے اندر لکڑی کے چھوٹے چھوٹے بے شمار کوارٹر بنے ہوئے تھے یہ جنگی قیدیوں کا کیمپ تھا جہاں عورتیں قید تھیں خدا جانے کہاں کہاں سے اور کس کس جرم یا الزام میں ان عورتوں کو لا کر اطالویوں نے یہاں قید میں ڈال رکھا تھا۔ اس جنگی کیمپ کا ایک ہی بڑا گیٹ تھا جو لکڑی کے چوکھٹوں پر خاردار تار لگا کر بنایا گیا تھا۔ گیٹ کے آگے اندر اور باہر کی جانب دو فوجی ٹرک موجود تھے جن پر مشین گنیں لگی تھیں۔ دو اطالوی فوجی ایک چوبی شیڈ کے نیچے سنگین اٹھائے پہرہ دے رہے تھے۔

ہمارے ٹرک جنگی کیمپ کے اندر جا کر ایک طرف کھڑے ہو گئے ہمیں بھیڑ بکریوں کی طرح ٹرکوں سے اتارا گیا وہاں سے چار چار چھ چھ کی ٹولیوں کی شکل میں مختلف قیدی کوارٹروں کی طرف لے جایا گیا ہمارے ہاتھوں میں لکڑی کے پھاوڑے تھما دیئے گئے اور حکم ملا کہ قیدیوں کے کوارٹروں کے درمیان جو راستہ ہے اسے صاف کریں۔

انکار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا میں بھی پھاوڑا لے کر زمین پر بکھرے ہوئے چھوٹے

چھوٹے پتھروں کو ادھر ادھر ہٹانے لگا۔ مجھے کچھ قیدی عورتیں بھی نظر آئیں‘ جن میں سے کچھ تو لکڑی کے دروازوں میں فرش پر بیٹھی تھیں اور کچھ سلاخوں والی کھڑکی کے پیچھے سے ہمیں اداس نظروں سے تک رہی تھیں۔ اتنے میں دو اطالوی فوجی بھاگے ہوئے آئے اور جو عورتیں دروازوں میں بیٹھی تھیں انہیں ٹھڈے مار کر اندر کیا اور دروازے بند کر دیئے۔ شاید وہ نہیں چاہتے تھے کہ قیدی عورتیں کسی سویلین سے کوئی بات کریں دھوپ تیز ہو گئی تھی۔ صحرا میں گرمی پڑنے لگی تھی۔ گاؤں کے ادھیڑ عمر آدمی اور بچے بھی میرے ساتھ اس چلچلاتی دھوپ میں کام کر رہے تھے سب پسینے میں شرابور تھے میں عجیب مصیبت میں پھنس گیا تھا۔ خدا کا شکر تھا کہ وہاں مجھے کسی نے نہیں پہچانا تھا۔ یہ لوگ زیادہ تر اطالوی ہی تھے۔ یہ جنگی کیمپ بھی کسی اطالوی رجمنٹ ہی کے زیر انتظام تھا۔ اس وجہ سے میں ابھی تک بچا ہوا تھا میں نے سوچ لیا کہ جس وقت اس مشقت سے نجات ملے گی اور میں دوسرے لوگوں کے ساتھ گاؤں واپس جاؤں گا۔ تو جتنی جلدی ہو سکے گا راتوں رات گاؤں سے کسی طرف فرار ہو جاؤں گا۔ دو ڈھائی گھنٹوں میں ہم نے قیدی کوارٹروں کے درمیان والی روش کو صاف کر کے پتھروں کی چھوٹی چھوٹی ڈھیریاں لگا دیں میرا خیال تھا کہ اب ہمیں اس بیگار سے نجات مل جائے گی لیکن ایسا نہ ہوا۔ جب وہ روش صاف ہو گئی تو ہمیں کوارٹروں کے سامنے کی جانب لایا گیا اور حکم ملا کہ کوارٹروں کے آگے جو چھوٹی سی جگہ ہے وہاں کیاریاں بناؤ۔ اب ہم سے پھاوڑے لے لئے گئے اور چھوٹی چھوٹی کھرپیاں تھما دی گئیں۔ ہم کوارٹروں کے آگے زمین پر بیٹھ گئے اور کھرپیوں کی مدد سے کیاریاں بنانے لگے۔ ہمیں وہیں ڈونگوں میں پانی پینے کو دیا جاتا تھا مسلح اطالوی سپاہی کہیں کہیں کوارٹروں کے سائے میں کھڑے ہم پر نگاہ رکھے ہوئے تھے لیکن میں نے اطالوی سپاہیوں کو جرمنوں کے مقابلے میں بے فکرے‘ غیر ذمہ دار اور فرض ناشناس پایا۔ ان کی یہ بے فکری غیر ذمہ داری میرے لئے مفید ثابت ہوئی یہ آپ کو آگے چل کر معلوم ہو گا۔

ہم زمین پر بیٹھے کھرپیوں سے کیاریوں کی مٹی ادھر ادھر کر رہے تھے جنگی قیدی عورتوں کے کوارٹروں کی سیڑھیاں ہم سے چند قدم کے فاصلے پر ہمارے عقب میں تھیں۔ کوئی قیدی عورت باہر نظر نہیں آ رہی تھی۔ مرغی کے ڈربوں جیسے کوارٹروں کے دروازے بند تھے کھڑکیاں بھی بند تھیں کسی ڈربے سے کسی عورت کے آواز بھی نہیں

آ رہی تھی مجھے کسی عورت کو دیکھنے یا اس کی آواز سننے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ پسینے بہہ رہے تھے اور میں گاؤں کے آدمیوں کے ساتھ کیاریاں بنانے میں لگا تھا۔ اچانک مجھے ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی میرے پیچھے لکڑی کی دیوار پر ٹھک ٹھک کر رہا ہے پہلے تو نے میں کوئی خیال نہ یا لیکن جب یہ آواز تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد دو تین بار سنائی دی تو میں نے کھرپی چلاتے چلاتے آہستہ سے گردن گھما کر پیچھے دیکھا۔ کوارٹر کا دروازہ بند تھا۔ مگر کھڑکی کا پٹ کھلا تھا۔ اور اس کی سلاخوں کے پیچھے مجھے ایک عورت کا زرد چہرہ نظر آیا میں نے کوئی خیال نہ کیا اور گردن موڑ کر دوبارہ اپنے کام میں لگ گیا۔ چند لمحوں کے بعد پھر وہی ٹھک ٹھک کی آواز سنائی دی۔

میں نے پلٹ کر دیکھا اور اپنی نظریں کھڑکی پر جما دیں۔ پہلی نظر میں‘ میں نے اس زرد اور کمزور چہرے کو نہیں پہچانا۔ لیکن اس کے ایک سیکنڈ بعد کھرپی میرے ہاتھ سے گر گئی اور مجھے یوں لگا جیسے میرے کانوں میں بجلی کی کڑک گونج گئی ہو۔ میرا جسم ٹھنڈا ہو گیا اور آنکھیں پتھرا سی گئیں۔ ادھر کھلی کھڑکی میں سلاخوں کے پیچھے لیلیٰ کا اداس چہرہ تھا جو اپنی ویران آنکھوں سے مجھے مسلسل تک رہا تھا۔ میں نے لیلیٰ کو پہچان لیا تھا۔ یہ لیلیٰ ہی تھی میں لیلیٰ کو ہر رنگ میں پہچان سکتا تھا لیکن میں دوڑ کر اس کے پاس نہیں جا سکتا تھا اس سے پوچھ نہیں سکتا تھا کہ وہ اس قیدی کیمپ کیسے پہنچ گئی میں اس سے کوئی بات نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے جلدی سے اپنی نظریں نیچی کر لیں کیونکہ کونے والے کوارٹر کی طرف سے ایک اطالوی فوجی لمبے ڈگ بھرتا چلا آ رہا تھا میں کھرپی سے زمین کھودنے لگا۔ اطالوی فوجی کچھ دیر ہماری سر پر موجود رہا اور ہمیں کام کرتا دیکھتا رہا پھر آہستہ آہستہ چلتا دوسری طرف نکل گیا۔

اس کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی میں نے چھوٹے چھوٹے سنگریزے اٹھائے اور ان کی ڈھیری لگانے کے بہانے چند قدم پیچھے کوارٹر کی طرف چلا اور وہیں بیٹھ گیا میرے ہاتھ زمین پر سنگریزوں کی ڈھیری لگا رہے تھے اور آنکھیں سلاخوں کے پیچھے نظر آنے والے لیلیٰ کے اترے ہوئے زرد اداس چہرے پر لگی تھیں لیلیٰ بھی سکتے کے عالم میں مجھے تک رہی تھی وہ نہ کچھ بول سکتی تھی نہ میں اس کسے کوئی بات کر سکتا تھا۔ پھر بھی میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ اتفاق سے وہاں اس وقت کوئی فوجی نہیں تھا۔ گاؤں کے دو تین لڑکے کیاریوں جھکے کام کر رہے تھے میں نے ہمت کر کے لیلیٰ سے کہا۔ "لیلیٰ! گھبراؤ نہیں"

جو لڑکے کام کر رہے تھے انہوں نے پلٹ کر میری طرف دیکھا مجھے وہی اطالوی فوجی کوارٹر کے پیچھے نکل کر اپنی طرف آتا نظر آیا۔ میں جلدی سے سنگریزوں کی ڈھیری بنانے میں لگ گیا پھر کھرپی پکڑی اور کیاری پر جھک کر بظاہر بڑے انہماک سے کام کرنے لگا۔ اطالوی فوجی حسب عادت تھوڑی دیر وہاں رکا اور پھر آگے چل دیا۔ اتنے میں سامنے کی جانب سے چار فوجی نمودار ہوئے وہ کام کرنے والے آدمیوں اور بچوں کو ٹھڈے مار کر اٹھا رہے تھے اور عربی زبان میں صرف اتنا ہی کہہ رہے تھے۔ "چلو واپس چلو" دیکھتے دیکھتے ہمیں جانوروں کی طرح فوجی ٹرکوں میں سوار کرا دیا گیا اور وہ ہمیں لے کر ہمارے گاؤں کی طرف روانہ ہو گئے۔ میرا ذہن اب وہ نہیں تھا جو اس وقت تھا جب میں اس فوجی ٹرک میں کیمپ میں آیا تھا مجھے ایسے لگ رہا تھا جیسے میں اپنے آپ کو جنگی قیدیوں کے کیمپ میں چھوڑ آیا ہوں میں کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ میں لیلیٰ کو قیدی عورتوں کے اس کیمپ میں دیکھوں گا۔ وہ کیسے یہاں پہنچ گئی۔ یہ سوچنے کی ضرورت نہیں تھی۔ جنگ میں کچھ بھی ہو سکتا تھا صرف یہی سوچ سوچ کر میرا دل بیٹھا جا رہا تھا کہ لیلیٰ پر ان لوگوں نے کوئی تشدد نہ کیا ہو۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا وہ پہلے سے کمزور ہو گئی تھی اس نے مجھے دیکھ لیا تھا اگر وہ مجھے نہ دیکھتی اور میں وہاں سے چلا جاتا تو صبح ہونے تک تو مجھے اس علاقے سے نکل جانا تھا۔ پھر میں لیلیٰ کو کہاں تلاش کرتا؟ وہ تو مجھے کہیں بھی نہیں مل سکتی تھی۔

فوجی ٹرکوں نے ہمیں گاؤں میں اتار دیا۔ میں اپنے میزبان کے پاس آ گیا وہ زرد رومال سے اپنا چہرے اور داڑھی پر آیا ہوا پسینہ پونچھتے ہوئے ان اطالویوں کو برا بھلا کہہ رہا تھا۔

"کتوں نے بچوں اور بوڑھوں کو بھی نہیں چھوڑا اب تو یہ ہر دوسرے تیسرے روز ہمیں آ کر لے جایا کریں گے۔"

ہم نے کھجور کے درختوں کے نیچے جو چھوٹا سا چشمہ تھا وہاں منہ ہاتھ دھویا۔ میرے میزبان نے خیمے میں کھانا لگا دیا ہم کھانا کھانے لگے۔ میرے ذہن میں خیالات کا ایک طوفان امڈ پڑا تھا۔ طرح طرح کے وسوسے مجھے گھیرے ہوئے تھے ایک بات واضح تھی کہ میں لیلیٰ کو جنگی قیدیوں کے کیمپ میں چھوڑ کر وہاں سے نہیں جا سکتا تھا۔ لیکن سوال یہ تھا کہ میں اسے وہاں سے کیسے نکالوں؟ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا میں نے اپنے میزبان کو اعتماد میں لینے کا فیصلہ کر لیا۔

کھانا کھانے کے بعد ہم خیمے کے اندر دریوں پر بیٹھ گئے اور میٹھا قہوہ پینے لگے ادھر ادھر کی باتوں کے بعد میں نے اپنے میزبان کے آگے اپنا دل کھول کر رکھ دیا۔ اور اسے انڈین فوج سے فرار ہونے سے لے کر جرمنوں کی قید سے نکلنے تک کی ساری داستان سنا دی۔ میزبان بوڑھا بڑی حیرت اور دلچسپی سے میری کہانی سنتا رہا آخر میں 'جب میں نے اسے بتایا کہ میں نے اپنی محبوبہ لیلیٰ کو ابھی تھوڑی دیر پہلے جنگی قیدیوں کے کیمپ میں دیکھا ہے تو اس نے قہوے کی پیالی نیچے رکھ دی اور بولا۔ "یہ معاملہ بڑا سنگین ہے۔ میں بغیر سوچے سمجھے اس میں ہاتھ نہیں ڈالنا چاہتا۔ جیسا کہ تم نے مجھے بتایا ہے کہ لیلیٰ تمہاری منگیتر ہے۔"

میں اپنی داستان سناتے ہوئے یہ بھی اضافہ کر دیا تھا کہ لیلیٰ میری منگیتر ہے اور ایک ہفتہ بعد ہماری شادی ہونے والی تھی کہ جرمن فوجوں کی گولہ باری شروع ہو گئی اور سب کچھ ختم ہو گیا میرے میزبان کا نام وافد تھا۔ مجھے اس کا نام اور اس کا بوڑھا مگر وجاہت بھرا چہرہ آج بھی یاد ہے وافد کہہ رہا تھا۔ "مجھے ایک دن سوچنے کا موقع دو۔ اس اثناء میں تم پہلا کام یہ کرو کہ میرے خیمے میں نہیں سوو گے اور دن میں مجھ سے کسی کے سامنے بات چیت بھی نہ کرنا میں خود تمہارے پاس رات کو آ جاؤں گا میرے ساتھ آؤ۔"

وافد مجھے اپنے ساتھ خیمے سے نکال کر گاؤں کے ایک چھوٹے سے کچے مکان میں لے گیا جو خالی پڑا تھا۔ اس کے صحن میں دو اونٹ بندھے تھے ایک کوٹھری میں اس نے میرا بستر لگا دیا اور بولا۔ "آج سے تم اس جگہ رہو گے۔ میں گاؤں والوں کو بتا دوں گا کہ تم بن غازی کے مہاجر ہو اور گاؤں میں ہمارے مہمان ہو۔ تم گاؤں میں دوسرے لوگوں سے بے شک گھل مل کر رہنا مگر مجھ سے زیادہ بات چیت مت کرنا۔"

میرا میزبان وافد چلا گیا ساری رات میں نے عجیب عالم میں گزاری۔ خواب میں بھی اپنی محبوبہ لیلیٰ کے ساتھ کبھی صحراؤں کی خاک چھانتا رہا کبھی دیکھتا کہ وہ میرے ساتھ بھاگی جا رہی ہے کبھی دیکھتا کہ اطالوی اس پر تشدد کر رہے ہیں غرض کہ جو کچھ میں سوچتا رہا تھا وہی کچھ خواب میں بھی دیکھتا رہا۔

دوسرے دن میں کوٹھری سے نکل کر نخلستان میں چلا آیا۔ میں نے وافد کو اونٹوں کے پاس بیٹھے دیکھا مگر میں اس کے پاس نہ گیا دوپہر کو وافد نے گاؤں کے لوگوں سے میرا یہ کہہ کر تعارف کروایا کہ میں بن غازی کا مہاجر ہوں اور میرا سارا خاندان جرمنوں کی . . باری

میں مارا گیا ہے۔ گاؤں والوں نے مجھ سے ہمدردی کا اظہار کیا ایک بوڑھے نے مجھے وہاں سے چلے جانے کا مشورہ دیا کیونکہ میں نوجوان تھا اور انہیں خطرہ تھا کہ اطالوی مجھ سے ہر روز بیگار لیں گے لیکن میں تو اب عورتوں کے قیدی کیمپ میں از خود جانا چاہتا تھا تاکہ اور کچھ نہیں تو کم از کم لیلیٰ کے دیدار ہی ہو جائیں اسے ایک نظر دیکھ ہی لیا کروں میں نے اس بوڑھے سے کہا کہ میں اس گاؤں میں اس وجہ سے رہنا چاہتا ہوں کہ میرا ایک چچا ہے جو ہو سکتا وہاں آجائے۔ مجھے اپنے چچا کا انتظار ہے گاؤں والے میرے وہاں رہنے پر راضی ہو گئے اس دوران میرا میزبان وافد مجھ سے بے تعلق سے رہا۔ اس نے دو ایک معمول کے مطابق باتیں کیں اور اٹھ کر چلا گیا دوپہر اور رات کا کھانا گاؤں والوں نے میری کوٹھری میں پہنچا دیا۔ رات کو میں اپنے بستر پر لیٹا دیر تک اسی ادھیڑبن میں رہا کہ لیلیٰ کو جنگی قیدی کیمپ سے میں کس طرح نکال سکتا ہوں۔ مجھے کوئی راستہ نظر نہیں آرہا تھا۔ رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے کہ میں نے لیمپ کی بتی دھیمی کی اور کمبل اوڑھ کر سونے کی کوشش کرنے لگا عین اس وقت وافد آگیا۔ اس نے سیاہ کمبل اوڑھ رکھا تھا دروازہ بند کر کے وہ میرے پاس بستر پر بیٹھ گیا اور اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اطالوی جنگی قیدی عورتوں کے کیمپ کے بارے میں آہستہ آہستہ گفتگو کرنے لگا اس کی باتوں سے مجھے معلوم ہوا کہ اس کیمپ میں زیادہ تعداد یہودی عورتوں کی تھی جنہیں اٹلی سے جاسوسی کے شبے میں پکڑ کر یہاں لایا گیا تھا تین عورتیں مسلمان عرب تھیں جن میں سے ایک لیلیٰ بھی تھی ان پر بھی اتحادیوں کے جاسوس ہونے کا الزام لگایا گیا تھا جنگی کیمپ میں اطالوی سپاہیوں کی تعداد ڈیڑھ سو کے لگ بھگ تھی کیمپ کمانڈر ایک اطالوی کیپٹن تھا ہر ہفتے پیچھے سے ایک فوجی ٹرک ان سپاہیوں کے لئے سپلائی وغیرہ لے کر آتا تھا۔ شام کے وقت قیدی عورتوں کو ٹکڑیوں کی شکل میں گارڈز کی نگرانی میں لکڑی کے کوارٹروں کے درمیان والی روش پر ٹہلوایا جاتا تھا وافد میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں پہلی وجہ تو یہ ہے کہ تم مسلمان ہو دوسری وجہ یہ ہے کہ لیلیٰ تمہاری منگیتر ہے اور تم دونوں ایک دوسرے سے شادی کرنا چاہتے ہو دن میں سب کے سامنے میں تمہارے ساتھ اس لئے زیادہ بات چیت نہیں کرتا کہ اگر تم لیلیٰ کو یہاں سے نکال لے جانے میں کامیاب ہو گئے تو بعد میں اطالوی مجھ پر شک نہ کریں لیکن ابھی تک میرے ذہن میں کوئی ترکیب نہیں آرہی۔ یہ کام ویسے بھی اتنا آسان

نہیں ہے اطالویوں کی صرف ایک ہی کمزوری ہے اور وہ ہے شراب....... ہفتے کی رات کو یہ اکثر ناؤنوشی میں مست ہوتے ہیں اور رات گئے تک جشن مناتے ہیں ان کی صرف اسی ایک کمزوری سے تم فائدہ اٹھانے کی کوشش کر سکتے ہو۔“

میں نے وافد سے پوچھا کہ کیا مجھے کسی طرح سے اسلحہ مل سکتا ہے وہ کچھ دیر خاموش رہا پھر کہنے لگا۔ ”ابھی میں تمہارے کسی سول کا جواب نہیں دے سکتا۔ مجھے ایک دن کی مہلت دو۔ کل رات پھر آؤں گا۔ ہو سکتا ہے کہ میں تمہارے لئے کوئی اسکیم بھی لاؤں جس پر عمل کر کے تم لیلیٰ کو اس جہنم سے نکال لے جاؤ۔

وافد چلا گیا میں نے لیمپ بجھا دیا اور آنکھیں بند کر کے سوچنے لگا کہ وافد میرے لئے کیا کر سکتا ہے اور خود میں لیلیٰ کی زندگی کو بچانے کے لئے کیا کر سکتا ہوں؟

دوسرا دن اس چھوٹے سے صحرائی گاؤں میں ادھر ادھر پھرتے، لوگوں سے باتیں کرتے گزر گیا۔ واقد سے بھی ایک بار سر راہ دعا سلام ہوئی اس نے مزید کوئی بات نہ کی رات کو حسب وعدہ میرے پاس آ گیا وہ اپنے ساتھ ایک منصوبہ بھی لایا تھا وہ مجھے بتانے لگا کہ جنگی کیمپ میں حفاظتی انتظام اتنا سخت ہے کہ میں نہ تو خود بغیر ان لوگوں کی مرضی کے کیمپ میں داخل ہو سکتا ہوں اور نہ لیلیٰ کو وہاں سے باہر نکال سکتا ہوں۔

"اس بات کو تم اپنے ذہن سے نکال دو کہ تم اسلحہ کی مدد سے اپنی ہونے والی بیوی کو قیدی کیمپ سے نکال سکو گے وہاں صبح سے شام تک سخت پہرہ ہوتا ہے سارا دن اور ساری رات وقفے سے اطالوی سپاہی کیمپ کے چاروں طرف گشت لگاتے رہتے ہیں چاروں کونوں کی نگران چوکیوں پر گارڈز موجود رہتے ہیں وہاں مشین گنیں لگی ہیں سپاہیوں کی بھاری نفری کیمپ میں موجود ہے ان کے پاس ہر قسم کا اسلحہ ہے پیچھے بیس کیمپ سے ان کا وائرلیس سے باقاعدہ رابطہ قائم ہے ایک منٹ میں پیچھے سے ان کی فضائی مدد پہنچ جائے گی۔"

جب واقد نے اپنی بات ختم کی تو میں نے کہا۔ "کیا آپ مجھے اس بات پر قائل کرنا چاہتے ہیں کہ لیلیٰ کا خیال ہمیشہ کے لئے اپنے سے نکال دوں اور اسے اطالوی درندوں کے حوالے کر دوں۔"

واقد نے نفی میں سر ہلایا اور بولا۔ "ہرگز نہیں۔ میرا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ تم اپنی منگیتر کو ان کافروں کے حوالے کر کے چلے جاؤ میں تمہیں صرف صورت حال سے آگاہ کر رہا ہوں میں تمہیں یہ احساس دلانا چاہتا ہوں کہ اس مہم کو تم اتنا آسان نہ سمجھ بیٹھنا۔"
میں نے جوش میں آ کر کہا۔ "میں لیلیٰ کے لئے اپنی جان بھی قربان کر سکتا ہوں۔"

تجربہ کار واقد نے اپنی داڑھی پر آہستہ سے ہاتھ پھیرا اور کہا۔ "میرے عزیز! جان قربان کر دینے سے تم لیلیٰ کو حاصل نہیں کر سکو گے جان قربان کر دینے سے کیا ہو گا؟ نہ جانے ن اطالوی اور جرمنوں نے کتنے بے گناہ مسلمانوں کو لیبیا کے شہروں اور دیہات میں شہید کیا ہے ان کی طرح اگر تم بھی گولیوں کی زد میں ختم ہو جاؤ گے تو کیا فرق پڑے گا؟ مقصد یہ ہے کہ تمہیں کسی ایسے منصوبے پر سوچ سمجھ کر عمل کرنا ہو گا کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹنے پائے۔ تم زندہ بھی رہو اور اپنی مسلمان منگیتر کو یہاں سے نکال کر بھی لے جاؤ۔"

میں نے بے بسی سے کہا۔ "تو پھر آپ ہی مجھے کوئی مشورہ دیں مجھے کیا کرنا چاہئے آپ ان اطالویوں سے بھی واقف ہیں اور سارے علاقے کو بھی جانتے ہیں۔"
واقد کہنے لگے۔ "میں نے اس معاملے پر بہت غور کیا ہے دو دن سے سوچ رہا ہوں۔ آخر ایک ہی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تمہیں قیدی کیمپ میں سرنگ لگانی ہو گی۔"
میں واقد کا منہ تکنے لگا اس نے میری حیرانی کی پروا کئے بغیر کہا۔ "سرنگ کے سوا ایسا وئی طریقہ، کوئی منصوبہ نہیں ہے کہ جس پر عمل کر کے تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو و۔"

میں نے کہا۔ "لیکن سرنگ کھودنا بھی تو خطرے سے خالی نہیں کیا نگران پوسٹ کے ز اور گشت لگانے والوں کو اس کا علم نہیں ہو جائے گا؟ کیمپ کے اردگرد کا سارا علاقہ ا ہے۔ میں کیسے سرنگ لگا سکوں گا؟"
واقد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم نے قیدی کیمپ کے اردگرد کا سارا علاقہ نہیں ھا۔ یہ سارا علاقہ خالی نہیں ہے تم نے غور نہیں کیا کیمپ کے پیچھے ایک ہوائی جہاز کا نچہ پڑا ہے یہ ہوائی جہاز اتحادیوں کا تھا وہ کیمپ پر بمباری کرنے آیا تھا کہ اطالوی مشین ں نے اسے گرا دیا۔ یہ آج سے ایک ماہ پہلے کا واقعہ ہے جہاز گر کر تباہ ہو گیا۔ اس کے ہوا نے پیراشوٹ سے چھلانگ لگا دی تھی جو بعد میں گرفتار نہیں ہو سکا اور صحرا میں فرار ہو جہاز کا انجن تو جل کر تباہ ہو گیا لیکن باقی ڈھانچہ محفوظ رہا اطالویوں نے اس کے اندر کی ی چیزیں نکال لیں اور جہاز کے شکستہ ڈھانچے کو وہیں پڑا رہنے دیا۔
ں نے واقد کی بات کاٹتے ہوئے کہا "آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔ وہ سننے کو بیتاب ہوں"

واقد نے کہا۔ "میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تمہیں اس تباہ شدہ جہاز کے ڈھانچہ سے فائدہ اٹھانا ہو گا۔ تمہیں اس جہاز کے اندر چھپ کر جہاز کے نیچے زمین میں سے کیمپ کے اندر تک سرنگ کھودنی ہو گی۔ بس صرف یہی ایک طریقہ ہے جس کی مدد سے تم قیدی کیمپ میں اپنی منگیتر کے پاس پہنچ سکتے ہو۔"

میں سوچ میں پڑ گیا۔ میں نے پوچھا "یہ تباہ شدہ جہاز کیمپ سے کتنے فاصلے پر ہے؟"

واقد نے کہا "یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ تباہ شدہ جہاز کا ڈھانچہ قیدی کیمپ سے بیس بائیس فٹ کے فاصلے پر ہے زیادہ سے زیادہ پچیس فٹ کا فاصلہ ہو گا۔ یوں تمہیں صرف پچیس فٹ سرنگ کھودنی پڑے گی۔ سرنگ کھودنے کے بارے اوزار میں تمہیں مہیا کر دوں گا یہ سرنگ زمین کے اندر ہی اندر سے ہوتی ہوئی قیدی کیمپ کی خاردار تار کے نیچے سے ہو کر کیمپ کے آخری کیبن تک آئے گی۔ کسی کو شک نہیں ہو گا کہ تم جہاز کے اندر سے سرنگ کھود رہے ہو۔ کوئی سپاہی جہاز کے ڈھانچے کی طرف جانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ یوں تم دشمن کی نظروں اور دھوپ کی تپش سے محفوظ رہ کر اپنا کام کر سکو گے۔ زمین نرم اور ریتلی ہے اندر سے نکلی ہوئی مٹی تم جہاز کے اندر کسی جگہ ڈال سکتے ہو تمہیں صرف اتنی احتیاط کرنی ہو گی کہ وہاں کسی قسم کی آواز نہ پیدا ہو جب تم سرنگ پوری کھود لو گے تو تمہیں اس دن کا انتظار کرنا ہو گا جب اطالوی سپاہی گاؤں والوں کو کیمپ میں کام کرنے کیلئے لے جائیں گے۔ تم بھی ان لوگوں کے ساتھ جاؤ گے اور لیلیٰ کو کسی طرح خبر کرو گے کہ ہفتے کی رات کو وہ تیار رہے اگر یہ کام بھی تم نے خوش اسلوبی سے کر لیا تو اس کے بعد تمہیں ہفتے کی رات کا انتظار کرنا ہو گا جس رات اطالوی سپاہی خوب پیتے پلاتے ہیں یہ ان کی کمزوریوں کی رات ہوتی ہے اس رات تم لیلیٰ کو سرنگ کے ذریعے نکال کر لا سکتے ہو۔"

یہ بڑی لمبی چوڑی اور مشکل اسکیم تھی میں اس پر جس قدر غور کرتا مجھے لگتا کہ یہی ایک راستہ رہ گیا ہے اور اس کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ میں نے واقد سے پوچھا کہ اگر میں لیلیٰ کو کیمپ سے نکال لاتا ہوں تو اس کے بعد وہاں سے میرے کسی دوسرے علاقے میں جانے کا کیا بندوبست ہو گا۔ کیونکہ صبح تک تو لیلیٰ کے فرار کا علم ہو جائے گا اور نہ صرف اطالوی سپاہی بلکہ ان کے بیلی کاپٹر بھی میری تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے۔ چاروں طرف

صحرا ہے ہم آسانی سے پکڑ لئے جائیں گے۔

واقد نے میرے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "تم اس کی فکر نہ کرو اگر تم اپنی منگیتر کو نکال لانے میں کامیاب ہو گئے تو باقی کام مجھ پر چھوڑ دو۔ میں تمہارا ایسا انتظام کروں گا کہ اطالوی تو کیا جرمن بھی ساری زندگی تمہیں تلاش کرتے رہیں تو تمہیں نہ پا سکیں گے۔ اب تم مجھے بتاؤ کیا تم یہ خطرناک مشن شروع کرنے کو تیار ہو؟

میں کیسے انکار کر سکتا تھا۔ لیلیٰ کی خاطر تو واقعی میں اپنی جان بھی قربان کر سکتا تھا یہ میرے دل کا معاملہ تھا اس میں کسی پر کوئی احسان کرنے کی بات نہیں تھی میں نے کہا "میں تیار ہوں۔ آپ مجھے کسی طریقے سے کھدائی کے اوزاروں کے ساتھ تباہ شدہ جہاز کے ڈھانچے تک پہنچا دیں۔"

واقد نے میری پیٹھ ٹھونکی اور خوش ہو کر بولا "شاباش، تم مرد ہو، مردوں کا عشق ایسا ہی ہوتا ہے میں تمہیں کل یا پرسوں کسی وقت کیمپ کے پیچھے والے جہاز کے ڈھانچے تک پہنچانے کا اہتمام کر دوں گا۔"

وہ جانے لگا تو میں نے کہا کہ میرے پاس کوئی اسلحہ ضرور رہنا چاہئے۔ اور نہیں تو کم از کم ایک ریوالور ہی مل جائے تو غنیمت ہے۔ واقد نے اٹھتے ہوئے کہا "اس کا بھی انتظام ہو جائے گا۔"

عرب میزبان اور مخلص مددگار واقد کے جانے کے بعد میں پھر اپنے خیالوں میں گم ہو گیا۔ میرے سامنے ایک بہت بڑی مہم تھی یہ مہم جتنی سنگین تھی اتنی خطرناک بھی تھی اس میں میری اور لیلیٰ کی جان جانے کا بھی خدشہ تھا۔ اگر عین وقت پر ہمارا بھید کھل جاتا ہے تو ہمیں بے دریغ قتل کر دیا جائے گا یہ حقیقت میرے سامنے تھی اس کے باوجود میں نے قسمت آزمانے اور اپنی جان کی بازی لگانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

دوسرے دن میں گاؤں کے کونے والے مکان کے باہر ببول کے ایک درخت کے نیچے بیٹھا سوچ میں غرق تھا کہ مجھے واقد اپنی طرف آتا نظر آیا میرے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا میں تھوڑا وقفہ دے کر ببول کے درخت کے نیچے سے اٹھا اور جدھر واقد گیا تھا۔ ادھر چل پڑا۔ گاؤں سے کچھ دور چھوٹا سا نخلستان تھا۔ یہاں کھجوروں کے جھنڈ تھے۔ واقد وہاں ایک درخت کے پاس بیٹھ گیا۔ میں بھی اس کے پاس جا کر

بیٹھ گیا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ گرمی پڑ رہی تھی لوگ اپنے اپنے کچے مکانوں میں آرام کر رہے تھے۔ کھجوروں کی چھاؤں میں ٹھنڈک تھی ہمارے سوا وہاں کوئی نہیں تھا۔ نخلستان کے کونے میں ایک جگہ دو اونٹ بیٹھے گردنیں اونچی کئے جگالی کر رہے تھے۔ واقد کہنے لگا۔

"میں نے سارا انتظام کر لیا ہے سرنگ کھودنے کیلئے ایک لمبی کھرپی اور پلاسٹک کا بڑا تھیلا میں نے سنبھال کر رکھ لیا ہے یہ چیزیں لے کر میں آج رات تمہارے پاس آجاؤں گا۔ پانی کا ایک مشکیزہ تم اپنے ساتھ لے جاؤ گے کھانے کیلئے تمہارے پاس بھنے ہوئے چاولوں کا ایک تھیلا ہو گا۔ یہ خوراک تمہیں بڑی احتیاط کے ساتھ استعمال کرنی ہو گی۔ کیونکہ جہاز کے ڈھانچے میں داخل ہونے کے بعد تم وہاں سے صرف اس وقت باہر نکلو گے جب تم نے پوری سرنگ کھود لی ہو گی۔ اور نکلو گے بھی رات کے اندھیرے میں۔ میرا اپنا اندازہ ہے کہ اگر تم دن میں تین شفٹیں لگا کر کام کرو تو تمہیں کچھ نہیں تو چار دن ضرور لگ جائیں گے تمہیں اسی حساب سے پانی پینا اور چاول کھانے ہوں گے۔ اگر تم نے وقت سے پہلے خوراک اور پانی ختم کر لیا تو تمہیں وہاں کوئی سپلائی نہیں پہنچ سکے گی۔ ایک بار پھر سوچ سمجھ لو کیا تم اس کیلئے تیار ہو؟"

میں نے کہا "میں فیصلہ کر چکا ہوں! اب مزید سوچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"

"شاباش" واقد نے میرا کندھا تھپتھپایا۔

میں نے ریوالور کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا "مجھے افسوس ہے کہ ریوالور کا میں انتظام نہیں کر سکا۔ ہاں میں تمہیں ایک چھوٹا خنجر دے دوں گا۔ تم اسے اپنے پاس رکھ سکتے ہو۔ لیکن میں تم سے ایک بات کی ضمانت لینا چاہتا ہوں اور یہ ضمانت میں خدا کو حاضر ناظر جان کر لوں گا۔"

میں نے جلدی سے کہا۔ "فرمایئے میں ہر قسم کی ضمانت دینے کو تیار ہوں" واقد نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا "مجھے خدا کو حاضر ناظر سمجھ کر یقین دلاؤ کہ اگر خدانخواستہ تم پکڑے گئے تو کسی کے آگے میرا نام نہیں لو گے۔"

میں نے واقد کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اسے بوسہ دیا اور کہا۔

"میں خدا کو حاضر ناظر جان کر قسم کھاتا ہوں کہ اگر اس مہم میں میں پکڑا گیا تو چاہے مجھ پر جس قدر تشدد کیا جائے میں آپ کا نام کسی حالت میں بھی زبان پر نہیں لاؤں گا"

واقد نے مجھے اپنے گلے سے لگا لیا اور کہا۔ "میرے بہادر بچے!! اگر تم نے عقل مندی اور ہوشیاری سے کام لیا تو تم سرنگ کھودنے میں کامیاب ہو جاؤ گے اس کے بعد تمہاری مہم کا دوسرا مرحلہ شروع ہو گا جو اگرچہ پہلے مرحلے سے زیادہ خطرناک ہے لیکن اگر تم چوکس رہے اور اپنے ہوش و حواس کو قابو میں رکھا تو انشاء اللہ یہ مرحلہ بھی کامیابی سے طے کر لو گے۔ اب تم جاؤ۔ میں رات کو آؤں گا اور تم میرے ساتھ چلو گے۔ خدا تمہارا نگہبان ہو۔"

واقد وہیں کمر سیدھی کرنے کو لیٹ گیا۔ میں سلام کر کے اٹھا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا اپنے مکان کی طرف چل پڑا۔

رات کے سوا گیارہ بجے رہے تھے کہ شیخ واقد آگیا آتے ہی بولا چلے چلو سب چیزیں میں نے نخلستان میں چھپا کر رکھ دی ہیں۔ ہم ادھر ہی جائیں گے۔

مکان سے نکل کر ہم گاؤں کے پیچھے کی جانب سے ہوتے ہوئے نخلستان کی طرف روانہ ہوئے۔ رات اندھیری تھی۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ ہر طرف گہری خاموشی اور سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ہم ریت پر بے آواز قدموں سے چل رہے تھے۔ نخلستان میں ایک جگہ خشک پتوں کے نیچے شیخ واقد نے ایک تھیلا چھپایا ہوا تھا اس تھیلے میں پانی کا ایک بھرا ہوا بڑا مشکیزہ تھا۔ پلاسٹک کا مضبوط تھیلا ایک لمبوتری کھرپی اور ایک تھیلا بھنے ہوئے چاولوں کا تھا۔ ہم وہیں اندھیرے میں بیٹھ گئے تھے۔ شیخ واقد کہنے لگا۔

"میں تمہیں اندھیری رات میں صرف وہاں تک لے جاؤں گا جہاں سے تمہیں تباہ شدہ ڈھانچہ نظر آنے لگے گا۔ وہاں سے تمہیں خود ہی ریت پر رینگ کر جہاز کے ڈھانچے تک جانا ہو گا۔ چلو اٹھو۔ وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے"

چاولوں کا تھیلا شیخ واقد نے اٹھایا۔ پانی کا مشکیزہ اور کھرپی والا پلاسٹک کا تھیلا میں نے کاندھے پر ڈال لیا اور ہم تاریکی میں ڈوبے ہوئے صحرا میں قیدی کیمپ کی طرف روانہ ہو گئے۔ شیخ واقد مجھے مختصر ترین راستے سے لے کر جا رہا تھا وہ ایسے رخ پر جا رہا تھا کہ ہم کیمپ کے پیچھے جا کر نکلیں۔ پھر بھی ہمیں کیمپ کے عقب میں پہنچتے پہنچتے پون گھنٹہ لگ گیا۔ ایک میل دور ہی سے ہمیں قیدی کیمپ کے کھمبوں پر لگی ہوئی روشنیاں نظر آنے لگی تھیں۔

یہاں ریت کے گڑھے بھی تھے۔ ہم ان میں سے بڑی خاموشی کے ساتھ گزرے تھے۔

ایک گڑھے میں سے نکلنے کے بعد میں نے دیکھا کہ قیدی کیمپ ہمارے سامنے تھا۔ شیخ واقد نے مجھے کندھے سے پکڑ کر زمین پر بٹھادیا۔ یہ قیدی کیمپ کا عقبی علاقہ تھا۔ کیمپ کے کونے والے کھمبے پر لگے ہوئے بلب کی روشنی میں مجھے کیمپ کی خاردار اونچی دیوار سے کافی نمایاں دکھائی دے رہی تھی۔ ہمارے اور قیدی کیمپ کے درمیان ایک جگہ ریت پر سیاہ اونچا ڈھیر نظر آرہا تھا۔ شیخ واقد نے سرگوشی میں کہا۔

یہ سیاہ ڈھیر جو تم دیکھ رہے ہو یہی تباہ شدہ جہاز کا ڈھانچہ ہے۔ تمہیں اس ڈھانچے کے اندر جانا ہے۔ یہاں سے میں واپس چلا جاؤں گا۔ آگے تمہارا کام شروع ہو رہا ہے۔ اس بات کا خاص طور پر خیال رکھنا کہ دن کے وقت یا رات کے وقت کسی وقت بھی ڈھانچے کے اندر کوئی آواز پیدا نہ ہو ذرا سا بھی شور یا کھڑکھڑاہٹ تمہیں فائرنگ سکواڈ کے سامنے کھڑا کر سکتی ہے۔ اب تم سرنگ کھودنے کے بعد ہی یہاں سے نکلنا۔ رات کو کسی وقت یہاں سے باہر آنے کی کوشش نہ کرنا۔ کیونکہ یہاں تھوڑی تھوڑی دیر بعد سپاہی گشت لگاتے ہیں۔ سرنیچا کرلو۔ پیٹرول پارٹی آرہی ہے۔

ہم نے اپنے سرنیچے کرلئے کیمپ کے جنوب کی طرف سے ہمیں دو اطالوی سپاہیوں کے سائے نظر آئے جو آہستہ آہستہ خاردار دیوار کے ساتھ چلتے کونے والی مچان پر بنی ہوئی نگراں چوکی کی طرف جارہے تھے۔ کھمبے کی روشنی میں سپاہیوں کی رائفلوں پر لگی ہوئی سنگینیں ایک لمحے کیلئے چمکیں اور پھر دونوں سپاہی خاردار دیوار کی دوسری طرف چلے گئے۔ شیخ واقد نے میرے کندھے پر آہستہ سے ہاتھ مار کر کہا۔ اللہ کا نام لے کر نکل چلو۔ یہی وقت ہے"

میں نے پانی کا مشکیزہ اور دونوں تھیلے اپنی پشت پر ڈالے اور ریت پر پیٹ کے بل رینگنے لگا۔ میرا رخ جہاز کے ڈھانچے کی طرف تھا۔ جو ابھی تک مجھے سیاہ ڈھیر کی طرح نظر آرہا تھا۔ یہ فاصلہ بمشکل پچیس تیس قدم کا ہوگا۔ میں مگرمچھ کی طرح تیزی سے رینگتا چلا جارہا تھا۔ اس رات اندھیرا تھا جہاز کے ڈھانچے کے پاس پہنچتے ہی میں ایک شگاف میں سے اس کے اندر گھس گیا۔ میرا جسم جہاز کے سخت فرش سے ٹکرایا۔ میں وہیں ویسے کا ویسا پڑا رہا۔ میرا سانس پھول رہا تھا جب سانس درست ہوا تو میں نے اندھیرے میں آنکھیں کھول کر جہاز کے ڈھانچے کا جائزہ لیا۔ جہاز کی سیٹیں ٹوٹی ہوئی تھیں ایک جگہ سے چھت کے شگاف میں سے تارے نظر آرہے تھے۔ جہاز کا پیٹ زیادہ کشادہ نہیں تھا لیکن اس میں میرے چھپنے کی کافی گنجائش تھی۔ جہاز کا کاک پٹ والا حصہ بالکل تباہ ہو چکا تھا اور ادھر سے آسمان پورا کھلا دکھائی دے رہا تھا۔

میں نے مشکیزہ اور تھیلے وہیں رکھے اور جہاز کے اندر گھٹنوں کے بل اس کی دم کی طرف چلنے لگا۔ جہاز دم کی طرف سے ٹوٹا ہوا نہیں تھا اور اس کی چھت بھی وہاں سے پوری قائم تھی۔ جہاز کے اندر ریت کافی دور تک پھیلی ہوئی تھی میں دم کے پاس آکر رک گیا۔ میں انتہائی احتیاط سے کام لے رہا تھا تاکہ کسی قسم کی آہٹ بھی نہ ہونے پائے۔ کیونکہ گشت لگانے والے اطالوی سپاہی کوئی دم میں ادھر آنے ہی والے تھے۔ رات کے اندھیرے میں ویسے بھی میں یہاں اپنے چھپنے کیلئے کوئی موزوں جگہ تلاش نہیں کر سکتا تھا۔ یہ کام صرف دن کی روشنی میں ہی کیا جاسکتا تھا۔ مجھے جہاز کے ڈھانچے کی دم سب سے زیادہ محفوظ محسوس ہو رہی تھی اگرچہ یہاں جگہ تنگ تھی مگر فرش صحیح سلامت تھا میں گھٹنوں کے بل چلتا واپس ڈھانچے کی بغل والے شگاف کے پاس آیا ایک ایک کر کے وہاں سے مشکیزہ اور دونوں تھیلے اٹھائے اور انہیں جہاز کی دم کی طرف لا کر ایک نشست کے ڈھانچے کے نیچے رکھ دیا۔ اب میں نے سر پر بندھا ہوا رومال اتارا۔ مجھے پسینہ آگیا تھا۔ حالانکہ رات کافی خشک تھی۔ میں نے چہرے کو پونچھا۔ پھر مشکیزے کے ساتھ منہ لگا کر پانی کا ایک گھونٹ پیا اور کمبل میں دبک کر وہیں نیم دراز ہوگیا۔

تھوڑی دیر بعد مجھے دو آدمیوں کے باتیں کرنے کی ہلکی ہلکی آواز سنائی دی میں نے اپنا سانس روک لیا یہ وہی اطالوی سپاہی تھے جو کیمپ کی دیوار کے باہر رات پیٹرول ڈیوٹی پر تھے ان کی آوازیں آہستہ آہستہ دور چلی گئیں میں موت کے پیٹ میں آکر بیٹھ گیا تھا اور اب یہاں سے مجھے زندہ یا مردہ ہی باہر نکلنا تھا سرنگ کہاں سے کھودی جانے کی اس کا فیصلہ دن کی روشنی میں تباہ شدہ جہاز کے فرش کو دیکھ کر ہی کر سکتا تھا میں نے کمبل اوپر لیا ہوا تھا رات سرد ہو رہی تھی جہاز کے ڈھانچے کے اندر ہلکی ہلکی گرمائش تھی اس کی وجہ سے مجھ پر غنودگی طاری ہونے لگی میں دل میں اس وقت یہی سوچ رہا تھا کہ میری محبوبہ کو علم ہی نہیں کہ میں اس کی خاطر موت کے منہ میں اس کے کتنے قریب بیٹھا ہوں صحرا کی خاموش اندھیری رات آہستہ آہستہ گزرتی چلی جارہی تھی اور میں سو گیا تھا۔

میری آنکھ اس وقت کھلی جب میرے کانوں میں کسی ٹرک کے انجن کے مسلسل چلنے کی آواز آ رہی تھی میں جلدی سے اٹھ بیٹھا اور ٹرک کی آواز پر کان لگا دیئے ساتھ ہی میں غور سے جہاز کے ڈھانچے کے اندرونی حصے کا جائزہ بھی لے رہا تھا دن کی روشنی میں مجھے ڈھانچے کے اندرونی حصے کی ہر شے صاف نظر آ رہی تھی یہ جہاز جیسا کہ واقد نے کہا تھا بمبار جہاز نہیں تھا لکہ سامان بردار چھوٹا جہاز تھا یہ ویل مچھلی کے سائز کا جہاز تھا جو اندر سے بالکل ٹوٹ پھوٹ چکا تھا۔ کاک پٹ بالکل تباہ ہو گیا تھا اور وہاں سے صحرا کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا فوجی ٹرک کی آواز رک گئی میں نے جہاز کی دم والے حصے کے ایک سوراخ میں سے باہر جھانک کر دیکھا۔

وہاں سے کوئی پچیس تیس فٹ کے فاصلے پر قیدی کیمپ کے عقبی حصے کی خاردار تار صاف نظر آ رہی تھی بیگار کرتے ہوئے میں اس طرف نہیں آیا تھا خاردار تار کے آگے قیدیوں کے چھوٹے چھوٹے کوارٹروں کی قطاریں شروع ہو جاتی تھیں۔ جہاز کا ڈھانچہ کیمپ کی خاردار تار والی دیوار کے درمیان میں تھا یعنی وہاں سے دونوں کونوں والی اونچائی پر بنی ہوئی نگران پوسٹوں کا فاصلہ تقریباً برابر برابر تھا نگران چوکیوں پر مجھے اطالوی سپاہیوں کے سر نظر آ رہے تھے کیمپ کے اندر سے کبھی کبھی کسی سپاہی کی آواز سنائی دے جاتی تھی میں نے جلدی سے کمبل اتار کر اسے ایک کونے میں رکھ دیا پانی کا مشکیزہ اور بھنے ہوئے چاولوں کا تھیلا بھی کونے میں چھپا دیا اور ان کے اوپر وہیں سے کچھ چیتھڑے اٹھا کر ڈال دیئے کھرپی نکال کر میں نے پہلے ہی ایک طرف رکھ دی تھی میں نے جہاز کے فرش کا معائنہ کیا۔ فرش کہیں نظر نہیں آ رہا تھا ہواؤں نے صحرا کی ریت اندر لا کر اس پر ڈال دی تھی میں ریت کو ہٹا کر دیکھنے لگا میں جہاز کے ڈھانچے کے پچھلے حصے میں زمین کھودنے کے لئے کوئی جگہ تلاش کر رہا تھا ریت کے نیچے کہیں کوئی اسٹیل کا ٹکڑا آ جاتا تو کہیں لکڑی کا تختہ ------ میں انہیں بالکل نہ چھیڑتا۔ ان کے اوپر دوبارہ ریت ڈال کر انہیں ڈھانپ دیتا۔ آخر دم کے بالکل نیچے ایک جگہ سے لکڑی کا فرش ٹوٹا ہوا تھا یہ کوئی تین فٹ چوڑا اور چار فٹ لمبا شگاف تھا۔

میں نے ایک بار پھر جہاز کے سوراخ میں سے کیمپ کی طرف دیکھا۔ وہاں کوئی اطالوی سپاہی نہیں تھا کیمپ کے اندر سے کچھ عورتوں کے تیز تیز بولنے کی آواز آنے لگی۔ میں نے اللہ کا نام لے کر فرش کھودنا شروع کر دیا۔ میں بڑے آرام سے کھرپی چلا رہا تھا اور ریت کو

جہاز کے اندر ہی ادھر ادھر پھینکتا جاتا تھا شروع میں ریت ہی نکل رہی تھی کوئی دو فٹ زمین کھودنے کے بعد نیچے سے سنگریزے نکلنے لگے میں بڑی احتیاط سے کھرپی چلا رہا تھا کہ سنگریزوں سے ٹکرانے سے آواز پیدا نہ ہو۔ پلاسٹک کے تھیلے میں سنگریزے بھرتا جاتا جب تھیلا بھر جاتا تو اسے بڑے آرام سے جہاز کے فرش پر ادھر ادھر بکھیر دیتا۔ سورج صحرا میں پوری آب و تاب سے چمکنے لگا تھا جہاز کا ڈھانچہ گرم ہو گیا تھا میری خوش قسمتی تھی کہ جہاز کی چھت کے اندر لکڑی کی کھپچیاں لگی ہوئی تھیں جن کی وجہ سے اندر زیادہ گرمی نہیں ہو رہی تھی پھر بھی میں پسینے سے شرابور ہو گیا لیکن میں نے اپنا کام جاری رکھا دوپہر تک میں نے اتنا بڑا گڑھا کھود لیا تھا کہ میں اس میں چھپ سکتا تھا زمین کی پہلی تہ ریت کی تھی دوسری سنگریزوں پر مشتمل تھی اور ان کے نیچے زمین ریت اور مٹی ملی تھی دوپہر کے بعد میں گڑھے سے باہر نکل کر کونے میں بیٹھ گیا تھوڑے سے بھنے ہوئے چاول کھا کر پانی پیا۔ کچھ دیر آرام کیا اور ایک بار پھر زمین کھودنی شروع کر دی۔

اب میں گڑھے کی دیوار کو گولائی کی شکل میں کھود رہا تھا تاکہ سرنگ بن جائے۔ یہ سرنگ میں زمین کی سطح سے دو فٹ اوپر کر کے کھود رہا تھا اس دوران جہاز کی طرف کوئی نہ آیا اس تباہ شدہ ڈھانچے کی طرف کسی کو عام حالات میں آنے کی ضرورت بھی نہیں تھی پھر بھی مجھے دھڑکا ضرور لگا رہتا۔ کیمپ کی طرف اگر کوئی آواز پیدا ہوتی تو میں گڑھے سے نکل آتا۔ ڈھانچے کے سوراخ کے ساتھ آنکھ لگا کر دیکھتا اور اطمینان حاصل کر لینے کے بعد دوبارہ اپنے کام میں جت جاتا زمین متوازی رخ پر اندر سے کافی نرم تھی میری کھرپی کافی آسانی سے چل رہی تھی شام تک میں نے تین سوا تین گز سرنگ کھود دی۔ جب باہر اندھیرا اور خاموشی ہو گئی تو میں بھی تھک گیا تھا۔ گڑھے سے نکلا۔ گڑھے کے اوپر لکڑی کی کچھ کھپچیاں رکھ کر اوپر چیتھڑے ڈال کر اسے بند کر دیا تھیلے میں سے بھنے ہوئے چاول نکال کر کھائے۔ پانی پیا اور کونے میں کمبل اوڑھ کر بیٹھ گیا میں کھدی ہوئی مٹی کو ساتھ ہی ساتھ جہاز کے اندر بکھیرتا جا رہا تھا پھر ان پر ریت ڈال دیتا تھا تاکہ اگر وہاں کوئی آ جائے تو اسے شک نہ ہو کہ یہ تازہ مٹی کہاں سے نکل آئی ہے۔

رات کو بے سدھ ہو کر سو گیا۔ ساری رات سویا رہا۔ صبح اٹھا تو تھکان کافی حد تک دور ہو چکی تھی صرف ہاتھوں پر چھالے پڑ گئے تھے میں نے پرانے چیتھڑوں کو پھاڑ کر انہیں اپنے

ہاتھ پر لپیٹا اور گڑھے میں اتر کر سرنگ کھودنے لگا مٹی اگرچہ نرم تھی اور اس میں ریت بھی ملی ہوئی تھی، لیکن پھر بھی یہ کام اتنا آسان نہیں تھا جتنا میں سمجھ رہا تھا پہلے دن تو میرے ہاتھوں سے خون بھی رسنے لگا تھا لیکن دوسرے دن زخموں کی جگہ گٹھیاں سی پڑ گئیں اور دیوار کھودتے وقت ہاتھ زیادہ درد نہیں کرتے تھے سارا دن میں سرنگ کھودتا رہتا بیچ میں ریت اور مٹی کے تھیلے بھر بھر کر اسے جہاز کے اندر بڑی احتیاط سے ادھر ادھر بکھیر دیتا سوراخ سے جھانک کر باہر کے ماحول کا بھی جائزہ لے لیتا تیسرے روز میں سرنگ کے اندر ہی تھا کہ زبردست آندھی چلنے لگی تیز ہوا کی چیخیں سنائی دینے لگی۔ میں جلدی سے سرنگ میں سے الٹا رینگ کر باہر آگیا جہاز کا ڈھانچہ اس طرح ہل رہا تھا جیسے بھونچال آگیا ہو کاک پٹ کی طرف سے تیز ہوا ریت کو اچھال اچھال کر اندر پھینک رہی تھی میں نے رومال سے منہ اور سر لپیٹ لیا اور کونے میں دبک کر بیٹھ گیا آدھے گھنٹے تک آندھی چلتی رہی پھر رک گئی میں نے رومال ہٹا کر منہ اور سر جھاڑا تازہ ریت کی تہہ اندر بچھ گئی تھی میں نے سوراخ میں سے کیمپ کی طرف دیکھا وہاں کچھ قیدی عورتیں پھاوڑوں سے ریت ہٹا رہی تھیں ان کی تیز تیز باتیں کرنے کی آوازیں بھی آرہی تھیں ایک اطالوی سپاہی رائفل کاندھے سے لٹکائے ان کے قریب ہی کھڑا تھا جب مجھے اطمینان ہو گیا کہ آس پاس سب خیریت ہے تو میں گڑھے میں اتر کر سرنگ میں رینگ کر داخل ہوا اور کھدائی شروع کر دی جوں جوں سرنگ آگے بڑھ رہی تھی کام مشکل اور وقت طلب ہوتا جارہا تھا مجھے تھوڑی تھوڑی دیر بعد ریت اور مٹی کو پلاسٹک کے تھیلے میں بھر کر اسے سرنگ مین سے باہر نکالنا پڑتا تھا یہ کام بہر حال کرنا ہی تھا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کام کی رفتار سست ہو گئی پانی میرے پاس میرے حساب سے صرف دو دن کا باقی رہ گیا تھا چاول کی بھی اتنی ہی خوراک باقی تھی۔

میں سوچتا اگر سرنگ مزید دو دنوں میں پوری نہ ہوئی تو مجھے لامحالہ پانی لینے گاؤں جانا پڑے گا تیسرے دن دوپہر کے بعد میں نے باہر نکل کر دیوار کے سوراخ میں سے اندازہ لگایا کہ سرنگ کدھر کو جارہی ہے زمین کی سطح سے میں اندازہ ہی لگا سکتا تھا میرے حساب سے سرنگ سامنے کیمپ کی خاردار تاروں کی طرف ہی جارہی تھی اور میں نے آدھے سے زیادہ فاصلہ طے کر لیا تھا یہ سرنگ گول تھی اور ایک پائپ کی شکل میں تھی اس میں سے صرف ایک آدمی ہی رینگ کر گزر سکتا تھا چھت کی طرف سرنگ کی اونچائی میں نے اتنی ضرور

رکھی تھی کہ رینگتے وقت سر اوپر نہ لگے اور کہنیاں بھی آسانی سے آگے پیچھے حرکت کر سکیں پہلے مجھے خطرہ تھا کہ کسی جگہ سے اچانک سرنگ بیٹھ نہ جائے لیکن یہ دیکھ کر یہ خطرہ دور ہو گیا کہ زمین میں کہیں کہیں پتھروں کے ایسے ٹکڑے آگئے تھے جنہوں نے زمین کو جکڑ رکھا تھا اس کے باوجود جب میں رینگتا ہوا سرنگ میں جاتا تو میرا دل یہ سوچ کر بیٹھ جاتا کہ اگر اس وقت میرے اوپر سرنگ کی چھت گر پڑی تو میرا کیا حال ہو گا سرنگ قبر سے بھی تنگ اور اس کے اندر گہری تاریکی تھی میں اندر کوئی لیمپ یا موم بتی نہیں جلا سکتا تھا بس ہاتھوں سے ٹٹول کر ہی اسے کھودتا چلا جارہا تھا سرنگ میں تازہ ہوا پیچھے سے ہی آتی تھی جوں جوں سرنگ آگے بڑھ رہی تھی تازہ ہوا اندر کم آنے لگی تھی جس کی وجہ سے بہت جلد میرا سانس پھول جاتا دو ایک بار تو مجھے اپنا سانس گھٹتا محسوس ہوا۔

اس وقت مجھے خیال آیا کہ مجھے سرنگ کے بیچ میں کسی جگہ چھت میں چھوٹا سا گول سوراخ کرنا چاہئے اوپر ریتیلی زمین ہی تو ہے سوراخ بڑی آسانی سے بن جائے گا اور اور اوپر سے کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا چوتھے روز صبح میں تیار ہو کر سرنگ کے اندر گھسا تو کوئی دس بارہ فٹ آگے جا کر اوپر چھت میں کھرپی کی مدد سے سوراخ کرنے لگا میں کھرپی کو دائیں بائیں زور زور سے گھما رہا تھا میرے اوپر مٹی اور ریت گر رہی تھی وہاں سے زمین کی موٹائی چار فٹ سے کم نہیں تھی میں تندہی سے اپنے کام میں لگا رہا دو گھنٹے کی جانکاہ محنت کے بعد ایک بار جو میں نے چھت میں کھرپی چلائی تو گرم ریت میرے اوپر گری یہ باہر زمین کی سطح کی ریت تھی اس کے ساتھ ہی سرنگ میں میرے اوپر روشنی ہو گئی اور تازہ ہوا اندر آنے لگی اوپر ہتھیلی جتنا بڑا سوراخ بن گیا تھا جس میں سے تازہ ہوا اور دن کی روشنی آرہی تھی میں نے مزید کھرپی چلانا مناسب نہ سمجھا اور وہیں سے ریت مٹی تھیلے میں ڈال کر پیچھے رینگنے لگا۔

سرنگ میں تازہ ہوا کے آنے جانے اور بیچ میں روشنی پڑنے سے کام میں آسانی پیدا ہو گئی تھی اب میرا سانس زیادہ نہیں بھرتا تھا سانس لینے میں بھی آسانی ہوتی تھی میں نے جہاز کی دیوار کے سوراخ میں سے دیکھ لیا تھا سوراخ والی جگہ زمین پر مجھے دکھائی تو نہیں دیتی تھیں لیکن یہ علاقہ ویران تھا اور ادھر کوئی اطالوی سپاہی گشت کرتے ہوئے نہیں آتا تھا چوتھا دن بھی گزر گیا میں پانی پینے میں انتہائی کفایت سے کام لے رہا تھا اس کے باجود میرے

پاس صرف ایک دن کا پانی رہ گیا تھا یعنی میں پانچویں روز دن میں صرف دو گلاس پانی پی سکتا تھا بھنے ہوئے چاول بھی ایک وقت ہی کھا سکتا تھا میں آدھی رات کو وہاں سے نکل کر گاؤں جا کر پانی اور چاول لانے کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا میں نے طے کر لیا کہ جیسے بھی ہو میں پانچویں دن سرنگ کا کام ختم کر دوں گا جہاز کے ڈھانچے کے فرش پر اب مزید مٹی ڈالنے کی جگہ نہیں رہی تھی میں مٹی کے تھیلے اب کاک پٹ کی طرف انڈیل دیتا اور اس کے اوپر تازہ ریت پاؤں سے ڈال دیتا تھا۔

میں سارا دن سرنگ کی کھدائی میں لگا رہا دوپہر کے وقت مجھے قدموں کی بھاری چاپ سنائی دی میں نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ فوجی بوٹوں کی چاپ میرے اوپر سے گزر گئی یہ اطالوی سپاہی تھے اس کا مطلب تھا کہ میری سرنگ قیدی کیمپ کی خاردار دیوار کے پاس پہنچ گئی تھی اب صرف تین چار فٹ کی کھدائی کا کام باقی تھا کیونکہ مجھے سرنگ کو خاردار دیوار کے اندر لے جانا تھا میں نے زیادہ جوش سے کام شروع کر دیا تین فٹ کی کھدائی میں مجھے دو گھنٹے لگ گئے جب مجھے اندازہ ہو گیا کہ میں قیدی کیمپ کی خاردار دیوار کے دو ڈیڑھ فٹ اندر تک چلا گیا ہوں تو میں نے آگے کھدائی روک دی اور چھت میں سوراخ کرنے لگا ایک گھنٹے تک میں اسی دقت طلب کام میں لگا رہا سرنگ میں میرے اوپر کافی مٹی اور ریت گر چکی تھی میں نے پلاسٹک کے تھیلے کو گھسیٹ کر آگے کیا اس میں ریت اور مٹی ڈالی اور الٹا رینگتا سرنگ سے نکل کر گڑھے میں آ گیا یہاں سے باہر جہاز کے ڈھانچے میں نکلا تو دن غروب ہو چکا تھا اور شام کا سرمئی اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔

میں نے سانس درست کیا تھوڑا سا پانی پیا مشکیزے میں صرف ایک پیالہ پانی ہی باقی رہ گیا تھا چاول بھی تقریباً ختم ہو چکے تھے مٹی اور ریت کو میں نے ادھر ادھر بکھیر دیا اور ڈھانچے کے سوراخ میں سے کیمپ کی طرف دیکھا کیمپ کے کھمبوں کے بلب روشن ہو گئے تھے قیدی کوارٹروں کے باہر بھی کہیں کہیں بتیاں جل چکی تھیں میں اس رات کام ختم کر کے صبح ہونے سے پہلے پہلے واپس گاؤں چلا جانا چاہتا تھا پانی کے دو گھونٹ اور پیئے اور اللہ کا نام لے کر سرنگ میں گھس گیا سرنگ کی چھت میں سوراخ کرنے کا کام خطرناک تھا میں ہمہ تن گوش ہو کر یہ کام کر رہا تھا دور سے اطالوی گشت پارٹی کی آہٹ سنائی دیتی تو میں وہیں کام روک دیتا میں نے محسوس کیا کہ اطالوی فوجیوں کے قدموں کی آواز پہلے میری دائیں جانب ہو گئی تھی

یہ بڑی خوش آئند بات تھی اس کا مطلب تھا کہ میں خاردار دیوار کے اندر تھا۔

سوراخ میں سے مٹی میرے اوپر گر رہی تھی میرا ہاتھ تیزی سے کھرپی چلا رہا تھا آخر وہ لمحہ بھی آ گیا جب میں [illegible] اوپر چھت میں کھرپا ماری تو وہ آدھی باہر نکل گئی اور ساتھ ہی مجھے سوراخ میں سے [illegible] رنگ کی روشنی نظر آئی اس روشنی کے ساتھ تازہ ہوا بھی تھی میں نے کھرپی تیزی سے چلانی شروع کی مجھے معلوم تھا کہ خاردار تاروں کے اندر کی جانب کوئی [illegible] نہیں ہوتا وہاں [illegible] چند قدموں کے فاصلے پر قیدی عورتوں کے تنگ و تاریک کوارٹر شروع ہو جاتے تھے [illegible] صرف گشت کرنے والے سپاہیوں کا تھا مگر وہ بھی مجھ سے بائیں جانب دیوار [illegible] تھے پھر رات کا اندھیرا بھی ہو گیا تھا میں سوراخ کو بڑا کرنے لگا جب سوراخ اتنا بڑا ہو گیا کہ میں اپنا سر باہر نکال سکتا تھا تو میں نے آہستہ سے اپنا سر باہر نکال کر دیکھا خوشی سے میرا دل اچھل پڑا میں خاردار دیوار کے دو فٹ اندر تھا میں نے دیکھا کہ جہاں میں نے سوراخ کیا تھا وہاں قریب ہی سوکھی گھاس کی چھوٹی سی ڈھیری پڑی تھی میں نے سر اندر کر کے ہاتھ باہر نکالا اور ڈھیری میں سے گھاس کو اپنی طرف کھینچا پھر اس سے سوراخ کو بند کر دیا اور جلدی جلدی الٹا رینگتا سرنگ سے گزرتا ہوا تباہ شدہ جہاز کے ڈھانچے میں آ گیا یہاں جو گڑھا میں نے کھود رکھا تھا اسے چیتھڑوں وغیرہ سے اچھی طرح سے بند کر دیا اپنی چیزیں سمیٹیں اور جہاز کے شگاف کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور رات کا اندھیرا گہرا ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

رات گہری ہو گئی۔

قیدی کیمپ پر بھی خاموشی چھا گئی میں نے خالی مشکیزہ اور پلاسٹک کے تھیلے اپنی کمر کے ساتھ باندھے اور تباہ شدہ جہاز کے ڈھانچے سے نکل کر ریت پر رینگنا شروع کر دیا کچھ دور تک صحرا کی اندھیری رات میں، میں اسی طرح پیٹ کے بل رینگتا چلا گیا۔ جب میں نے محسوس کیا کہ میں قیدی کیمپ سے مناسب حد تک آگے نکل آیا ہوں تو میں جانوروں کی طرح چاروں ہاتھ پاؤں پر چلنے لگا۔ جب قیدی کیمپ کی روشنیاں کافی پیچھے رہ گئیں تو میں اٹھ کھڑا ہوا اب میں جتنی تیز چل سکتا تھا چل رہا تھا۔

مجھے گاؤں تک پہنچتے پہنچتے کافی وقت لگ گیا۔ میں گاؤں کے کونے کی طرف سے ہو کر اپنے مکان کی دیوار پھاند کر صحن اور وہاں سے ہوتا ہوا اپنی کوٹھری میں آکر بے سدھ ہو کر زمین پر پڑ گیا میں تھکاوٹ سے چور تھا میں نے پانچ دن جہاز کے ڈھانچے میں رہ کر دس دس گھنٹے زمین کھودی تھی کھانے کو بھی سوائے بھنے ہوئے چاولوں اور پانی کے اور کچھ نہ ملا تھا مجھے کمزوری ضرور محسوس ہو رہی تھی لیکن مجھے اس بات کی بے حد خوشی بھی تھی کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تھا اب یہ میری قسمت تھی کہ میری سرنگ کا اطالوی سپاہیوں کو علم ہوتا ہے یا نہیں۔

میری کوٹھری کے گھڑے میں پانی بھرا ہوا تھا میں نے اٹھ کر پانی پیا اور پھر بستر پر لیٹ گیا۔ اتنے میں دروازے پر کسی نے آہستہ سے دستک دی میں سمجھ گیا کہ یہ سوائے وافد کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ میں نے پوچھا کون ہے۔ جس کے جواب میں وافد کی آواز آئی میں نے دروازہ کھول دیا کوٹھری میں اندھیرا تھا وافد نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔۔۔۔

تمہیں کل رات آجانا چاہئے تھا میں کل رات بھی یہاں تمہیں دیکھنے آیا تھا۔

میں نے وافد کو اپنی ساری کہانی سنائی اور بتایا کہ میں سرنگ کو قیدی کیمپ کے اندر لے جانے میں کامیاب ہو گیا ہوں وہ بڑا خوش ہوا وہ رومال میں میرے لئے کھانا لایا تھا کئی دنوں سے سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا تھا میں سارا کھانا کھا گیا۔ وافد بولا۔

"اب تم آرام کرو۔ صبح جب لوگ تم سے پوچھیں گے تو یہی کہنا کہ تم دوسرے گاؤں گئے ہوئے تھے۔ میں نے لوگوں کو یہی بتا رکھا ہے اچھا۔۔۔۔ اللہ حافظ! کل دوپہر کے بعد کھجوروں کے جھنڈ تلے آجانا۔"

وافد کے جاتے ہی میں گہری نیند سو گیا۔

دوسرے دن آنکھ کھلی تو دن کافی نکل آیا تھا کئی دنوں بعد پیٹ بھر کر کھانے اور جی بھر کر نیند لینے سے میری کھوئی ہوئی توانائی بحال ہو گئی تھی منہ ہاتھ دھو کر میں نے میلے کپڑے بدلے اور گاؤں آگیا۔ کچھ لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ میں دوسرے گاؤں سے کب واپس آیا میں نے انہیں مناسب جواب دے کر مطمئن کر دیا۔

اس وقت میرے دل کو ایک ہی دھڑکا لگا تھا کہ کہیں کسی اطالوی سپاہی کو کیمپ کے اندر سرنگ کا سوراخ نہ نظر آگیا ہو لیکن یہ سوچ کر مطمئن ہو جاتا کہ میں نے اسے گھاس پھوس سے اچھی طرح چھپا دیا ہے۔ دوپہر کو کھجوروں کے نیچے وافد سے ملاقات ہوئی وہ کہنے لگا۔

"اب دعا کرو کہ اطالوی گاؤں میں لوگوں کو بیگار کے لئے لینے آجائیں کیونکہ صرف اسی صورت میں تم کیمپ کے اندر جا کر اپنی منگیتر کو اطلاع کر سکتے ہو کہ وہ فرار کے لئے تیار رہے۔"

میں نے ایک کاغذ پر عربی زبان میں چار سطریں لیلیٰ کے نام لکھ کر اپنی جیب میں چھپا کر رکھ لی تھیں میں نے یہی لکھا تھا کہ تم آج رات تیار رہنا۔ میں آدھی رات کے بعد تمہیں یہاں سے لے جانے آؤں گا دو دن گزر گئے مجھے یہ بھی اندیشہ تھا کہ کہیں صحرا کی ریت اڑ اڑ کر سرنگ کے سوراخ کو بند نہ کر دے۔ خدا نے آخر میری دعا سن لی تیسرے دن اطالوی سپاہیوں کا ایک ٹرک گاؤں میں آگیا وہ گاؤں کے بوڑھوں اور بچوں کو پکڑ پکڑ کر ٹرک میں پھینکنے لگے۔ میں بھی بھاگ کر ان کے پاس چلا گیا۔ انہوں نے مجھے بھی ٹرک میں دھکیل دیا لیلیٰ کے نام لکھا ہوا پرچہ میری جیب میں تھا ٹرک قیدی کیمپ کی طرف چل پڑا۔ میں نے احتیا

کے طور پر پرچہ جیب سے نکال کر اپنی جوتی میں چھپا لیا اس بیگار پارٹی میں وافد شامل نہیں تھا لیکن ہم نے ایک دوسرے کو غور سے دیکھ لیا تھا حسب معمول فوجی ٹرک قیدی کیمپ میں داخل ہو گیا وقت دوپہر سے پہلے کا تھا کیمپ میں لے جاتے ہی ہمیں کام پر لگا دیا گیا میرے حصے میں کوارٹروں کے سامنے والے علاقے کی صفائی کا کام آیا یہی میں چاہتا تھا یہودی قیدی عورتیں بال کھولے کوارٹروں کے آگے بیٹھی تھیں ان کے چہروں پر وحشت برس رہی تھی۔

مجھے معلوم تھا کہ لیلیٰ کا کوارٹر کس طرف ہے۔ میں لمبے بانس والی جھاڑو سے زمین صاف کرتا لیلیٰ کے کوارٹر کی طرف نکل آیا یہاں پہلے سے دو ادھیڑ عمر شخص صفائی میں لگے تھے انہوں نے ایک نظر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئے وہاں صرف ایک ہی اطالوی سپاہی تھا جو کچھ فاصلے پر کوارٹر کے کھمبے سے ٹیک لگائے کھڑا سگریٹ پی رہا تھا میں نے کن انکھیوں سے لیلیٰ کے کوارٹر کو دیکھا لیلیٰ باہر نظر نہ آئی میں جھاڑو چلاتا اس کے کوارٹر کے آگے آ گیا اور کوڑے کرکٹ کی ڈھیری بنانے لگا میں وہ جگہ بھی کسی طرح دیکھنا چاہتا تھا جہاں میں نے سرنگ کا سوراخ کھولا ہوا تھا لیکن سب سے پہلے مجھے لیلیٰ کو اپنا پرچہ دینا تھا۔ لیلیٰ وہاں کہیں نہیں تھی اس کے کوارٹر کا دروازہ بند تھا میں فکر مند ہو گیا کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ یہ لوگ لیلیٰ کو یہاں سے نکال کر پیچھے کسی دوسرے کیمپ میں لے گئے ہوں۔ میں نے گوشہ چشم سے اطالوی سپاہی کی طرف دیکھا وہ سگریٹ منہ میں لئے کاندھے سے رائفل لٹکائے ٹہلنے لگا تھا پھر وہ ٹہلتے ٹہلتے کوارٹروں کی دوسری قطار کی طرف چل دیا۔ یہ موقع غنیمت تھا میں کوڑا کرکٹ صاف کرنے کے بہانے کوارٹر کے تختے پر چڑھ گیا۔

اچانک میری نظروں نے لیلیٰ کو دیکھا وہ کھڑکی والی سلاخوں کے ساتھ لگی اداس نظروں سے مجھے تک رہی تھی میں جلدی سے بیٹھ گیا جوتی میں سے پرچہ نکال کر اس کی گولی بنائی اور جھاڑو چلاتا کھڑکی کے پاس آیا اور تیزی سے پرچے کی گولی کھڑکی کے اندر پھینک دی اور تختے سے نیچے اتر کر جھاڑو چلانا شروع کر دی۔ میں نے دیکھا لیلیٰ کھڑکی کے پاس نہیں تھی مجھے اطمینان ہو گیا کہ میرا پرچہ اس کے پاس پہنچ گیا ہے یہ کٹھن مرحلہ طے ہو گیا تھا اب دوسرا مرحلہ باقی تھا یعنی مجھے سرنگ کے سوراخ کا معائنہ کرنا تھا جو ان کوارٹروں کے پیچھے تھا میں نے ایک ترکیب سوچی کوڑے کرکٹ کو ایک تھیلے میں ڈال کر اٹھایا اور اسے پھینکنے کے

بہانے کوارٹروں کے پیچھے آ گیا۔ دور خاردار تاروں کی دیوار کے باہر صحرا میں مجھے تباہ شدہ جہاز کا ڈھانچہ نظر آ رہا تھا پھر اس کو سامنے رکھ کر میں نے اپنے بائیں جانب گھاس پھوس کی ڈھیری کو دیکھا میں نے وہاں جا کر کوڑے کا تھیلا رکھ دیا اور دیکھا کہ وہاں سے چند فٹ بائیں جانب ایک گھاس پھوس الگ پڑا تھا اس گھاس کے نیچے سرنگ کا سوراخ تھا کسی کو ابھی تک سرنگ کا علم نہیں ہوا تھا ایک اطالوی سپاہی نے دور سے مجھے ڈانٹا کہ میں ادھر کیا کر رہا ہوں میں نے عاجزی سے کہا کہ کوڑا پھینکنے آیا تھا یہ کہہ کر میں جلدی سے دوسرے آدمیوں کے پاس آ گیا اور جھاڑو چلانے لگا۔

تیسرے پہر ہمیں بیگار سے نجات مل گئی اور ٹرک میں بٹھا کر ہم سب کو واپس گاؤں پہنچا دیا گیا میری آنکھیں وافد کو تلاش کر رہی تھی مگر وہ مجھے کہیں نظر نہیں آ رہا تھا آج رات میں لیلیٰ کو جنگی قیدیوں کے کیمپ سے نکال لے جانے والا تھا لیکن اس سے پہلے وافد سے ملاقات بہت ضروری تھی کیونکہ قیدی کیمپ سے فرار ہونے کے بعد ہمیں کسی خفیہ جگہ کچھ وقت کیلئے روپوش ہونے کی ضرورت تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ لیلیٰ کے فرار کی خبر ہوتے ہی اطالوی ہیلی کاپٹروں کا اس کی تلاش میں صحرا میں نکل پڑنا ایک قدرتی بات تھی وافد نے مجھے کہا بھی تھا کہ وہ ہمارے چھپنے کا انتظام کر دے گا۔

شام ہو گئی۔ گاؤں کے بڑے بوڑھے مکانوں سے نکل کر ادھر ادھر بیٹھ کر قہوہ پینے اور باتیں کرنے لگے یہاں بھی مجھے وافد کہیں دکھائی نہ دیا تو میں اپنے مکان میں آ گیا پھر رات ہو گئی میرا دل بے چین تھا خدا جانے وافد کہاں چلا گیا ہے اس کی مدد کے بغیر میں لیلیٰ کو اس علاقے سے نہیں نکال سکتا تھا مجھے صحرائی راستوں کا بھی کچھ علم نہیں تھا میرے پاس ایک اونٹ بھی نہیں تھا کہ جس پر بٹھا کر میں لیلیٰ کو لے جاؤں رات گہری ہوتی گئی میری بے چینی میں اضافہ ہونے لگا لیلیٰ نے میرا رقعہ پڑھ لیا ہو گا وہ ضرور آدھی رات کے بعد میرا انتظار کرے گی اگر میں نہ گیا تو اسے سخت مایوسی ہو گی اس کے علاوہ کسی دوسری رات کو اسے نکالنے کیلئے مجھے ایک بار پھر اسے رقعہ پہنچانے کی ضرورت تھی جو ایک مشکل مرحلہ تھا خدا جانے اب کب ہمیں بیگار میں پکڑ کر لے جایا جائے اور کیا معلوم پھر مجھے لیلیٰ کے کوارٹر تک پہنچنے کا موقع بھی ملے یا نہیں۔

میں اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ مجھے صحن میں کسی کے آہستہ سے کھانسنے کی آواز سنائی دی یہ

واقد ہی تھا میں جلدی سے کوٹھری سے باہر آگیا اندھیرے میں کمبل کی بکل مارے واقد میری طرف آرہا تھا وہ مجھے کوٹھری میں لے آیا آپ کہاں تھے؟ واقد اطمینان سے دری پر بیٹھ گیا اس نے بتایا کہ وہ میرا ہی بندوبست کرنے گیا تھا۔

کہنے لگا "دو تیز رفتار اونٹ گاؤں سے کچھ دور شمال کی طرف ایک جگہ میں نے باندھ دیئے ہیں میں تمہارے ساتھ جاؤں گا۔ مگر پیچھے رہوں گا اگر تم لیلیٰ کو نکالنے میں کامیاب ہو گئے تو پھر ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہو گا"

دیر تک وہ مجھ سے گفتگو کرتا رہا جب رات آدھی ہو گئی تو ہم مکان سے نکل کر قیدی کیمپ کی طرف روانہ ہو گئے صحرا کی تاریک رات میں چلتے چلتے جب ہمیں ایک جانب قیدی کیمپ کی روشنی اور دوسری طرف تباہ شدہ جہاز کے ڈھانچے کا دھبہ نظر آیا تو شیخ واقد وہیں ریت پر بیٹھ گیا اس نے مجھے خنجر دیا اور آہستہ سے کہنے لگا۔

"تم موت کے منہ میں جا رہے ہو۔ مگر محبت میں تمہیں ایسا ہی جرات مند قدم اٹھانا چاہئے تھا جاؤ۔ میں یہاں بیٹھا تمہارے لئے دعا کروں گا۔"

میں ریت پر رینگتا ہوا تباہ شدہ ڈھانچے میں آگیا یہاں دیوار کے سوراخ میں سے کیمپ کے عقبی حصے کا جائزہ لیا کھمبے کی روشنی کافی فاصلے پر تھی اور لیلیٰ کے کوارٹروں کا عقبی حصہ نیم اندھیرے میں تھا اتنے میں دو اطالوی سپاہی باتیں کرتے گشت لگاتے خاردار تاروں والی دیوار کے قریب سے گزر گئے میں نے گڑھے کا منہ کھودا اور اس میں اتر گیا پھر اللہ کو یاد کیا اور سرنگ میں گھس کر آگے کو رینگنے لگا سرنگ میں دو سوراخوں کی وجہ سے تازہ ہوا برابر آرہی تھی میری رفتار اگرچہ سست تھی مگر میں بغیر رکے آگے ہی آگے رینگتا چلا گیا آخر ایک جگہ سرنگ ختم ہو گئی ہاتھ اوپر کر کے میں نے سوراخ کے اوپر سے گھاس کو پرے ہٹایا سر باہر نکال کر دیکھا آس پاس مجھے کوئی فوجی سپاہی نظر نہ آیا کوارٹروں پر خاموشی طاری تھی عقبی حصہ اندھیرے میں تھا۔ میں نے خنجر کی مدد سے سوراخ کو چوڑا کر لیا پھر اس میں سے بازو باہر نکالے اور سرنگ سے باہر آتے ہی وہیں لیٹ گیا۔

میرے آگے اب زندگی اور موت کا مرحلہ تھا موت میرے بالکل قریب آگئی تھی مگر لیلیٰ کی محبت مجھے ہمت دلا رہی تھی میں رینگتے ہوئے اس کے کوارٹر کی سیڑھی کے پاس آکر تختے کے نیچے چھپ گیا جب مجھے اطمینان ہو گیا کہ کیمپ کے اس علاقے میں کوئی گارڈ نہیں ہے تو

میں نے نیچے سے تختے کو آہستہ آہستہ ٹھک ٹھک کی۔ مجھے یقین تھا کہ لیلیٰ میری اس آواز کی منتظر ہو گی اور ایسا ہی ہوا مجھے اوپر تختے پر لیلیٰ کے چھوٹے چھوٹے قدموں کی چاپ سنائی دی میں تختے سے باہر نکل آیا یہاں اندھیرا ضرور تھا مگر کیمپ کے ایک کھمبے کی بتی کی روشنی تھوڑی تھوڑی یہاں پہنچ رہی تھی میں نے خشک آواز میں کہا۔

"لیلیٰ! رینگتی ہوئی میرے پیچھے پیچھے آؤ"

اور یہ کہہ کر میں کوارٹروں کی دیوار کے ساتھ لگ کر زمین پر خاردار دیوار کی طرف رینگنے لگا چند قدم آگے جا کر میں نے لیٹے لیٹے گردن گھمائی لیلیٰ زمین پر رینگتی میرے پیچھے پیچھے چلی آرہی تھی آخری کوارٹر کے پاس آکر میں رک گیا میری نگاہیں گشتی پارٹی کے اندھیرے میں تلاش کر رہی تھی خاردار تاروں کی دیوار کی دوسری طرف دور مجھے دو انسانی سائے نظر آئے۔ لیلیٰ کا چہرہ میرے پاؤں کے قریب تھا میں نے ہاتھ پیچھے کر کے لیلیٰ کو وہیں ساکت ہو جانے کا اشارہ کیا ہم نے اپنے اپنے سر زمین پر رکھ دیئے اندھیرے میں اطالوی سپاہیوں کے سائے خاردار تاروں کی دوسری طرف سے جب کافی آگے نکل گئے تو میں تیزی سے رینگتا ہوا گھاس کی ڈھیری کے پاس پہنچ گیا یہاں پہنچ کر میں نے اپنا سر پیچھے کر لیا اب میرا سر زمین پر اوندھی پڑی لیلیٰ کے سر کے قریب تھا یہاں میں نے اسے بتایا کہ ہم ایک سرنگ میں سے گزرنے والے ہیں میں نے لیلیٰ کو ہدایت کی کہ یہ اس کی زندگی کی آخری امید ہے اسے حوصلے سے کام لینا ہو گا یہ کہہ کر میں سوراخ میں سے نیچے اتر گیا لیلیٰ بھی میرے پیچھے آگئی تھی۔ سرنگ میں اندھیرا تھا میں کہنیوں کے بل سرنگ میں آگے کو کھسکنے لگا میں نے اب لیلیٰ کو پکار کر کہا۔

"لیلیٰ گھبرانا نہیں۔ سرنگ زیادہ لمبی نہیں ہے"

لیلیٰ نے کمزور آواز میں کہا۔ "ٹھیک ہے"

ہم آدھی سرنگ پار کر گئے یہاں اوپر والے سوراخ سے تازہ ہوا اندر آتی محسوس ہوئی جس نے ہمارے حوصلے پسپا نہ ہونے دیئے آخر مجھے سامنے کی طرف سے تازہ ہوا اپنے چہرے سے مس ہوتی محسوس ہوئی میں نے لیلیٰ کو آواز دے کر کہا۔

"سرنگ ختم ہو رہی ہے لیلیٰ! گھبرانا نہیں"

لیلیٰ کسی نہ کسی طرح میرے پیچھے رینگتی چلی آرہی تھی سرنگ ختم ہوتے ہی میں نے

گڑھے میں قلا بازی لگادی اس کے بعد میں نے پلٹ کر لیلیٰ کو بازوؤں سے پکڑ کر گڑھے میں کھینچ لیا لیلیٰ بری طرح ہانپ رہی تھی ایک منٹ تک وہ بات کرنے کے قابل نہ ہو سکی۔ وہ گڑھے میں بے سدھ پڑی تھی میں نے اس سے کہا۔

"ہم کیمپ سے زیادہ دور نہیں ہیں مگر یہ محفوظ جگہ ہے۔"

لیلیٰ کا خوف ابھی تک دور نہیں ہوا تھا اس کی حالت ایسی تھی جیسے کسی نے اسے قبر میں سے باہر نکالا ہو۔ میں گڑھے سے باہر گئے اور لیلیٰ کو بھی اوپر کھینچ لیا میں گھٹنوں کے بل چلتا جہاز کے ڈھانچے کے بغلی شگاف تک گیا تازہ ہوا نے ہمیں بڑی طاقت دی تھی کیمپ پر خاموشی چھائی ہوئی تھی کسی کو ابھی تک لیلیٰ کے فرار کا علم نہیں ہو سکا تھا میں واپس لیلیٰ کے پاس آگیا جلدی جلدی مختصر الفاظ میں اسے تھوڑا بہت حالات سے باخبر کیا اور پھر ہم دونوں جہاز کے ڈھانچے سے باہر آگیا ایک بار پھر ہم ریت پر رینگ رہے تھے مگر کھلی ہوا میں نرم ریت پر رینگنے سے ہمیں زیادہ دقت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

ایک نشیب سے گزرنے کے بعد جب میں اسی پوائنٹ پر پہنچا جہاں سے محفوظ علاقہ شروع ہوتا تھا تو میں اور لیلیٰ گھٹنوں کے بل چلنے لگے آخر ہم اس مقام پر پہنچ گئے جہاں واقد اندھیرے میں ہماری راہ دیکھ رہا تھا۔ اس نے ہمیں دیکھا تو بولا۔

"میرے پیچھے اسی طرح چلتے آؤ"

نصف فرلانگ تک گھٹنوں کے بل چلنے کے بعد ہم اٹھ کھڑے ہوئے اور تیز تیز قدموں سے چلنے لگے واقد ہماری راہ نمائی کر رہا تھا ہمارا رخ گاؤں کی طرف نہیں تھا دو فرلانگ چلنے کے بعد ریت کا ایک ٹیلہ آگیا اس کے پیچھے آئے تو وہاں میری نظر اندھیرے میں دو اونٹوں پر پڑی جو زمین پر گردنیں اٹھائے بیٹھے تھے واقد نے لیلیٰ سے کہا۔

"تم دونوں اس اونٹ پر بیٹھ جاؤ۔ میں دوسرے اونٹ پر سوار ہو کر تمہارے آگے آگے چلوں گا"

تھوڑی دیر بعد ہمارے اونٹ رات کے اندھیرے میں صحرا کی وسعتوں میں ایک طرف بھاگے جا رہے تھے صحرائی رات میں ہمارا یہ سفر پو پھٹنے تک جاری رہا واقد ہمارے آگے آگے تھا وہ ہمیں ایک ایسی جگہ لے جا رہا تھا جہاں ہم کچھ وقت کیلئے روپوش رہ سکتے تھے جب آسمان پر ستارے مشرق کی جانب ماند پڑ رہے تھے تو سحر کے اولین دھندلکوں میں ہمیں کچھ

فاصلے پر ریت کے ٹیلوں کا ایک سلسلہ نظر آیا واقد اب اپنا اونٹ ہمارے اونٹ کے برابر لے آیا۔ اس نے ٹیلوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہمیں بتایا کہ ان ٹیلوں کے درمیان ایک خفیہ مقام ہے جہاں ہم جا رہے ہیں۔ یہ مقام ایک قدرتی غار تھا جو ریت کے ٹیلوں کے درمیان ایک زمین میں آدھی دھنسی ہوئی چٹان میں بنا ہوا تھا غار کے منہ پر ببول کی خاردار جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں ببول کی جھاڑیوں کے پاس ہم نے اونٹوں کو زمین پر بٹھا دیا پھر ہم بھی نیچے اتر آئے لیلیٰ نڈھال سی ہو رہی تھی مگر اطالویوں کی قید سے نکل آنے کی اسے خوشی بھی تھی۔ اس کے باوجود گھبرا رہی تھی کہ کہیں وہ پھر نہ پکڑی جائے۔ میں اسے بار بار حوصلہ دے رہا تھا واقد ہمیں اپنے ساتھ لے کر اس قدرتی چٹانی غار میں داخل ہو گیا اس کے ہاتھ میں ایک تھیلا تھا جو اس نے اپنے اونٹ پر سے اتارا تھا تھیلے میں سے اس نے موم بتی نکال کر روشن کی۔

غار کی دیواروں میں نوکیلے پتھر ابھرے ہوئے تھے۔ چھت زیادہ اونچی نہیں تھی فضاء میں ایک عجیب ناگوار سی بو رچی ہوئی تھی غار ایک طرف کو مڑ گیا تھا آگے دیوار تھی یہاں آکر غار بند ہو جاتا تھا ہم دیوار کے پاس بیٹھ گئے واقد نے تھیلا کھولا اس میں سے پانی کا مشکیزہ نکالا مٹی کے کٹورے میں ہم نے باری باری پانی پیا واقد نے لیلیٰ کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"میری بچی! میں تمہارے منگیتر کی دلیری کی داد دوں گا اس کی قدر کرنا۔ یہ تم سے بڑی سچی محبت کرتا ہے اس نے تمہاری خاطر موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور سر دھڑ کی بازی لگا کر تمہیں جہنم سے نکال لایا۔"

لیلیٰ نے سر جھکا رکھا تھا واقد کہنے لگا

"یہاں تم اپنے آپ کو محفوظ سمجھو، صبح ہوتے ہی لیلیٰ کے فرار کی خبر ہو جائے گی۔ اطالوی اس کی تلاش میں صحرا میں ضرور نکلیں گے لیکن مجھے معلوم ہے کہ وہ دن کی تیز تپش اور صحرا کی جھلسا دینے والی گرمی میں ان ٹیلوں تک نہیں پہنچ سکیں گے۔"

میں نے واقد سے پوچھا کہ ہمیں کب تک وہاں روپوش رہنا ہوگا واقد بولا۔

"تمہیں صرف کل کا دن یہاں بسر کرنا ہوگا۔ کل شام کو میں آؤں گا اور ہم راتوں رات یہاں سے نکل جائیں گے"

لیلیٰ نے کمزور آواز میں پوچھا

"ہم کس طرف جائیں گے؟ کیا ہم اپنے وطن بن غازی نہیں جا سکتے؟"

وافد کہنے لگا "بن غازی پر ابھی تک جرمنوں کا قبضہ ہے وہاں تمہارے جانے کا ابھی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اطالوی تمہاری تصویر بن غازی کے جرمن کمانڈر تک ضرور پہنچا دیں گے میں چاہتا ہوں کہ تم دونوں یہاں سے بشام کی طرف چلے جاؤ یہ گاؤں یہاں سے ایک رات کے سفر پر ہے وہاں میرا چھوٹا بھائی رہتا ہے۔ میں تمہیں اس کے حوالے کر کے اپنے گاؤں واپس آجاؤں گا وہاں تم جنگ ختم ہونے تک اطمینان سے رہنا ادھر جنگ کا اثر زیادہ نہیں ہے۔ جنگ کا زور صرف شمال کی طرف ہے۔ میں تمہارے پاس کچھ خشک گوشت اور روٹی اور پانی رکھے جا رہا ہوں یہ کل شام تک کیلئے کافی ہو گا۔ شام ہوتے ہی میں تمہارے پاس آجاؤں گا پھر ہم آگے بشام کی طرف چل پڑیں گے میں اب جاتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ دن زیادہ چڑھنے سے پہلے پہلے گاؤں پہنچ جاؤں۔ میری عدم موجودگی اطالویوں کو میرے بارے میں شبے میں مبتلا کر سکتی ہے۔"

یہ کہہ کر وافد خوراک کا تھیلا ہمارے پاس چھوڑ کر چلا گیا۔

میں اور لیلیٰ غار میں اکیلے رہ گئے ایک مدت کے بعد ہم دونوں کو ایسی تنہائی ملی تھی کہ جس میں کسی دوسرے کے مخل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا پہلے میں نے لیلیٰ کو اپنی داستان سنائی۔ اس کے بعد لیلیٰ نے مجھے اپنی کہانی بیان کی۔ لیلیٰ کو سلون گاؤں ہی سے جرمن سپاہیوں نے گرفتار کر لیا تھا۔ اس پر جرمنوں کو شبہ تھا کہ وہ اتحادیوں کی جاسوس ہے۔ لیلیٰ پر کافی تشدد بھی کیا گیا تھا لیکن چونکہ اسے جاسوسی کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا اس لئے اس نے جرمنوں کو کچھ نہ بتایا اور یوں پہلے تو اس کو تشدد کا نشانہ بنایا جاتا رہا پھر اسے بن غازی سے نکال کر اطالوی جنگی قیدیوں کے کیمپ میں بھیج دیا گیا۔ لیلیٰ کی پوری درد بھری داستان میں وہ حصہ سب سے زیادہ خوبصورت اور میرے لئے اطمینان کا باعث تھا جہاں اس نے مجھے بتایا کہ اس کا منگیتر اور چچا زاد عبید بھی گولہ باری میں ہلاک ہو گیا ہے۔ عبید کی موت کی تصدیق عبید کے ماموں نے کی تھی جس نے اس کی لاش بن غازی میں اسے کے ایک دوست کے صحن میں پڑی دیکھی تھی۔

سارا دن ہم نے اسی غار میں گزار دیا۔ اس بیچ میں دو ایک بار اٹھ کر غار سے باہر بھی گیا ایک بار ہم نے ہیلی کاپٹر کی آواز بھی سنی جو ہم سے کچھ فاصلے پر سے آتی تھی اس کے بعد شام

تک وہاں سکون طاری رہا نہ کوئی اطالوی یا جرمن ٹرک ادھر آیا اور نہ کوئی ہیلی کاپٹر ہی گزرا۔ جب رات ہو گئی تو میں نے غار میں موم بتی روشن کر دی۔ لیلیٰ نے کہا۔

"اس کی روشنی باہر سے کوئی دیکھ لے گا"

اور میں نے موم بتی بجھا دی پھر میں لیلیٰ کو غار میں چھوڑ کر غار سے باہر آگیا ٹیلے پر چڑھ کر چاروں طرف دیکھنے لگا صحرا میں رات کی اولین سرمئی دھند اترنے لگی تھی مجھے دور ایک اونٹ سوار آتا نظر آیا اگرچہ مجھے وافد کا انتظار تھا لیکن یہ کوئی جرمنوں کا جاسوس بھی ہو سکتا تھا جو مفرور لیلیٰ کی تلاش میں نکلا ہو۔ میں نے ٹیلے سے اتر آیا اور ایک طرف اوٹ میں ہو کر اونٹ سوار کو تکنے لگا جوں جوں وہ قریب آ رہا تھا اس کی ہیت واضح ہو رہی تھی اس کے ساتھ ایک خالی اونٹ بھی تھا۔ یہ وافد ہی تھا میں ببول کی جھاڑیوں کے پاس بیٹھ گیا وافد نے اونٹ کو ایک طرف بٹھا دیا پھر اونٹ پر سے اترا اور میرے قریب آکر بولا۔

"تم باہر کیوں آگئے ہو لیلیٰ کہاں ہے؟"

میں نے کہا میں آپ کے انتظار میں باہر نکل آیا تھا اور لیلیٰ غار میں ہے۔ وافد اور میں غار میں آگئے لیلیٰ نے موم بتی روشن کر دی وافد کہنے لگا۔ "لیلیٰ کے فرار کا پتہ اطالویوں کو صبح گنتی کے وقت ہوا۔ اسی وقت دو ٹرک گاؤں میں شور مچاتے داخل ہوئے اور سپاہیوں نے گھر گھر کی تلاشی شروع کر دی میں ایک پہر دن چڑھے پہنچا مگر ان کو میری عدم موجودگی کا علم نہیں ہوا۔ وہ لوگ مکانوں کی چھان پھٹک کرنے کے بعد چلے گئے اس کے بعد وہ خود تو گاؤں نہیں آئے لیکن ہمارے گاؤں کے قریب سے کئی ٹرک گزرے۔"

میں نے پوچھا "اب کیا صورت حال ہے؟"

وافد نے کہا "ظاہر ہے تمہاری منگیتر کی تلاش جاری ہے۔ دوپہر کے بعد گاؤں کے اوپر سے ایک ہیلی کاپٹر بھی گزرا تھا کچھ کہا نہیں جا سکتا لیکن تم دونوں محفوظ ہو اور میرے چھوٹے بھائی کے گاؤں بشام میں اس سے زیادہ محفوظ ہو گے۔ اب تم اٹھو اور میرے ساتھ بشام کی طرف روانہ ہو چلو وہاں ہم پوری رات کے سفر کے بعد پہنچیں گے میں نے ایک آدمی اپنے چھوٹے بھائی کے گاؤں اپنا پیغام دے کر دوڑا دیا ہے میں نے اسے صرف یہ پیغام دیا ہے کہ میں بیمار ہوں اور صبح اس کے پاس پہنچ رہا ہوں۔"

ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

میں اور لیلیٰ اونٹ پر سوار ہو گئے وافد بھی اپنے اونٹ پر سوار ہو کر صحرا کے سفر پر روانہ ہو گیا۔ ساری رات کا سفر تھا۔ راستے میں ہم نے دو جگہوں پر قیام کیا تھوڑی دیر رک کر پانی پیا ذرا ستائے اور پھر سفر شروع کر دیا۔ صبح ہونے سے پہلے ہم وافد کے بھائی کے گاؤں پہنچ گئے شیخ وافد نے اپنے بھائی کو ہمارے بارے میں سب کچھ سچ سچ بتا دیا یہ گاؤں خشک پہاڑیوں کے درمیان واقع تھا اور اس کے ارد گرد ہرے بھرے کھیت انگور اور انجیر اور کھجور کے باغ تھے۔ بڑا پر فضا علاقہ تھا۔ کافی بڑا گاؤں تھا دو تین بڑی بڑی حویلیاں بھی تھیں وافد کے چھوٹے بھائی بکر کا مکان گاؤں سے باہر انگور کے ایک باغ میں تھا۔ وہ اپنی خوبصورت بیوی اور بچوں کے ساتھ یہاں رہتا تھا بکر کی بیوی کو ہمارے بارے میں صرف یہی بتایا گیا تھا کہ ہم بن غازی کے مہاجر ہیں اور ایک دوسرے کے منگیتر ہیں وافد وہاں ایک روز رہا اگلے روز جانے لگا تو ہمیں ایک طرف انگور کے باغ میں لے گیا اور کہنے لگا۔

میں واپس جا رہا ہوں۔ تم لوگ بڑے آرام سے یہاں اس وقت تک رہو جب تک کہ جنگ ختم نہیں ہو جاتی یا پھر بن غازی سے جرمن اور اطالوی فوجیں واپس نہیں چلی جاتیں۔ ہمیں یہاں جو خبریں ملی ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ جرمن فوجیں شمالی افریقہ سے پسپا ہونے لگی ہیں ممکن ہے جنگ جاری ہے لیکن دشمن ہمارے علاقے کو چھوڑ کر بھاگ جائے جو بھی حالات ہوں گے میرا چھوٹا بھائی بکر تمہارا پورا خیال رکھے گا میں نے اسے سب کچھ سمجھا دیا ہے۔ دس پندرہ یوم کے بعد میں بھی ایک پھیرا ماروں گا۔ وافد اسی روز واپس چلا گیا میں اور لیلیٰ وہاں رہنے لگے ہمیں مکان کی نچلی منزل میں دو کمرے دے دیئے گئے تھے لیلیٰ کونے والے کمرے میں اور میں اس کے ساتھ والے کمرے میں رات کو سو جاتا۔ دن کا بیشتر وقت لیلیٰ بکر کی بیوی بچوں کے ساتھ گزارتی وہ گھر کے کام کاج میں بکر کی بیوی کا ہاتھ بٹانے لگی تھی میں بھی انگور کے باغ میں بکر کے ساتھ کام کرتا۔ ہمیں وہاں رہتے ہوئے سات آٹھ دن ہی گزرے تھے کہ ایک دن گاؤں میں افراتفری سی مچ گئی لوگ کھیتوں سے نکل کر اپنے مکانوں کی طرف بھاگنے لگے ایک شخص دوڑتا ہوا ہمارے باغ میں آیا وہ سخت گھبرایا ہوا تھا دونوں بازو اٹھا کر چلایا۔

"بھاگ چلو جرمن فوجیں آ رہی ہیں میں نے ٹینک اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں"

بکر اور میں باغ سے نکل کر گھر کی طرف بھاگے لیلیٰ نے بکر کی بیوی اور بچوں کو مکان کے

ٹھنڈے تہہ خانے میں چھپا دیا اور پھر خود مکان کے چوکور مینار پر چڑھ کر بیٹھ گئے اس قسم کے چوکور مینار میں نے تیونس میں بھی دیکھے تھے یہ مینار ایک منزل ہی اونچے ہوتے ہیں لیکن بڑے قصبوں کی حویلیوں میں ضرور بنائے جاتے ہیں مجھے دور مشرق کی طرف صحرا میں گرد و غبار اڑتا نظر آیا۔

بکر بولا۔ "جرمن فوج آ رہی ہے ہمیں بھی چھپ جانا چاہئے"

بکر کے پاس ایک رائفل تھی میں نے رائفل اس کے ہاتھ سے لے لی اور کہا "تم تہہ خانے میں جاؤ۔ میں یہاں رہتا ہوں"

بکر مجھے وہاں نہیں چھوڑنا چاہتا تھا لیکن میرے اصرار پر نیچے چلا گیا صحرا میں گرد و غبار آگے بڑھ رہا تھا گرد و غبار کے ساتھ ایک ہلکی ہلکی گڑگڑاہٹ کی آواز بھی آنے لگی تھی میں سمجھ گیا کہ یہ جرمن ٹینک ہیں۔ مشرق کی طرف جرمنوں کی فرنٹ لائن تھی اس طرف سے ٹینک قطار کی شکل میں چلے آ رہے تھے اور ان کی رفتار بھی خاصی تیز تھی اس کا مطلب یہی نکلتا تھا کہ جرمن پسپا ہو رہے تھے یہ جرمنوں کی آرمرڈ ڈویژن کے ٹینک تھے۔ ٹینک گاؤں کی طرف آنے کی بجائے صحرا میں بالکل سیدھ میں مغرب کی طرف نکل گئے چار قطاروں میں یہ پچاس ساٹھ کے قریب بڑے بڑے ٹینک تھے اوپر پندرہ بیس ہیلی کاپٹر نمودار ہوئے وہ ٹینکوں کے اوپر پرواز کرتے آگے نکل گئے ان جرمن ٹینکوں سے اس خبر کی تصدیق ہوئی کہ جنرل رومیل کی فوجیں شمالی افریقہ سے پیچھے ہٹ رہی تھیں اتحادیوں کا دباؤ شدید ہو گیا تھا۔

یہ صورت حال میرے لئے خوش آئند تھی اگر شمالی افریقہ سے جرمن فوج نکل جاتی ہے تو ہم واپس بن غازی جا سکتے تھے میں نے تہ خانے میں جا کر بکر اور لیلیٰ کو بتایا کہ جرمن فوجیں پسپا ہو رہی ہیں۔ انہیں یقین نہیں آتا تھا جب میں نے انہیں بتایا کہ میں نے ہیلی کاپٹر پر نازی پارٹی کا نشان اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے تو بکر خاموش ہو گیا لیلیٰ کو یقین آ گیا۔ وہ جانتی تھی کہ میں اتحادی فوج میں رہ چکا ہوں اور جنگی نقل و حرکت سے واقف ہوں ہم لوگ تہہ خانے سے باہر نکل آئے جرمن ٹینکوں کا دوسرا دستہ صحرا میں سے گزر رہا تھا یہ ٹینک کافی بڑی تعداد میں تھے۔ ان کی رفتار کافی تیز تھی اور وہ صحرا میں بکھر کر چل رہے تھے جب گاؤں کی طرف کسی ٹینک نے رخ نہ کیا تو لوگوں کا خوف دور ہو گیا اور وہ مکانوں کے باہر اور چھتوں پر کھڑے ہو کر ٹینکوں کو تیز رفتاری سے صحرا میں گزرتے دیکھنے لگے۔

جب ٹینک گزر گئے تو لیلیٰ مجھے ایک طرف لے گئی اور کہنے لگی۔

"کیا اب ہم واپس اپنے گھر جاسکیں گے؟"

میں نے کہا۔۔ کیوں نہیں۔ جرمن شمالی افریقہ سے بھاگ رہے ہیں پیچھے اتحادی فوج چلی آرہی ہے یہاں امن قائم ہونے والا ہے پھر ہم بن غازی جاسکیں گے۔

لیلیٰ کا چہرہ اداس ہو گیا اسے اپنی چچی اور چچا کی یاد آرہی ہو گی اچانک ایک فوجی طیارہ گڑگڑاہٹ کی زوردار آواز کے ساتھ ہمارے گاؤں کے اوپر سے گزر گیا۔ لوگوں میں ایک بار پھر بھگدڑ مچ گئی سب لوگ مکانوں میں جاکر چھپ گئے ہم بھی تہہ خانے میں آگئے ایک ڈیڑھ گھنٹہ گزر گیا دوبارہ کوئی جہاز گاؤں کے اوپر سے نہ گزرا پھر زور سے ہلکی ہلکی گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دینے لگی میں سمجھ گیا کہ اتحادیوں کے ٹینک آگے بڑھ رہے ہیں میں نے لیلیٰ اور بکر کے اہل خانہ کو وہیں بیٹھے رہنے کی ہدایت کی اور خود تہہ خانے سے نکل کر باغ میں آکر ایک درخت کی اوٹ میں بیٹھ گیا۔ مشرق کی طرف گرد و غبار اٹھ رہا تھا پھر اس گرد و غبار میں سے ٹینک نمودار ہوئے ایک فوجی چھوٹا جہاز نمودار ہوا اور ہمارے گاؤں کے اوپر سے نیچی پرواز کرتا ہوا گزر گیا اس جہاز پر اسٹار بنا ہوا تھا میرا دل خوشی سے جھوم اٹھا یہ اتحادیوں کا جہاز تھا اب اس بات کی تصدیق ہو گئی تھی کہ افریقہ سے جرمن بھاگ رہے ہیں یہ ٹینک انڈین ٹینک ڈویژن کے تھے۔

جب میں نے گاؤں والوں کو اتحادیوں کی آمد کی خبر سنائی تو ہر طرف خوشی کی لہر دوڑ گئی لوگ گھروں سے باہر نکل آئے اور گزرتے ہوئے ٹینکوں کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلانے لگے۔ ٹینکوں کے کپورلے کھلے تھے اور ان میں سے انڈین فوجیوں کے گرد آلود عینک پوش چہرے نظر آرہے تھے دو ایک فوجیوں نے گاؤں والوں کے جواب میں ہاتھ ہلایا۔ میں نے اطمینان کا گہرا سانس لیا اب مجھے صرف ایک پریشانی تھی کہ کہیں ہماری انفنٹری رجمنٹ اس طرف نہ آجائے اور میں پہچان نہ لیا جاؤں اس بات کا قوی امکان تھا کہ اس علاقے میں ہماری رجمنٹ تعینات ہو چنانچہ میں نے لیلیٰ کو ساری صورت حال بتائی اور کہا کہ ہمارا ابھی بن غازی جانا مناسب نہیں خطرہ ہے کہ میں کہیں پکڑا نہ جاؤں لیلیٰ فکرمند ہو گئی اس کو اپنے بارے میں پریشان دیکھ کر میرے دل کو عجیب چین سا ملا۔ وہ کہنے لگی۔

"اگر تم چاہو تو ہم اپنے قصبے میں چلے جاتے ہیں جب حالات ٹھیک ہو جائیں گے تو واپس

بن غازی آجائیں گے میں اپنے آبائی مکان کو پھر سے تعمیر کرنا چاہتی ہوں میں وہیں رہوں گی"

میں نے کہا۔ "کیوں نہیں۔ ہم اس مکان کو دوبارہ بنائیں گے لیکن کچھ وقت ہمیں بن غازی سے دور ہی رہنا ہوگا" اس روز شام تک گاؤں میں یہ خبر پھیل گئی کہ جرمن اور اطالوی فوجوں کو شکست ہو گئی ہے طبروق اور بن غازی خالی ہو گیا ہے ہمارے سامنے اب کوئی خطرہ نہیں تھا دوسرے روز دوپہر کے بعد میرا ساتھی اور مشفق واند بھی آگیا وہ بڑا خوش تھا آتے ہی مجھ سے بغل گیر ہوا اور بولا۔

"جرمن بھاگ گئے۔ جنگی کیمپ کی ساری عورتیں آزاد ہو گئیں۔ اب تم لوگ بن غازی جاسکتے ہو۔

مزید تین دن ہم اسی گاؤں میں رہے پھر یہاں سے ایک قافلے میں شامل ہو کر سلون گاؤں کی طرف روانہ ہو گئے۔ چار دن کے سفر کے بعد ہم سلون گاؤں آگئے۔ یہاں سے ہم نے دوسرا قافلہ پکڑا اور اس قصبے میں آگئے جہاں لیلیٰ کے رشتے دار رہتے تھے۔ یہاں میری اور لیلیٰ کی شادی ہو گئی ہم نے ایک مہینہ اسی قصبے میں گزارا اس کے بعد میں اکیلا بن غازی آیا۔ شہر میں اتحادیوں کی مقبوضہ رجمنٹیں بھی واپس جاچکی تھیں۔ میں واپس چلا گیا۔ لیلیٰ کو ساتھ لیا اور بن غازی میں آگیا ہم نے لیلیٰ کے مکان کو از سر نو تعمیر کیا اور ہماری نئی زندگی شروع ہو گئی۔ لیلیٰ نے مجھے زندگی کی مسرتوں سے مالا مال کر دیا تھا۔